نقد قاطعِ بُرہان

مع ضمائم

پروفیسر نذیر احمد

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

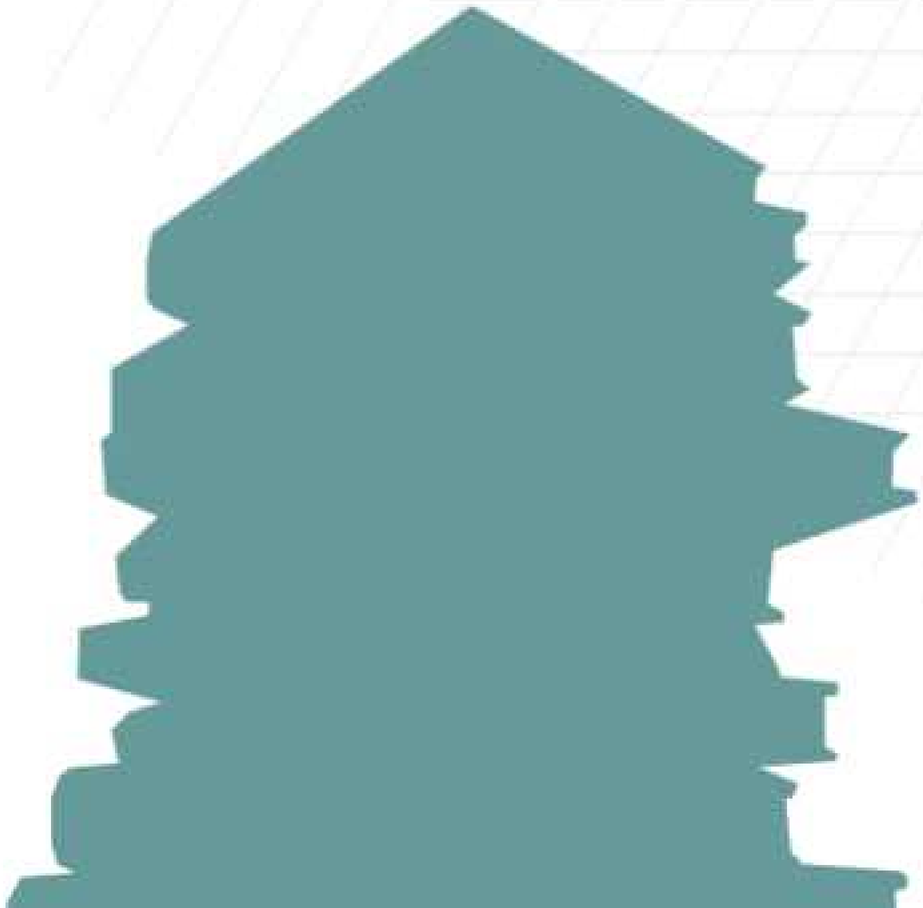

نقد قاطع برہان

مع ضمائم

پروفیسر نذیر احمد

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

جملہ حقوق محفوظ

130822

سنہ اشاعت: ۱۹۸۵ء

قیمت: ساٹھ روپے

بہ اہتمام: شاہد ماہلی

مطبوعہ: چوہان آرٹ پریس، نئی دہلی

اِس کتاب کی طباعت
پرنٹوانڈ پرس ۱۲/۴ مادی پور نئی دہلی ۱۱۰۰۶۳
کے زیرِ اہتمام ہوئی۔

ناشر:
غالب انسٹی ٹیوٹ
ایوانِ غالب مارگ نئی دہلی

فہرست

۱۔ پیش گفتار

۲۔ نقد قاطع برہان

۳۔ ضمائم ۲۰۹

ا ۔ دساتیر پر ایک نظر ۲۱۱

ب ۔ برہان قاطع ۲۴۵

ج ۔ غالب اور مؤلف برہان میں اتحاد نظر ۲۷۱

د ۔ غالب اور ذال فارسی ۲۹۷

ھ ۔ تصحیفات ولغات فارسی ۳۳۳

بسمہٖ تعالیٰ

پیش گفتار

نقد قاطع برہان، غالب کی مشہور تصنیف قاطع برہان کے بعض مندرجات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی ایک کوشش ہے، اور جیسا کہ معلوم ہے قاطع برہان، برہان قاطع تالیف محمد حسین تبریزی کی ردّ میں معرض وجود میں آئی، لیکن غالب کے بعض بیانات محل نظر تھے، زیر نظر کتاب میں انھیں بیانات کے سلسلے میں ایک تحقیقی معروضہ پیش کیا گیا ہے، اور اس کوشش کی بنیاد قدیم اسناد کے تقابلی مطالعے پر ہے، اور مجھے اس بات سے مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ متعدد قدیم فارسی فرہنگ از قسم فرہنگ قواس، دستورالافاضل زفان گویا، بحر الفضائل وغیرہ کی روشنی میں پہلی بار اختلاف آرا مسائل پر تنقیدی نظر ڈالی جا رہی ہے اور میری معلومات کی حد تک ان لغات کا استعمال جو ہندوستان ہی میں مدون ہوئی ہیں، نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی اب تک نہیں ہوا ہے، ان کے مطالعے اور باہمی مقابلے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برہان قاطع پر مرزا غالب کے اکثر اعتراض درست نہیں، لیکن اس سے یہ استنباط غلط ہوگا کہ برہان قاطع ہر طرح کے عیوب سے پاک ہے، در اصل اس فرہنگ میں کچھ بنیادی خرابیاں راہ پا گئی ہیں جو مصنف کی ایران قدیم کی تہذیب و زبان سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوئیں، بہر حال برہان کا مولف محقق ہونے کا مدعی نہیں،

اس کا نصب العین یہ ہے کہ اس کے منابع کے سارے مندرجات اس فرہنگ میں جمع ہوں۔عام اس کے کہ وہ صحیح ہیں یا غلط، اسی بنا پر اس نے "اہل علم و انصاف سے استدعا کی ہے کہ اگر ان کی نظر میں کوئی لفظ، اسم، معانی وغیرہ محل نظر ہوں تو وہ میرے عیب و نقص کی پردہ پوشی کریں اس لئے کہ فقیر جامع لغات و تابع ارباب لغات ہے، واضع و محقق نہیں"۔

اس اعتذار کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ فرہنگ نگار کا اولین فرض ہے کہ وہ صحیح و غلط کے درمیان حد فاصل کھینچے، اور اس اعتبار سے مؤلف برہان قاطع ایک ناکام فرہنگ نگار ہے، اور باوجود اپنی مقبولیت و شہرت کے یہ کتاب فرہنگ نویسی کے معیار پر پوری نہیں اترتی، لیکن چونکہ فرہنگ کا مولف اپنا نقطۂ نظر واضح کر چکا ہے، اس بنا پر غالب نے جس شدت سے اس پر ایراد کیا ہے، اس کا موقع نہ تھا، مزید برآں غالب بھی فرہنگ نگاری کے ضابطے سے پوری طرح آشنا نہ تھے، جس طرح محمد حسین تبریزی قدیم ایران کی تاریخ، تہذیب اور زبان سے ناواقف تھا، غالب بھی اسی طرح ناواقف تھے، اسی ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ دونوں دساتیر کے جعل میں پھنس گئے، دونوں نے اس کی مصنوعی زبان کو فارسی سرہ اور اس کے بیانات کو ایران کی اصل تاریخ قرار دیا۔ نقد قاطع برہان میں غالب کے بیانات کو قدیم فرہنگوں کی روشنی میں جانچا اور پرکھا گیا ہے، البتہ اس کے دوسرے حصے میں وہ تمام امور معرض بحث میں آئے ہیں جس سے بخوبی آشنائی کے بغیر فارسی فرہنگ نگاری کے اصول کی شناخت ممکن نہیں، یہ حصہ پانچ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے،

۱۔ دساتیر پر ایک نظر

۲۔ برہان قاطع

۳۔ غالب اور صاحب برہان قاطع میں اتحاد نظر

۴۔ غالب اور ذال فارسی

۵۔ تصیحفات اور لغات فارسی

غالب اور محمد حسین تبریزی صاحبِ برہان قاطع دونوں دساتیر کے صداقت کے :

صرف معترف بلکہ علمبردار تھے، لیکن یہ سراسر جعلی کتاب ہے، اس کی زبان مصنوعی اور اس کے مطالب جعلی اور من گھڑت ہیں، چنانچہ دساتیر والے مقالے میں مشرق و مغرب کے محققین کے بیانات کی روشنی میں اس کتاب کی اصل حقیقت سامنے آگئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ کتاب ایک مصنوعی زبان میں لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے لکھی گئی ہے اور اس میں اصل تاریخ کو مسخ کر دیا گیا ہے، اور یہ دعویٰ کہ یہ کتاب ہزاروں سال قدیم ہے سراسر باطل ہے، میرے خیال میں اردو میں پہلی بار اس موضوع پر اس طرح اظہار خیال ہوا ہے، اور اس لحاظ سے کہ میرزا غالب اس کتاب کے مندرجات و زبان دونوں کی افادیت کے قائل تھے، دساتیر کی تحقیق غالب شناسی میں ایک مفید اضافہ ہے، یہ مقالہ آج سے تقریباً ۴۲ سال قبل مجلۂ فکر و نظر علی گڑھ، اپریل ۱۹۶۰ میں شائع ہوا تھا۔

دوسرا مقالہ برہان قاطع پر ہے، اس فرہنگ کے اجمالی خصوصیات کے ذکر کے بعد اس کی ایک بنیادی خرابی پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے، دراصل برہان قاطع میں بڑی تعداد میں ایسے الفاظ داخل ہو گئے ہیں جو اصلاً فارسی الفاظ ہی نہیں، وہ پہلوی زبان کی ایک املائی خصوصیت سے عدم واقفیت کے نتیجے میں وجود میں آگئے، پہلوی میں خاصی تعداد میں ایسے الفاظ ہیں جن کی املا میں پہلوی رسم خط کی رعایت رکھی جاتی ہے لیکن بغیر رسم خط کی رعایت کے وہ دوسرا لفظ پڑھ لیا جاتا ہے، مثلاً ایک لفظ پہلوی رسم خط کی رو سے 'اخ' ہے، لیکن اس کو برات پڑھتے ہیں، اسی طرح 'من' لکھتے اور 'چح' پڑھتے ہیں۔ اس طرز کا اصلاحی نام ہزوارش ہے، یہ ہزوارش کلمات جو فرہنگ جہانگیری تالیف..... جمال الدین حسین انجوے شیرازی میں "واژہ ہای زند و پازند" کے نام سے ایک ضمیمے کی شکل میں یک جا کر دیے گئے تھے، برہان قاطع میں وہ فارسی کے اصل الفاظ کی ردیف میں شامل ہو گئے، چنانچہ ان سب کو دوسرے فارسی الفاظ کے ساتھ باعتبار حروف تہجی درج کر لیا گیا حالانکہ ان کی حیثیت کسی صورت میں جداگانہ الفاظ کی نہ تھی، یہ صرف ہزوارش صورتیں تھیں، اس حقیقت کی عدم واقفیت کی وجہ سے توافق لسانیں کا غلط نظریہ قائم کیا گیا۔ ہزوارش کے سلسلے کی بحث اردو میں پہلی بار سامنے آئی ہے، اور واضح ہے کہ اس کے سمجھے بغیر فارسی فرہنگ نویسی کا مسئلہ ہمیشہ الجھا ہی رہے گا۔ غالب کو اگر برہان کے نقص

کا علم ہوتا تو ان کے اعتراض کی صورت ہی دوسری ہوتی۔ یہ مقالہ مجلۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ جلد ۱، جون۔ دسمبر ۱۹۶۹ میں شائع ہوا تھا۔

تیسرا مقالہ غالب اور صاحب برہان قاطع میں اتحاد نظر کے عنوان سے بین الاقوامی غالب سیمنار ۱۹۶۹ میں پیش کیا گیا تھا جو اس سیمنار کے مجموعہ مقالات میں شامل بھی ہے، جیسا کہ معلوم ہے غالب برہان قاطع کے سخت نکتہ چین تھے لیکن صاحب برہان قاطع کی طرح وہ دساتیر کی صداقت کے معترف تھے، چنانچہ برہان کے دساتیری عنصر کو وہ اس فرہنگ کا بڑا قابل ذکر وصف قرار دیتے ہیں، یہ بھی عجب ستم ظریفی ہے کہ برہان قاطع کا سب سے بڑا نقص اس کے سب سے بڑے نکتہ چین کی نظر میں اس کا سب سے بڑا وصف قرار پایا۔ زیر نظر مقالے میں دساتیر کی اصل حیثیت کی وضاحت کے بعد برہان قاطع میں شامل دساتیری الفاظ، نیز ایسے اور الفاظ و مصطلحات کی فہرست جو فرقۂ آذر کیوان کے تراشے ہوئے ہیں، شامل کی گئی ہے، اس کے بعد غالب کی تحریروں سے دساتیری اور آذر کیوانی الفاظ و فقرات منتخب کر کے ان پر ایک یادداشت کا اضافہ کیا گیا ہے، میرے خیال میں اردو میں اس موضوع پر اس طرح کی بحث پہلی بار سامنے آئی ہے، اور واضح ہے کہ اس امر کی تفہیم کے بغیر غالب شناسی کا دعویٰ بے بنیاد ہوگا۔

چوتھا ضمیمہ غالب اور ذال فارسی کے عنوان سے ہے، غالب کا عقیدہ تھا کہ ذال عربی حرف ہے، فارسی لفظوں میں اس کا استعمال، درست نہیں، اسی بنا پر وہ گذشت، گذر، گذرگاہ، درگذشت، فروگذاشت وغیرہ الفاظ میں ذال کے بجائے زے لکھتے تھے۔ دراصل ذال فارسی حرف بھی ہے، مگر عربی سے چند لحاظ سے مختلف ہے، مثلاً کوئی فارسی لفظ ذال سے شروع نہیں ہو سکتا، ذال فارسی درمیان یا آخر کلمہ میں آتی اور دال و ذال میں تفریق کا ایک قاعدہ یہ تھا کہ کلمے میں حرف ماقبل دال اگر متحرک ہوتا یا الف، واو، ی میں سے کوئی حرف تو وہ دال نہیں، ذال ہے جیسے آمد کے بجائے آمذ، کند کے بجائے کنذ، باد کے بجائے باذ، بود کے بجائے بوذ وغیرہ۔ لیکن اب اس کا رواج تقریباً ختم ہو چکا ہے اور صرف چند الفاظ میں حرف ذال باقی رہ گیا ہے،

اس موضوع پر قاضی عبدالودود اور پروفیسر عبدالستار صدیقی مقالات لکھ چکے ہیں، راقم نے اس موضوع پر نئے زاویۂ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے، اور اس پر ایک مفصل مقالہ دانشگاہ تہران کے مجلۂ ایران شناسی میں فارسی میں شائع کر چکا ہے، ذال فارسی کے سلسلے میں یہ بات اہم ہے کہ کبھی کبھی ذال اور زے میں التباس کے مواقع آجاتے ہیں، مثلاً فارسی میں گذاشتن (بمعنی چھوڑنا۔ ڈالنا) سے مضارع گذارد اور گزاردن (بمعنی پیش کرنا) سے گزارد ہے، گذارد سے ۔بنیاد گذار بمعنی بنیاد ڈالنے والا، اور گزارد سے نماز گزار نماز پڑھنے والا، یا حاصل مصدر گزارش بنے، پس بنیاد گذار کو زے اور نماز گزار یا گزارش کو ذال سے لکھنا غلط ہے۔

پانچواں ضمیمہ تصحیفات اور لغات فارسی کے موضوع پر ہے، یہ مقالہ مجلۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ جلد ۸، دسمبر ۱۹۶۷ میں شائع ہوا تھا، اور اس کا تتمہ مجلۂ تحریر دہلی، جلد ۲، شمارہ ۱ ۱۹۶۸ میں "فارسی میں الفاظ کی تصحیح کا مسئلہ" کے عنوان سے طبع ہوا، اس طویل مقالے میں ان تمام عوامل کا ذکر ہوا ہے جو تصحیفات کے موجب ہوتے ہیں، اس کے بعد فارسی فرہنگوں کی مدد سے متعدد مثالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان متداول صورتوں کی کوئی اصل نہیں، وہ سب غلط خوانی کے نتیجے میں پیدا ہوئیں، برہان قاطع میں تصحیفات کی بڑی کثرت ہے، اور اس کی منجملہ اور وجوہ کے ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ صاحب فرہنگ نے اپنے منابع کی فرہنگوں میں شامل ساری صورتوں کو برہان میں داخل کر لیا، غالب نے اس کی تعقیب کی ہے، اور اسی وجہ سے اس کو خلاق الالفاظ کہا ہے، لیکن میرے علم کی حد تک اردو یا فارسی میں اب تک تصحیفات کے موضوع پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے، اس بنا پر غالب شناسی کے سلسلے میں یہ مقالہ نئے اقدام کا مترادف ہوگا۔

اگرچہ "نقد قاطع برہان" مرزا غالب کی ان کوتاہیوں کی حامل ہے جو برہان قاطع کے انتقاد کے ضمن میں ان کی طرف سے ہوئیں، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میرا مطمح نظر محض غالب کی تنقیص وتحقیر اور مرزا کے حریف صاحب برہان قاطع کا دفاع ہے، زیر نظر کتاب کے ضمیموں میں برہان قاطع کے بنیادی اسقام کی جس طرح صراحت کی گئی ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

رہا مرزا کا معاملہ، تو وہ علم وفن کے اتنے بلند منصب پر فائز ہیں کہ فرہنگ نگاری کی خامیوں سے ان پر کوئی حرف نہیں آتا، وہ عظیم شاعر و دانشور، صاحب طرز انشا پرداز، بالغ نظر مورخ و ادیب تھے، فرہنگ نویسی کا معاملہ الگ ہے، اس سلسلے میں نہ ان کے پاس مواد تھا اور نہ وہ منابع کی فراہمی میں سرگرداں، نہ وہ اس طرف اتنی توجہ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے جو اس فن میں مہارت پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے، ورنہ پوری کتاب قاطع برہان ان کی اعلیٰ ذہانت طباعی اور غیر معمولی فطری استعداد کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اس میں طنز و ظرافت اور ہجو ملیح کے جو اعلیٰ نمونے موجود ہیں دوست کا کیا ذکر، دشمن سے بھی وہ خراج تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہ سکتے، خود مرزا کا شعر اس حالت کا مصداق ہے۔

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب　　گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اگر میری تحریر سے کسی غالب شناس یا غالب دوست کے جذبے کو ٹھیس لگی ہو تو میں بصد ادب معذرت خواہ ہوں،

آخر میں میرا خوشگوار فرض ہے کہ میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ارکان کا شکریہ ادا کروں جن کی توجہ سے یہ کتاب طباعت کی منزل سے گذری، شاہد ماہلی صاحب میری شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے طباعت کی نگرانی کی اور پروف کی تصحیح میں میرا ہاتھ بٹایا، ڈاکٹر کبیر احمد جائسی صاحب نے پروف کی تصحیح میں بھی میری مدد کی اور کتاب کی فہرستیں بھی تیار کیں، راقم ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے، اپنی اہلیہ آصفہ احمد کا رہین منت ہوں جن کے تعاون کے بغیر یہ کام انجام پذیر نہ ہوتا۔

نذیر احمد

شنبہ، ۹ مارچ ۱۹۸۵ء
سرسید نگر، علی گڑھ

قاطع برہان مرزا غالب کی اہم تصنیف ہے، اس میں برہان قاطع کی تنقید اور اس کی غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ برہان قاطع فارسی کی نہایت مشہور اور متداول فرہنگ ہے۔ اس کا مولف محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص بہ برہان ہے۔ یہ فرہنگ ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶۵۲ء میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں گول کنڈہ میں مرتب ہوئی۔ اس کتاب کی قابلِ ذکر خصوصیات یہ ہیں:

(۱) اپنے عہد تک کے سارے فارسی لغات میں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ کسی قدیم فرہنگ میں اتنے لفظ شامل نہیں جتنے اس لغت میں ہیں۔

(۲) اس کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہے، اور اس سے قبل کی کسی فرہنگ کی ترتیب اتنی محکم نہیں۔

(۳) اس میں الفاظ کے معانی ترتیب وار درج ہوئے ہیں۔ معانی کی اتنی تفصیل کسی اور فرہنگ میں نہیں ملتی۔

(۴) اکثر الفاظ کا تلفظ بھی منضبط کر دیا گیا ہے۔

انھیں خصوصیات کی بنا پر یہ کتاب کئی بار طبع ہوئی اور اس کی آخری دو اشاعتیں جو ایران میں ڈاکٹر محمد معین مرحوم کی رہینِ منت ہیں، انتقادی متن کا قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔

لیکن باوجود ان خوبیوں کے برہان قاطع اسقام سے پاک نہیں. سراج اللغت میں خان آرزو نے برہان کی خامیوں کی سخت گرفت کی ہے۔ اس کا ذکر فرہنگ نظام ج ۵ کے مقدمے میں دس اوراق میں ہوا ہے. فرہنگ نظام میں بھی مولف نے برہان کی الفاظ تراشی کا ذکر مقدمۂ کتاب میں کیا ہے. اس میں تین قسم کے بنیادی نقائص پائے جاتے ہیں:

(۱) تصحیفات کی کثرت ہے. سیکڑوں الفاظ کی محرّف شکلوں کو باقاعدہ الفاظ کا درجہ اس کتاب میں دیا گیا ہے.

(۲) اس میں دساتیر جیسی جعلی کتاب کے اکثر مندرجات شامل ہو گئے ہیں۔

(۳) اور اسی کے توسط سے ایران کے بعض ادیبوں، شاعروں وغیرہ کی تحریروں میں یہ عنصر داخل ہو گیا ہے.

غالب بھی دساتیر کی صداقت کے قائل تھے، چنانچہ وہ برہان کی اس خصوصیت کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کرتے ہیں.

"جس طرح کمال اسماعیل کو خلاّق المعانی کا لقب دیا گیا ہے، اگر ان بزرگوار کو (یعنی صاحبِ برہان کو) خلاّق الفاظ (الفاظ تراش) کہا جائے تو تعجب نہ ہوگا. سوائے چند الفاظ کے جو دساتیر سے ماخوذ ہیں، یا تھوڑے سے اور الفاظ جن میں تصرف نہیں ہوا ہے، پوری کتاب آشوبِ چشم اور آزارِ دل ہے." (مقدمہ قاطع برہان ص ۴)

برہان کا تیسرا نقص یہ ہے کہ اس میں ہزوارش الفاظ کثرت سے شامل ہو گئے ہیں۔ پہلوی زبان میں ہزوارش پڑھنے کا ایک طریقہ تھا. یعنی ایک لفظ ایک دوسری زبان کا پہلوی رسم خط میں لکھ لیا جاتا اور پہلوی کا متبادل لفظ پڑھا جاتا. مثلاً پہلوی خط میں ایک لفظ "ملکان ملک" لکھتے اور اس کو "شاہنشاہ" پڑھتے۔ اس طرح کے ہزاروں الفاظ پہلوی میں رائج ہیں. برہان قاطع میں بھی ہزوارش کے الفاظ موجود ہیں. یعنی ان کو صحیح قاعدے سے نہیں بلکہ پہلوی املا کے اعتبار سے پڑھ لیا گیا ہے. جس سے لفظ کی ایک بالکل اجنبی شکل سامنے آگئی ہے۔ دراصل اس بدعت کی بنیاد صاحب فرہنگ جہانگیری نے ڈالی، لیکن اس میں الگ ایک ضمیمے کی شکل

یہ الفاظ زند و پازند کے نام سے نقل ہوئے ہیں۔ برہان قاطع کے مولف نے ستم یہ کیا کہ ان سب صورتوں کو فارسی الفاظ کے درمیان حروف تہجی کے اعتبار سے داخل کر لیا۔ اس نقص کی طرف غالب کی توجہ مبذول نہ ہو سکی، اس لیے کہ وہ ہزوارش کی حقیقت سے آشنا نہ تھے۔ راقم نے مجلۂ علوم اسلامیہ جون دسمبر ۱۹۶۹ء کے مضمون " برہان قاطع" میں اس فرہنگ کے تمام ہزوارش الفاظ کی فہرست شامل کی ہے۔ یہ فہرست ڈاکٹر معین کی نشان دہی کی بنیاد پر مرتب ہوئی تھی۔

قاطعِ برہان میں غالب نے مولف برہانِ قاطع پر سخت حملے کیے ہیں اور برہان کی غلطیوں کی نشان دہی کی کوشش کی ہے، لیکن ان کی نظر صرف تصحیفات تک جا سکی ہے، 'ہزوارش اور دساتیر دونوں کی اصل حقیقت ان پر واضح نہیں ہو سکی تھی۔ تصحیفات کے سلسلے میں ان کی کوشش کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ ایک لفظ کی متعدد صورتوں کا ذکر تو ہو گیا، لیکن یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان میں کون اصل ہے اور کون محرّف۔ دراصل الفاظ کی متعدد شکلوں میں اصل اور صحیح لفظ کا تعین بڑے علم کا متقاضی ہے۔ قدیم ایران کی زبانوں سے واقفیت کے ساتھ ساتھ سنسکرت اور متعلّقہ زبانوں کی شناسائی، فارسی لغات کا دقیق مطالعہ اور فارسی منثور و منظوم متون سے کماحقہ آگہی لازمی امر ہے، مگر غالب کو ان میں سے کسی میں درک نہ تھا۔ ان کے پاس بہت کم مواد تھا۔ انھوں نے صاف صاف لکھا ہے کہ مقدمۂ برہان میں جن چار فرہنگوں کا یعنی فرہنگ جہانگیری، فرہنگ سروری، سرمۂ سلیمانی اور صحاح الادویہ کا ذکر ہے۔ ان میں سے کوئی ان کے پیشِ نظر نہیں، صرف شرف نامۂ منیری سے انھوں نے کسی قدر اضافہ کیا ہے اور بس۔ فارسی کے قدیم متون سے وہ بڑی حد تک بے تعلق تھے۔ قدیم مخطوطات تو ان کی دسترس ہی میں نہ تھے اور جیسا کہ معلوم ہے کہ نویں صدی ہجری کے وسط تک فارسی میں دال و ذال کا فرق برابر برقرار رکھا جاتا تھا، اگر غالب کی نظر سے ایسے مخطوطے گزرے ہوتے تو وہ ذال فارسی کے وجود سے انکار نہ کرتے اس لیے کہ ہر مخطوطے میں سیکڑوں الفاظ میں ایسی جگہ ذال ہے جو بعد میں دال سے لکھے گئے۔ مختصر یہ کہ برہان قاطع کے نقائص کی نشان دہی جن صلاحیتوں کا تقاضا کرتی تھی، غالب میں وہ صلاحیتیں نہ تھیں؛ اس بنا پر ان کے اکثر اعتراض بے بنیاد ہیں۔ ان کا قابلِ ذکر کارنامہ ان الفاظ کی نشان دہی تک محدود ہے جن کی متعدد صورتیں ملتی ہیں۔ لیکن اصل اور محرّف صورتوں میں امتیاز کے لیے بڑے علم کی

ضرورت اور فنی بصیرت درکار تھی۔ ان کے سامنے قدیم فرہنگیں نہیں تھیں، اس بنا پر ان پر یہ راز نہ کھلا کہ اِن ساری تحریفات کی جڑیں دُور تک گئی ہیں۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ سارا طوفانِ بے تمیزی صاحبِ برہان کا برپا کردہ ہے، وہ تصحیفات کا موجد ہے۔ وہ اس سے بے پناہ خفا تھے، اور اس خفگی کی وجہ سے ان کا بیان اکثر غیر سنجیدہ ہوگیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ غالب کے زمانے میں فارسی کے اکثر متون مطبوعہ شکل میں موجود نہ تھے۔ اِدھر چند سالوں میں فارسی کی نظم و نثر کی بہت کتابیں چھپ کر عام ہو چکی ہیں، اکثر فرہنگوں کے ناقدانہ ایڈیشن بھی نکل آئے ہیں، اور ان سے استفادے کا موقع حاصل ہے۔ برہان قاطع کا جو انتقادی نسخہ ڈاکٹر معین نے شائع کیا ہے، وہ خود برہان پر ایک مبسوط تبصرہ ہے۔ ذیل میں اُن متداول فرہنگوں کی فہرست دی جاتی ہے جن کی مدد سے برہان قاطع پر صحیح انتقاد ہو سکتا ہے:

۱۔ لغتِ فرس اسدی، تالیف قبل ۴۶۵ھ۔

یہ کتاب تین بار شائع ہو چکی ہے، پہلی بار پال ہورن نے طبع کی تھی، دو بار ایران میں چھپی۔ سب سے قدیم مکشوف لغت ہے۔

۲۔ فرہنگِ قوّاس، تالیف بعد ۶۹۵ھ

ہندوستان کا سب سے قدیم لغت ہے، راقم کے اعتنا سے بنگاہِ ترجمہ و نشر کتاب تہران سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ اس کا ایک ہی ناقص الاوّل والآخر نسخہ دریافت ہو سکا ہے۔

۳۔ صحاح الفرس، تالیف ۷۲۸ھ

بُنگاہ ترجمہ و نشر کتاب تہران سے شائع ہوئی ہے۔

۴۔ دستور الافاضل، تالیف ۷۴۳ھ۔

ہندوستان کا دوسرا قدیم ترین فارسی لغت ہے۔ اس کا ایک ناقص نسخہ معلوم ہے، اس کی رو سے راقم نے اس کی تصحیح کر کے ۱۹۷۵ء میں بنیاد فرہنگ تہران کی طرف سے شائع کیا ہے۔

۵۔ معیارِ جمالی، تالیف ۷۴۵ھ

ڈاکٹر صادق کیا نے ترتیب دے کر تہران یونیورسٹی سے شائع کیا ہے۔

۶۔ صحاح الادویہ، تالیف ۸ ویں صدی ہجری

یہ دواؤں کا لغت ہے اس لیے چنداں اہم نہ تھا، لیکن برہان قاطع کے چار اہم ماخذوں میں ایک یہ لغت ہے۔ مدتوں تک اس کا کوئی علم نہ تھا۔ اب اس کے دو نسخے ہندوستان میں دستیاب ہوگئے ہیں۔ ایک مدراس گورنمنٹ اورینٹل لائبریری مدراس یونیورسٹی میں، دوسرا کاما انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے کتاب خانے میں۔ ایک نسخہ تہران میں محفوظ ہے۔ اس کا مصنف حسین انصاری اصفہانی ہے، اختیارات بدیع اس کے بیٹے علی بن حسین کی تصنیف ہے۔ برہان قاطع یا قاطع برہان کی تنقید میں اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۷۔ اداتُ الفضلا، تالیف ۸۲۲ھ

قلمی شکل میں ہے، نسخے عام طور پر مل جاتے ہیں، ایک نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔

۸۔ زفان گویا، تالیف قبل ۸۳۷ھ

اس کا ایک نسخہ بانکی پور پٹنہ میں اور ایک دوسرا ناقص الاوّل نسخہ لینن گراڈ میں موجود ہے۔ اس آخری نسخہ کا فوٹوگراف اور بانکی پور کے نسخے کا خلاصہ س۔ الف۔ بایفسکی کی توجہ سے ۱۹۷۴ء میں ماسکو سے شائع ہوا ہے۔

۹۔ بحر الفضائل، تالیف ۸۳۷ھ

اس کے چند قلمی نسخوں کا عکس شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی میں موجود ہے۔ یہ ایک اہم فارسی فرہنگ ہے جس کے آخری صفحے میں، اردو سے متعلق مسائل پر بحث شامل ہے۔ شیرانی صاحب نے مخزن ۱۹۲۹ء اس پر نہایت

مفصل مضمون لکھا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔ راقم نے بھی ایک مضمون معارف ۱۹۶۷ء میں شائع کیا ہے۔

۱۰۔ شرف نامۂ منیری، تالیف بعد ۸۶۷ھ

قلمی شکل میں ہے۔ ڈاکٹر سید طارق حسن شعبۂ فارسی (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اس کا انتقادی متن تیار کر لیا ہے۔

۱۱۔ مفتاح الفضلا، تالیف ۸۷۳ھ

نہایت کمیاب ہے، ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے، وہاں کے مجلے برٹش میوزیم کوارٹرلی، ج ۲۹، ۱۹۶۵ء میں ایک مضمون اس پر شائع ہوا ہے۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر ماریہ بلقیس نے انجمن استادان فارسی کے جلسے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں پیش کیا تھا۔ برٹش میوزیم کا نسخہ مصوّر ہے۔

۱۲۔ تحفۃ السعادۃ، تالیف ۹۱۶ھ

ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ نسخے کم یاب ہیں۔ لیکن ایک نسخہ لاہور میں اور چند نسخے دوسرے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان کی مدد سے اس پر کام ہو سکتا ہے۔ راقم نے مجلۂ علوم اسلامیہ میں اس پر ایک مقالہ شائع کیا ہے۔

۱۳۔ مؤید الفضلا، تالیف ۹۲۵ھ (؟)

مطبع نول کشور کی طرف سے دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، لیکن اس میں بے حساب غلطیاں ہیں، پھر الحاق بھی ہے۔ یہ نہایت اہم لغت ہے۔ اس میں متعدد ایسے لغات کے مندرجات لغات کے نام سے شامل ہیں جو اب مفقود ہیں۔ اس کے متعدد نسخے موجود ہیں۔ خود مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانے میں چھ نسخے محفوظ ہیں۔ اس کے انتقادی متن کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ کشف اللغات، دسویں صدی ہجری۔

عبدالرحیم سور بہاری کی تالیف، دو جلدوں میں چھپ چکی ہے، نہایت

متداول فرہنگ ہے، پہلے کلکتے میں طبع ہوئی، پھر دو بار مطبع نول کشور نے چھاپی۔

۱۵۔ فرہنگِ شیرخانی، تالیف دسویں صدی ہجری

اس کا مصنف برمزید سور شیر شاہ کے زمانے کا اہم امیر گزرا ہے۔ عرصے تک اس لغت کا پتا نہ تھا، اب اس کے تین نسخوں کا پتہ چل گیا ہے۔ ایک بانکی پور پٹنہ میں، دوسرا مدرسۂ سپہ سالار تہران میں فرہنگِ بشیرخانی کے نام سے، اور تیسرا نسخہ آصفیہ میں ہے۔ راقم نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں اس فرہنگ کا تعارف کرایا ہے۔

۱۶۔ فرہنگِ جہانگیری، تالیف ۱۰۱۷ھ

نول کشور نے پہلے طبع کی، اب مشہد یونیورسٹی سے ڈاکٹر رحیم عفیفی کے اعتنا سے تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، آخری جلد پہلی بار چھپی ہے۔

۱۷۔ سرمۂ سلیمانی، تالیف ۱۰۱۴ھ

تین نسخوں کا حال معلوم ہے: ایک نسخہ کتاب خانۂ ملک تہران میں جو راقم کے مطالعے میں رہا۔ دوسرا نسخہ روس میں اور ایک ناقص نسخہ آقائے مشکوٰۃ کے کتاب خانۂ تہران میں ہے، قاضی عبدالودود صاحب کے پاس کسی نسخے کا عکس موجود ہے۔ یہ فرہنگ بھی برہان کے اہم مآخذ میں تھی۔

۱۸۔ مجمع الفرسِ سروری، تالیف ۱۰۲۸ھ

یہ سروری کی تیسری روایت ہے، تین جلدوں میں دبیر سیاقی کے اعتنا سے ۱۳۴۰ شمسی میں تہران سے شائع ہوئی ہے۔ برہان کے مآخذ میں ہے۔

۱۹۔ فرہنگِ رشیدی، تالیف ۱۰۶۴ھ

پہلی بار کلکتہ سے، پھر تہران سے ۱۳۳۷ شمسی میں دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مرتب و مصحح محمد عباسی ہیں۔

۲۰۔ سراج اللغتہ، تالیف ۱۱۴۷ھ

اس کے نسخے کم یاب ہیں۔ نہایت ناقدانہ لغت ہے، اس کی اشاعت ضروری ہے۔

۲۱۔ چراغِ ہدایت، بعد ۱۱۶۹ھ

متعدد بار چھپ چکی ہے۔ پہلی بار ۱۸۷۴ء میں نول کشور نے شائع کی تھی۔

۲۲۔ بہارِ عجم، تالیف ۱۱۵۲ھ

نول کشور نے چھاپ دی ہے۔ نہایت اہم فرہنگ ہے۔

۲۳۔ غیاث اللغات، تالیف ۱۲۴۲ھ

کئی بار چھپ چکا ہے، عالمانہ لغت ہے۔

۲۴۔ انجمن آرائے ناصری، تالیف ۱۲۸۸ھ

یہ فرہنگ تہران سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۵۔ آنند راج، تالیف ۱۳۰۶ھ

۱۳۰۷ھ میں نول کشور سے تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ تہران سے دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ نہایت مفید فرہنگ ہے۔

۲۶۔ فرہنگِ نظام، تالیف ۱۳۵۸ھ

پانچ جلدوں میں ہے، بعض لحاظ سے فارسی کی بہترین فرہنگ ہے۔ پانچویں جلد کے مقدمے میں فارسی کی فرہنگوں پر تبصرہ شامل ہے۔ اس سے بہتر تبصرہ آج تک شائع نہیں ہو سکا۔

ان فرہنگوں کے علاوہ لغت نامۂ دہخدا، فرہنگِ معین اور فرہنگ ناظم الاطباء برہان قاطع اور قاطع برہان کے تنقیدی مطالعے میں مفید ہوں گی۔ ان منابع کی مدد سے آخرالذکر دونوں فرہنگوں پر اور فرہنگ نویسی کے عام مسائل پر نئے انداز سے روشنی پڑے گی۔

خلاصہ یہ کہ برہان قاطع کے نقائص اور ان پر غالب کے ایراد کی حیثیت کے جانچنے

کے لیے فارسی کی اہم فرہنگوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور چونکہ ان میں سے اکثر طبع ہو چکی ہیں اور جو طبع نہیں بھی ہوئی ہیں ان کے قلمی نسخے ہماری دسترس میں ہیں؛ اس لیے اب وقت آگیا ہے کہ اس اہم موضوع پر صحیح طور پر توجہ دی جائے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قاضی عبدالودود صاحب نے قاطع برہان کا ایک ناقدانہ متن ۱۹۶۷ء میں شائع کر دیا تھا۔ لیکن بعض وجوہ سے حواشی شائع نہیں ہو سکے تھے۔ اور یہ اتنے مفصل تھے کہ ان کا حجم اصل کتاب سے کم نہ تھا۔ افسوس کہ یہ ہماری دسترس میں نہیں۔ راقم کی یہ کاوش دراصل قاطع برہان کے تعلیقات کے طور پر ہے ان میں اکثر ان امور کی نشاندہی کی گئی ہے جو قاطعِ برہان میں یا تو غلط ہیں یا الجھے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ قیاس صحیح نہ ہوگا کہ غالب نے برہانِ قاطع کی تنقید میں کوئی بات صحیح نہیں لکھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب نہایت ذہین اور طباع انسان تھے، ان کی غیر معمولی ذہانت ان کی اکثر تحریروں سے بخوبی نمایاں ہے۔ قاطع برہان بھی ان کی اس صلاحیت کی مظہر ہے لیکن فرہنگ نویسی کا یہ معاملہ ذہانت کے ساتھ فرہنگوں اور ادبی متن کے بے پناہ مطالعے کا متقاضی ہے۔ اس لیے کہ زبان کا معاملہ ذہن سے زیادہ استعمالِ عام سے تعلق رکھتا ہے۔ عقل و قیاس کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایک لفظ کی یہ صورت ہونا چاہیے اور اس کے یہ معنی ہوں گے، لیکن اگر اس استعمال عام کا فیصلہ خلاف ہے تو وہی سند ہوگا، اور استعمالِ عام کثیر مطالعے کا تقاضا رکھتا ہے۔

اگرچہ قاطع برہان میں مطالعے کی کمی کا نقص قدم قدم پر موجود ہے مگر اس کے باوجود یہ کتاب غالب کی طباعی اور ان کی بے پناہ قوتِ تخلیق پر دلالت کرتی ہے۔ مزید برآں غالب کی سیرت کے مطالعے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملے گی۔ وہ بڑے حساس انسان تھے، کوئی بات اپنے مزاج کے خلاف برداشت نہیں کر سکتے تھے، اگر کوئی امر خلافِ طبع واقع ہوتا تو ان کا ردِ عمل نہایت شدید ہوتا۔ اس بات کا صریحی ثبوت ان کے حسب ذیل بیان سے فراہم ہوتا ہے:

"عزیزی بمن گفت کہ ترا از تخطیۂ جامعِ برہانِ قاطع غرض چیست؟

گفتم اعلانِ حق، قلب از جید و جعل از اصل جدا می کنم، چنانچہ مرشدِ کامل تفرقۂ وساسِ شیطانی از خطراتِ رحمانی خاطر نشانِ طالبانِ راہ حق می کند، اگر طبعِ سلیم داری بپذیر و اگر تردیدِ کلام می کنی ناسزا گوی و دشنام مدہ و حرفہای سودمند خرد پذیر در ضمیر فراہم آر و عبارتی ترکیب دہ کہ اگر فصیح نبود باری سوالِ دیگر جوابِ دیگر نہ باشد، من در دِ سخن دارم و از دلِ غ می زنم، از آں راہ جامع برہان قاطع را زشت می گویم، آں ہم ظریفانہ و حریفانہ بہ بذلہ و لطیفہ، نہ مخنثانہ و سفیہانہ بفحش و دشنام۔" (قاطع برہان ص۸۴)

(ایک عزیز نے مجھ سے کہا کہ تجھ کو برہان قاطع کے مصنف کی غلطیوں کی نشان دہی سے کیا غرض ہے، میں نے کہا کہ حق کا اعلان کھوٹے کو کھرے سے اور جعل کو اصل سے الگ کرتا ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک مرشد کامل شیطانی وسوسے اور رحمانی خیالات کے فرق کو راہِ حق کے سالکوں کے دلوں میں راسخ کرتا ہے۔ اگر طبع سلیم ہو تو یہ بات قبول کر، اور اگر تردید کلام مقصود ہو تو برا بھلا نہ کہہ اور گالی پر نہ اتر آ۔ ایسی مفید باتیں جو عقل قبول کرے دل میں بٹھا اور ایسے انداز میں پیش کر کہ سوال دیگر جواب دیگر کا مصداق نہ ہو۔ مجھے سخن (کلام) کا بڑا پاس ہے جھوٹ سے چڑتا ہوں، اسی بنا پر جامعِ برہان کو بُرا کہتا ہوں، لیکن میرا انداز ظریفانہ اور حریفانہ ہے۔ بذلہ گوئی اور لطیفہ سنجی سے کام لیتا ہوں، نامردوں اور کمینوں کی طرح گالی اور فحش کلامی پر نہیں اترتا ہوں۔)

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اعلانِ حق نہایت اہم انسانی فریضہ ہے، حق گوئی اور بے باکی اعلا درجے کی صفت ہے، لیکن اس کے عامل وہی ہو سکتے ہیں جو سیرت کے اعتبار سے بڑے اعلا مرتبے پر فائز ہوں۔ یہ صفت ہر دَور میں کبریت احمر کے مانند رہی ہے۔ حضور سرورِ کائنات کی ایک حدیث ہے: " اللھم ارنا الحق حقاً و رزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا و رزقنا اجتنابہ " (اے اللہ ہم کو حق حق ہی دکھلا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما

اور باطل کو باطل ہی دکھا، اور اس سے پرہیز کرنے کا حوصلہ عنایت فرما)

باطل شیطانی وسوسہ ہے۔ اس کا روکنا مرشد کامل کا کام ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ نہ بھولنا چاہیے کہ باطل اور چیز ہے اور غلطی اور چیز، برہان قاطع کے اقوال غلط ہوں، اس کا مولف غلطی پر ہو، مگر باطل پر نہیں۔ غلطی کی بھی اصلاح ضروری ہے لیکن جو غلطی سہواً ہو اس سے اس کے کرنے والے پر کوئی الزام نہیں۔ غالب کا یہ قول کہ جامعِ برہان جھوٹ بولتا ہے، صحیح نہیں، اس بنا پر ان کے شدید ردعمل کا کوئی خاص جواز نہیں۔ پھر غالب کا یہ بیان بھی حقیقت سے دُور ہے کہ انھوں نے فحش اور دشنام طرازی سے کام نہیں لیا ہے۔ انھوں نے برہان قاطع کے مولف کو جو ان سے دو صدی پیشتر گزرا ہے بعض مواقع پر سخت گالیاں دی ہیں، لیکن ان کی فحش گوئی بھی ان کی طباعی و ذہانت کی دلیل ہے، اور کبھی کبھی وہ ایسی لطافت پیدا کر دیتے ہیں کہ قاری تھوڑی دیر کے لیے اصل موضوع بھول جاتا ہے اور ان کی جدت طرازی سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک مثال یہ ہے:

برہانِ قاطع میں دب بمعنی خرس (ریچھ) بھی لکھا ہے۔ پھر اضافہ ہے کہ اگر ریچھ کا خون ایسے شخص کو جس کو نیا نیا جنون ہوا ہو، پلا دیا جائے تو وہ اچھا ہو جائے، غالب کا لطیفہ ملاحظہ ہو:

"دلم بر بیکسیہای ایں ناقلِ نا عاقل می سوزد، آیا کس از غم خواران و تیمار داران نبود کہ ہرگاہ ایں بے چارہ آہنگِ نوشتنِ برہان قاطع کرد و آں مقدمۂ جنوں بود خونِ خرس بہ گلوی ریختند و بہ بینی می دمید و بہ کفِ پا می مالید تا از رنج سودا می رست و لب از ہذیان می بست۔" (قاطع برہان ص۸)

(مجھے اس بے عقل نقال کی بے کسی پر بڑا ترس آتا ہے۔ کیا اس کے ہمدردوں اور غم خواروں میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جب اس بیچارے نے برہان قاطع لکھنے کا ارادہ کیا، اور وہ اس کے جنوں کا پیش خیمہ تھا تو ریچھ کا خون اس کے گلے میں ٹپکا دیتا، ناک میں ڈال دیتا اور تلوے پر مل دیتا جس سے اس کا مرض جنون جاتا رہتا، اور وہ اس طرح ہذیان نہ بکتا۔)

اس طرح کی اور بھی مثالیں مل جائیں گی، لیکن فحش اور دشنام سے قاطع برہان بھرا پڑا ہے، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

"تا چہ دیدہ است کہ خایۂ مرغ فہمیدہ است" (ص ۲۲)

"چادر را گذاشتن و مادر را آوردن بے حیائی است، ظرافت پیشہ کش" (ص ۱۴)

"نیز نام آلتِ تناسل می گیرد، گوئی ہر جا ہمیں عضو را می بیند" (ص ۴۲)

"مگر چار پایہ ہموزن نتوانست نوشت کہ چار خایہ آورد، مسکین چہ کند، ہر چہ در نظر داشت نوشت"

ذیل کے جملے میں خود اقرار کرتے ہیں کہ گالی سے باز رہنا میرے لیے کس قدر مشکل تھا:

"چہ مایہ خون خوردہ باشم تا بمشاہدۂ ایں بی ربطیٔ زبان از دشنام نگاہ داشتہ باشم" (ص ۴۶)

(میں نے کس درجہ صبر و ضبط سے کام لیا ہے۔ تب کہیں جا کر اس بے ربطی کے مشاہدے سے گالی سے بچ سکا ہوں۔)

اس تمہید کے بعد قاطع برہان کے مطالب کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

اس مضمون کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے لغت درج ہے، پھر برہان قاطع میں اس کی جو تشریح ہے اس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے، پھر غالب کے اعتراض اور آخر میں اس پر محاکمہ ہوا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہاں محض منتخب الفاظ کا انتقاد پیش کیا گیا ہے، اگر سارے قابلِ لحاظ مواد کا احاطہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

آب چین با جیم فارسی بروزن آستین، پارچۂ جامہ را گویند کہ بدنِ مردہ را بعد از غسل دادن بدان خشک سازند (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ "پارچۂ جامہ" کے بجائے پارچہ یا جامہ کہنا چاہیے، مردے کے بدن پونچھنے کی قید غلط ہے، آب چین رومال کا مترادف ہے، وہ رشیدی کی اس رائے سے متفق نہیں ہیں کہ اہلِ ایران غسل کرنے کے بعد جس کپڑے سے بدن خشک کرتے ہیں۔ اس کو "آب چین" کہتے ہیں۔ غالب کا خیال ہے کہ رومال کا لفظ ایران کی خواتین کا وضع کیا ہوا ہے، یہ آب چین سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ رومال زندوں کے ہاتھ منہ پونچھنے کے کام آتا ہے۔ جب کہ "آب چین" سے مردے کے ہاتھ منہ پونچھتے ہیں، یہ اطلاع ایک ایرانی کی فراہم کردہ ہے۔

غالب کا پہلا اعتراض درست ہے کہ پارچۂ جامہ میں ایک زائد ہے، البتہ دوسرے اعتراض کے سلسلے میں ان کے بیان میں ایک قسم کا تضاد واقع ہوگیا ہے، پہلے انھوں نے آبچین کو رومال کا مترادف بتایا اور بعد میں رومال کا استعمال مُردوں کے لیے اور آبچین کا مُردوں کے لیے مخصوص کیا۔ رشیدی کے اس بیان پر کہ غسل کے بعد بدن پونچھنے کے کپڑے کا نام آبچین تھا، غالب کا اعتراض کہ لفظ آبچیں ایران میں معمول نہ تھا، درست نہیں اس لیے کہ جدید فارسی فرہنگوں میں یہ لفظ موجود ہے اور نہ صرف بدن پونچھنے بلکہ میّت کا بدن پونچھنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ فرہنگ فارسی دکتر معین میں ہے : آبچین (۱) جامۂ کہ تنِ مردہ را بعد از غسل دادن بدان خشک کنند (۲) کاغذِ آب خشک کن۔

رومال کی ایجاد کی بابت ایرانی کی روایت جو غالب نے درج کی ہے، معتبر نہیں، رومال اتنا جدید لفظ نہیں، اس کے علاوہ زیادہ متداول لفظ دستمال ہے۔

ذیل میں فارسی فرہنگوں کے اقوال درج کیے جاتے ہیں، ان سے اندازہ ہوگا کہ آبچین کے جو معنی برہان قاطع میں درج ہیں وہ صحیح ہیں۔

جہانگیری : آبچین جامۂ باشد کہ بعد از غسل بدنِ مردہ را بدان پاک کنند حکیم فردوسی فرماید :

بہ پیمان کہ چیزی نخواہی زمن
ندارم بمرگ آبچین و کفن

حکیم اسدی راست :

بپوشم بآئین بجامہ عجم
کفن و آبچین دہ بکافور ہم

سروری (۲ : ۷۱) آبچین یعنی فوطہ کہ چون از حمام برآیند عرق را بدان بخشکانند و در فرہنگ (یعنی جہانگیری) جامۂ باشد کہ بعد از غسل بدنِ مردہ بدان پاک کنند و باین بیت فردوسی مستشہد شدہ :

بہ پیمان کہ چیزی نخواہی زمن الخ

رشیدی (۱: ۵۰) آبچین جامہ کہ بعد از غسل بدن مردہ را بدان پاک کنند و چادری کہ از حمام برآمدہ عرق بدان چینند، دساماتی گوید : تطلیفۂ کہ بدان بدن خشکانند بعد از غسل و خصوصیت ندارد چنانکہ صاحب جہانگیری گمان بردہ و توہم او از خصوصیتِ مقام ناشی شدہ و آن معتبر نیست ، فردوسی گوید :

بہ پیمان کہ چیزی نخواہی زمن الخ

فرہنگ نظام (ج ۱ ص ۱۰) میں آبچین کو قطیفہ و حولہ (تولیہ) کا مترادف بتایا ہے۔ اس میں مردے کی قید نہیں بتائی گئی۔

اس میں شبہہ نہیں کہ بعض لغات نویسوں نے ساماتی کی طرح جہانگیری کے اس حصر پر کہ آبچین میت کے بدن کے پونچھنے کے لیے مخصوص ہے ، گرفت کی ہے ، لیکن کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا ہے کہ آبچین بدن پونچھنے کے کام میں آتا تھا۔ فردوسی اور اسدی کے ابیات سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ آبچین کا میت سے تعلق ضرور ہے ، اس لیے کہ دونوں ابیات میں آبچین اور کفن ساتھ ساتھ آئے ہیں ، بخوبی ممکن ہے کہ زندوں کے بدن پونچھنے کے کپڑے کو بھی آبچین کہتے ہوں۔ لیکن فی الحال اس کی کوئی شعری شہادت نہیں۔

بہر حال برہان قاطع میں جو بیان ہے وہ بعینہٖ جہانگیری سے لیا گیا ہے ، لیکن اس پر یہ اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے کہ اس نے آبچین کے معانی کی دوسری صورت کا ذکر کیوں نہیں کیا ، غالب کے یہاں 'رومال' کی بحث بے موقع ہے۔ اس لیے کہ رومال سے بدن پونچھنے کا کام نہیں لیا

جا سکتا، پھر اس کی ایجاد کے سلسلے میں ان کے بیان کا کوئی معتبر ماخذ نہیں۔

آبدار بروزن تابدار گیاہی است مانند لیفِ خرما و ہر چیز باطراوت و پُرآب را نیز گویند از میوہ و جواہر و کارد و شمشیر را ہم گفتہ اند و کنایہ از مردم صاحب سامان و مالدار ہم ہست۔ (برہان)

غالب کے نزدیک اسم گیاہ محل تامل اور مالدار کے معنی غلط ہیں، صاحب سامان اور مالدار کے معنی میں آبمند ہے نہ آبدار، اکثر فرہنگوں میں آبرومند ہے، آبمند نہیں، لیکن جب کسی نے سنائی کی ایک بیت جو جہانگیری اور رشیدی میں بمعنی صاحب سامان درج ہے پیش کی تو غالب نے حسب معمول نہایت دلچسپ توجیہ پیش کی:

> "گفتم شعرِ سنائی سندِ کامل و من حیث المعنی جائز اما ہم فنان و ہم سرانِ سنائی ترک کردہ اند و وجہ ترک اینست کہ از دیر باز در کارخانہ ہای سلطنت آبدار خانہ و نام تحویلدار آن خانہ آبدار می نویسند، ہر آینہ از روی ایہام توہم اہانت دارد"۔ (ص ۱۰)

ذیلاً فرہنگوں کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو سکے گا کہ برہان قاطع کے مصنف پر اعتراض درست نہیں:

موید الفضلا: (۱ : ۳۱) آبدار گیاہی است بلیف ماند و اندک طعم باشد و اندک بوی، کذا فی بعض لغات الطب، مروارید، اول جنس، و لون و تیغ بران و امثال آن آوردہ اند و دارندۂ آب و در ادات بمعنی تروتازہ و روشن۔

مدار الافاضل: (۱ : ۱۱) آبدار نام گیاہی است و مروارید، اول جنس و لون و تیغ بران و در ادات است بمعنی تروتازہ و روشن۔

جہانگیری: آبدار با بای موقوف، چہار معنی دارد۔
اوّل چیزی با تراوت را گویند،
دوم کنایہ از مردمِ صاحبِ جمعیت و سامان بود، سنائی نظم نمودہ:

ثقتہ الملک طاہر آں کہ چو آب
ایزدش آبدار خواهد کرد

سوم، ہر چیزی پُر آب را خوانند مانند میوہ ہا و جواہر و تیغہا د چوں کارد و خنجر و شمشیر و مثل آن حکیم فردوسی فرماید....
چہارم، نام گیاہی است کہ شبیہ باشد بالیف خرما۔

رشیدی: (۱: ۵۲) آبدار چیزے باطراوت و پُر آب و نیز مردم با جمعیت و سامان، سنائی گوید: ثقتہ الملک طاہر الخ، وگاہی بہ طریق کنایہ بر خنجر و تیغ اطلاق کنند، و فردوسی گوید....و در فرہنگ جہانگیری نام گیاہی باشد کہ شبیہ باشد بہ لیف خرما۔

فرہنگ معین میں آبدار کے حسب ذیل دس معانی درج ہیں:

۱۔ ماموری کہ موظف بود برای آب نوشیدن
۲۔ شربت دار، ساقی
۳۔ خادمی کہ مامور تہیۂ چای و قہوہ و قلیان است
۴۔ گیاہ و میوہ پُر از شیرۂ نباتی، شاداب
۵۔ جوہر دار، بُرندہ
۶۔ صاحب سامان، صاحب جاہ و جلال
۷۔ بسیار سفید و درخشان
۸۔ فصیح و روان مانند شعر آبدار
۹۔ سخت صعب، نیش دار مانند دشنام آبدار
۱۰۔ گیاہی است مانند لیف خرما

اس تفصیل سے واضح ہے کہ صاحب برہان نے آبدار کے معانی بیان کرنے میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ اپنے پیشروؤں کے بیانات درج کر دیے ہیں۔

آب زیر کاہ کسے را گویند کہ خود را بظاہر خوب نماید و در باطن مفتن

وفتنہ انگیز باشد وکنایہ از خوبی ونیکی مخفی ورواج ورونقِ خس پوش ہم ہست، چنانکہ گویند : آبش زیر کاہ است ، مراد آں باشد کہ خوبی ونیکی وقابلیت واستعداد ورواج ورونقش مخفی وپوشیدہ است۔ (برہان)

غالبؔ نے پہلے الفاظ کی بے ربطی پر بحث کی ہے، پھر لکھا ہے کہ اس کے معنی ریا ونفاق کے ہیں۔ "آبش زیر کاہ است" سے خوبی ونیکی باطن کا قیاس غلط ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کے باطن کا حال مجہول ہے۔

ذیل میں بعض فرہنگوں کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

مؤید الفضلا: (۱: ۹۴) آب زیر کاہ کسی را گویند کہ خود را بظاہر خوب نماید ودر باطن مفتن وفتنہ انگیز باشد وکنایہ از خوبی ونیکی مخفی و رواج ورونق خس پوش ہم باشد چنانکہ گویند : آبش زیر کاہست، مراد آں باشد کہ خوبی ونیکی وقابلیت وکمال واستعداد و رواج ورونقش مخفی وپوشیدہ است وبمعنی جاسوس ہم آمدہ است ومردم چاپلوس را ہم گویند۔

جہانگیری: آب زیر کاہ ، کنایہ از کسی بود کہ بظاہر خود را نیک فرانماید ودر باطن نہ چناں باشد، مولوی معنوی:

او بزیر کاہ آبِ خفتہ بود

ظہوری:

کو دادگری چون تو کہ شاہش گویند
وازسایہ وری ظل اللہش گویند
نگذارد آب کاہ را بزیرش
زین بیم کہ آبِ زیر کاہش گویند

رشیدی: (۱: ۶۳) آب زیر کاہ یعنی خس پوش، شاعر گوید:

هنوزت آبِ خوبی زیرکاه است و نیز کنایه از کسی باشد که خود را
نیک نماید و در باطن چنان نباشد، خاقانی گوید :

باجهاں آبِ زیرکاه مباش
تات بی آبتر زکه نکنند

سروری : (۳ : ۱۵۷۷) آبت زیرکاه است کنایه از آنست که رونق
خس پوش و پنہان است، مثالش، انوری گوید :

بساغر من کہ آتش در زنی، باش
هنوزت آبِ خوبی زیرِ کاهست

و در فرهنگِ جهانگیری آبِ زیرکاه کسی باشد که بظاهر سلیم و
نیک باشد و در باطن نہ چنان باشد۔

فرهنگِ معین : (۱ : ۱۷) آبِ زیرکاه (۱) آبی کہ زیر خار و خاشاک پنهاں باشد۔
(۲) کسی کہ در ظاہر خود را نیکوکار و خوش خلق نشان دہد و در
باطن شرور و فتنہ انگیز (۳) زیرکی کہ کار خود را پوشیدہ انجام دہد،
مکار، حیلہ گر۔ (۴) رواج و رونقِ مخفی، خوبی و نیکی پوشیدہ۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ برہان کے مندرجات موید الفضلا سے حرفاً حرفاً لیے گئے
ہیں۔ اس بنا پر صاحب برہان پر کوئی ایراد نہیں کر سکتا، "خس پوش" کے فقرے پر جو اعتراض
ہے وہ بھی ہلکا ہو جاتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف صاحب موید الفضلا ہے یا کوئی
اور فرہنگ، بہر حال جامع برہان پر کوئی اعتراض عاید نہیں ہوتا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سروری:
(۳ : ۱۶۰۴) میں ہے کہ خس پوش کنایہ ہے نفاق سے، اور رشیدی: (۱ : ۵۹۴) میں لکھا
ہے کہ امر قبیح کہ آں را بوجہی خواہند اصلاح کنند۔ موید الفضلا: (۱ : ۳۶۰) میں ہے کہ خس پوش
پوشیدن نہ بر سبیل احتیاط کذانی شرفنامہ و قیل پوشیدن حق بباطل۔

آبشت و آبشتگاه، آبشتگہ و آبشتن و آبشتنگاه، آبشتنگہ بمعنی
خلوت خانہ و بیت الخلا (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ "از یک بیضہ شش مرغ برآورد، ہمچون خفاش کور روز، گوئی آبشتن را مصدر و آبشت را ماضی شناخت . . سخن اینست کہ آبشتن و بتبدل شین منقش بسین سادہ، آبستن نیز اسمی است جامد و غیر منصرف بمعنی ہر چیز کہ از نظر نہان باشد عموماً و زن باردار خصوصاً . . . و در آن محل تنہا روند آبشتنگاہ اسم بیت الخلا نہادند"

فارسی فرہنگوں میں آبشتن ، آبشت ، آبشتگاہ ، آبشتگہ ، آبشتنگاہ اور آبشتنگہ آئی ہیں، آبشتن بمعنی نہفتن اور پوشیدہ شدن اور آبشت بمعنی نہفتہ و جاسوس اور بقیہ چار لفظ خلوت خانہ اور مستراح کے لیے آئے ہیں۔ فرہنگ معین میں ابشتن بحذف مد بھی آیا ہے، اس طرح اس میں سات شکلیں موجود ہیں۔ جہانگیری میں آبشت کے علاوہ پانچ صورتیں آئی ہیں۔ اور سروری میں آبشتن، آبشتنگاہ اور تحفہ کے حوالے سے آبشگاہ ہے، (جلد ۱ ص ۸۰ و ۹۲) رشیدی میں آبشتن کے علاوہ آبشتنگاہ و آبشتنگہ مد اور بغیر مد کے آئے ہیں (۱ : ۵۵)، فرہنگ نظام میں سوائے آبشت کے برہان میں مندرج سب شکلیں درج ہیں، اس میں واضحاً لکھا ہے کہ آبشت اور دیگر مشتقات آبشتن سے نہیں آتے، موید الفضلا میں ہے (۱ : ۶۹) آبشتن باشین قرشت نہفتن و جای خرمی و نہفتہ کذا فی الادات و دلیل قوی بریں کہ باشین قرشت است قول لسان الشعرا است و در لغت آبشتگاہ کہ لفظ آبشتن باشین معجمہ مرکب باگاہ، قدم گاہ و خلوت خانہ آوردہ است و آبشتنگاہ را با علامت شین قرشت نوشتہ است، چنانچہ در آبشتن لیکن تصریح نہ کردہ است کہ معجمہ است یا مہملہ اما در لسان الشعرا تصریح کردہ است، پس ازیں معلوم می شود کہ آبستن باسین مہملہ مترادف است مر آبشتن را کہ باشین معجمہ است در معنی نہفتن۔ اور اسی فرہنگ میں ص ۹۴ پر آبشتن گاہ بمعنی خلوت خانہ و قدم خانہ بحوالۂ لسان الشعرا اور خلوت خانہ و مستراح و محل پنہاں شدن بحوالہ ادات الفضلا آیا ہے۔ اسی طرح اسدی ص ۱۱۶ ، قواس ص ۱۲۷ ، صحاح ص ۲۶۱ ، زفان گویا، ادات الفضلا ص ۶ میں آبشتنگاہ ہے، اور اکثر میں خلوت خانہ کے معنی میں قریع الدہر کی حسب ذیل بیت سے استشہاد ہوا ہے :

نہ ہمی باز شناسند عبیر از سرگیں   نہ گلستاں بشناسند ز آبشتنگاہ

اس تفصیل سے واضح ہے کہ غالب سے دھوکا ہوا کہ انھوں نے آبستن اور آبشتن کو ہر لحاظ سے مترادف خیال کیا حالاں کہ بعض فرہنگوں کے لحاظ سے صرف نہفتن کے معنی میں آبستن اور آبشتن مترادف ہیں۔ (موید اور کشف) لیکن آبشتنگاہ میں واضح آشین قرشت ہے، اس لیے آبستن (بمعنی نہفتن) میں سین سادہ محل نظر ہے، آبشتن اور آبستن میں بڑا فرق ہے، آبستن مصدر نہیں بلکہ اسم جامد ہے بمعنی حاملہ، اور اس سے یہ چند صورتیں مشتق ہیں، آبست و آبستہ و آبستی و آبستان۔ جب کہ آبشتن مصدر سے چھ سات شکلیں بنتی ہیں، آبشتن شین معجمہ سے ہے اور اس کے معنی نہفتن اور پوشیدہ شدن کے ہیں، اور اس کے مشتقات کے معنی خلوت خانہ اور مستراح کے ہیں، غرض نہ بلحاظ معنی اور نہ بلحاظ املا آبشتن اور آبستن میں کوئی اشتراک ہے، صرف ایک آدھ فرہنگوں میں آبستن سین مہملہ سے بمعنی نہفتن درج ہے، خلاصہ یہ کہ غالب کا نقطۂ نظر ہر لحاظ سے قابلِ ترک ہے۔

آبگاہ بروزن خوابگاہ تہی گاہ و پہلو را گویند و بمعنی تالاب و استخر ہم ہست (برہان)

غالب دونوں معنی کے لیے سند چاہتے ہیں۔

موید الفضلا (۱ : ۹۴) آب گاہ، تہی گاہ و پہلو را گویند و بمعنی تالاب و استخر ہم ہست۔

زمخشری کے مقدمۃ الادب میں آب گاہ بمعنی استخر و تالاب آیا ہے،

(ج ۱ ص ۷۰) منہل : آب گاہ، آب خورد، آب گاہِ ستوران، آبش خور

ایضاً ورد : 〃 〃 〃 〃

مورد : 〃 〃 〃 〃

ج ۱ ص ۲، مَصنَعَۃ : استخر کہ از برای آب باراں کنند، آب گاہ بسنگ برآوردہ، آب گاہ، استخر بزرگ کہ بسنگ ساختہ۔

فرہنگ نظام : (۱ : ۱۹) آب گاہ پہلوی انسان و حیوان،

فرہنگ معین : آب گاہ ۱۔ آب خور، تالاب، استخر ۲۔ پہلو ۳۔ تہیگاہ ۴۔ مثانہ

لغت نامۂ دہخدا : آب گاہ (۱) ورد، مورد، منہل، مصنعۃ، تالاب، استخر، آب خور (۲) مثانہ (۳) تہی گاہ، زیر اضلاع از دو سوی وحشی تن آدمی و دیگر جانوران۔

فرہنگ معین اور لغت نامہ میں مخفف صورت آبگہ بھی انھیں معنوں میں آئی ہے۔

غرض، تفصیل بالا سے واضح ہے کہ آب گاہ معنی دار لفظ ہے۔ برہان میں تو موید الفضلا کا بیان ہوبہو نقل کر لیا گیا ہے۔ لغت نامہ اور فرہنگ معین میں ایک معنی زائد ملتا ہے۔

آتش برگ بمعنی آتش زنہ است کہ چقماق باشد (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ آتش برگ اور آتش زنہ ایک نہیں ہو سکتے، آتش برگ سنگ پارہ ہے جو پُر شرارہ ہوتا ہے۔ اور آتش زنہ ترکی میں چقماق ہے، جب اسے پتھر پر مارتے ہیں تو چنگاری نکلتی ہے۔

قدیم فرہنگوں میں یہ لفظ میری نظر سے نہیں گزرا، البتہ فرہنگ نظام ج ۱ ص ۳۰ میں ہے:

(۱) آتش برگ چقماق، شہیدی قمی:

بیا ساقی شبِ عید است فکرِ عیدی من کن
بہ آتش برگِ ماہِ نو چراغِ بادہ روشن کن

(۲) سنگی کہ بہ چقماق خوردہ آتش می داد، غزالی مشہدی:

خار و خاشاکِ وجودم چون نگردد سوختہ
شعلہ می ریزد ز آتش برگ نعلِ آں سمند

لغت نامۂ دہخدا اور فرہنگ معین میں یہ لفظ چقماق کے معنی میں ہے اور اول الذکر میں خواجہ حسین ثنائی کی یہ بیت سند میں نقل ہوئی ہے:

شد آنچناں برطوبت ہوا کہ آتش برگ
ز سنگ قطرہ برون آورد بجای شرار

اس تفصیل سے واضح ہے کہ غالب کا صاحبِ برہان پر اعتراض بے معنی ہے۔

آذر بفتح ثالث۔ بروزن مادر بمعنی آذر است کہ آتش باشد (برہان)

قاطع برہان میں غالب لکھتے ہیں:

"چوں آذر بفتح ثالث گفت بروزن مادر چرا گفت؟ اگر ہم چنین بایستی گفت، چادر می گفت، چادر را گذاشتن و مادر را آوردن بی حیائی است، ظرافت پیش کش۔ شرح ایں لفظ موافق عقیدۂ لغات چنیں می بایست کہ آذر آتش را گویند و آن را بذال نقطہ دار نیز نویسند، دیگر در تحت بحث اسم آذر بذال ثخذ کہ فصلی جداگانہ ساز کردہ است، سخن از اندازہ افزوں تر دراز کردہ است، من می گویم کہ آذر بذال منقوطہ زنہار نیست، و درنام ماہ و نام روز کہ آذر بذال می نویسند ہمہ زلے ہوز در کار است"

اس کے بعد غالب نے ذال فارسی کے وجود سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دبیرانِ عجم دال (ابجد) کے اوپر نقطہ لگا دیا کرتے تھے۔ اس سے لوگوں نے دھوکا کھایا اور دال کو ذال پڑھنے لگے، یہ نکتہ غالب کے استاد عبدالصمد نے بتایا تھا، اس کے بعد عبارت میں چند دساتیری الفاظ از قسم آباد، تیمار، شت لائے ہیں اور ان کو پہلوی کے اصیل الفاظ قرار دیا ہے۔

آذر بر وزن چادر کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ چادر کے مروجہ ایرانی تلفظ میں 'د' مضموم ہے، جب کہ آذر میں ذال مفتوح ہے، اس لیے آذر کے ہم وزن کے لیے 'مادر' کی مثال زیادہ صحیح ہے، تعجب ہے کہ یہ عام بات غالب کے ایرانی آموزگار ہرمزد ثم عبدالصمد پر کیوں پوشیدہ رہی، اگر غالب کو چادر کے صحیح تلفظ کا علم ہو جاتا تو ان کا ظریفانہ قول ہی بے معنی رہتا غالب ذال فارسی کے منکر تھے۔ حالانکہ اس کے وجود سے انکار گویا بدیہیات سے انکار کے مترادف ہے، متعدد فاضلوں نے اس سلسلے میں تفصیل سے مضامین لکھے ہیں، ہندوستان کے دو اہم دانشمندوں نے بھی اس موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے، میری مراد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب مرحوم اور قاضی عبدالودود صاحب سے ہے۔ راقم نے بھی اس سلسلے میں کئی بار اظہارِ خیال کیا ہے، آخری مقالہ تہران یونیورسٹی جرنل: مجلۂ تحقیقات ایرانی ۱۳۵۰ شمسی میں شائع ہوا ہے۔ اس بنا پر اس موضوع پر کچھ اور لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ البتہ موقع کی

130822

مناسبت سے چند امور کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

حافظ شیرازی (وفات ۷۹۲ھ) کے ایک قطعے میں " امیذِ جود " سے تاریخ ۷۶۴ھ نکالی گئی، اگر اس میں 'امید' پڑھیں تو تاریخ ۶۸ ہوتی ہے جو ناممکن ہے، مطلوبہ بیت یہ ہے:

تا کس امید جود ندارد دگر زکس
آمد حروف سال وفاتش امیذ جود

حدائق السحر (ص ۶۷) میں رشید وطواط نے صنعت خیفا کی ایک مثال درج کی ہے جس میں ایک لفظ کے سارے حروف نقطہ دار اور دوسرے کے بغیر نقطے کے ہیں، اس میں 'شذ' ہے، اگر اس کو آج کل کے تلفظ میں 'شد' پڑھیں تو صنعت جاتی رہتی ہے، واضح رشید نے "شذ" ہی لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

زین عالم شذ او زبخشش مال
تیغِ او زینت الممالک شذ

مختلف شاعروں اور ادیبوں کے قطعات ذال فارسی کے وجود پر دلالت کرتے ہیں، منجملہ ان کے ابن یمین کا ایک قطعہ دال و ذال کے مابین امتیاز کرنے کے لیے نظم ہوا تھا:

تعیین دال و ذال کہ در معرض فتد
ز الفاظِ فارسی بشنو زانکہ مبہم است
حرفِ صحیح ساکن اگر پیش ازو بود
دال است، ہر چہ ہست جز ایں ذال معجم است

ابن یمین کا اس سلسلے کا دوسرا قطعہ ملاحظہ ہو:

اگر میل داری کہ در پارسی
ہمی دال را باز دانی ز ذال
بگویم یکی ضابطہ یاد گیر
کہ ایں را بگیتی نیابی ہمال

اگر پیش از دحرف علت بود
نگہ کن کہ آں حرف راچیست حال
اگر ہست ساکن تواش دال خوان
وگر نہ ہمان ذال معجم نہ دال
(دیوان قلمی نسخۂ حبیب گنج ص ۳۴۳)

ابن یمین نے دو قطعے لکھے ہیں جن میں دال کے ساتھ ذال قافیہ لانے پر معذرت کی ہے؛ دونوں قطعوں کی متعلقہ ابیات یہ ہیں :

ہرچہ یک قافیہ ذال است ولی گوہر جود
سیف آں قطعۂ غرا ہمہ خلق نموذ (ص ۳۷۵)

اس کے قوافی موجود، وجود، صعود، عقود، عود، حسود، مردود، سجود ہیں۔

قافیہ ہرچند خواہد گشت ذال
سہل باشد تیز شاں بر ریش باذ (ص ۳۹۳)

اس کے قوافی زیاد، مراد، جماد، عناد ہیں۔

ان کے علاوہ فارسی کے سیکڑوں قدیم مخطوطات ہیں جن میں ایسے سارے الفاظ میں دال کا حرف ذال سے ملتا ہے جس کے پہلے کوتاہ یا بلند مصوتے ہیں، اس اصول پر نویں صدی ہجری کے تیسرے ربع تک عمل ہوتا رہا ہے۔ گو بعض خطوں میں اس پر سختی سے عمل نہیں ہوا ہے، غالب کا دلچسپ قول یہ ہے کہ "دبیرانِ پارس را قاعدہ چنان بود کہ بر سر دال ابجد نقطہ نہادندی، پیشنیان ازیں رسم الخط بوجود ذال منقوطہ در گمان افتادند ..... وایں کہ من می گویم نہ گفتارِ من است بلکہ فرمانِ آموزگار منست"..... دراصل یہ خیال غالب نے جہانگیری اور رشیدی سے لیا ہے، چنانچہ فرہنگ رشیدی میں ہے:

" ووجہ آں کہ صاحب فرہنگہا ایں لغت را (آدیش) بذال منقوطہ تصیح نمودہ اند، آنست کہ در زمان قدیم برزبر دال نقطہ می نہادند، متأخرین آں راخیالِ ذالِ منقوطہ کردہ اند۔" (ج ۱ ص ۷۸)

اور واضح اً یہ خیال رشیدی میں جہانگیری سے لیا گیا ہے جیسا کہ آدیش کے ذیل میں آتا ہے:

"آدیش بکسر ثالث و سکون یای تحتانی و شین نقطہ دار آتش راگویند، باید دانست کہ چوں اکثر حروف فارسی بایکدگر تبدیل می یابند بنابر آن تای آتش را بدال ابجد بدل کردہ آدیش گفتہ اند و اینکہ بفتح تای قرشت اشتہار دارد غلط مشہور است، چہ ایں لغت در ہمہ فرہنگہا بکسر تای قرشت آمدہ و با دانش قافیہ شدہ و چوں بکسر تا موضوعست تا دلالت بر کسرۂ ماقبل کند و آدیش خواندہ شود۔ (برہان)

غالب لکھتے ہیں کہ آتش کا قافیہ دانش کے ساتھ غلط ادعا ہے، آتش میں 'ت' مفتوح ہے اور مشوش، سرکش، دل کش و بیغش کے ساتھ قافیہ ہوا ہے، ایک رباعی میں شیروشی، عصاکشی کے ساتھ آتشی قافیہ آیا ہے۔ نزہت الارواح کی ایک بیت میں خوش اور آتش قافیے آئے ہیں۔ نظامی گنجوی نے غمکش کے ساتھ اور سعدی نے ہیزم کش کے ساتھ آتش قافیہ نظم کیا ہے۔

آدیش پہلوی میں تعظیم و تکریم کے معنی میں آتا ہے۔ آتش کے معنی میں نہیں آتا۔ غالب نے برہان کے بیان پر دو اعتراض کیے ہیں۔

(۱) آدیش کے معنی آتش نہیں بلکہ تعظیم و تکریم کے ہیں۔

(۲) آتش میں 'تے' مفتوح ہے، مکسور نہیں۔

برہان کا بیان جہانگیری کے مفصل بیان کا خلاصہ ہے:

"آدیش با دال مکسور و یای معروف آتش باشد، چوں علمای فرس تجویز تبدیل ہر یک از حروف بیست و چہارگانہ بحرف دیگر جائز داشتہ اند در بعضی لغات در بعضی از مواقع چنانچہ در آئین ششم از مقدمۂ ایں کتاب ذکر آں نمودہ شد، تای آتش را بدال بدل کردہ آدش گفتند و آنکہ آتش بفتح تا اشتہار دارد غلط است۔ چہ در اصل ایں لغت بکسر تا موضوع است، متأخرین بعد از دال یای تحتانی در آوردند تا دلالت بر کسرۂ ماقبل کند و آدیش

خوانند"، اس کے بعد اضافہ ہوا ہے کہ اگرچہ دال و ذال کے درمیان تفریق کے قاعدے کے مطابق اس کو ذال سے لکھنا چاہیے، لیکن چوں کہ دال اصلی نہیں ہے، بلکہ 'تے' سے تبدیل ہوا ہے، اس لیے اس میں ذال نہیں ہونا چاہیئے۔ بعض فرہنگ نویسوں کے ذال کے لکھنے کے سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ زمانۂ قدیم میں دال کے اوپر نقطہ لگاتے تھے، متأخرین اس قاعدے سے واقف نہ ہونے کے سبب اس کو ذال سمجھ بیٹھے۔"

اس کے بعد حکیم انوری کی یہ بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے:

گر کند چوب آستان تو حکم
شحنۂ چو بہا شود آدیش

آدیش کے بارے میں فرہنگ نویسوں میں اختلاف رہا ہے، شرفنامہ، موید الفضلا، جہانگیری، رشیدی، فرہنگ نظام وغیرہ میں آدیش آتش کا مبدل منہ ہے، اور شرفنامہ، جہانگیری، رشیدی، نظام میں انوری کی بیت شاہد نقل ہوئی ہے۔ رشیدی نے جہانگیری کا قول نقل کر دیا۔ لیکن اس کو اطمینان خاطر نہ تھا، چنانچہ اس میں مزید ملتا ہے کہ شعر مذکور محصل معنی نہیں، بلکہ اس کے معنی چوکھٹ کی لکڑی ہے۔ ساماتی کا یہی خیال ہے، سروری نے بھی آدیش کے یہی معنی لکھے ہیں (۱: ۵۰) آدیش چوبی کہ بر آستان در استوار کنند، و در موید و شرفنامہ بمعنی آتش آمدہ مثالش حکیم انوری فرماید: گر کند چوب آستان الخ

رہا آدیش کے ذال کا مسئلہ، تو اس میں حسب قاعدۂ تفریق میان دال و ذال اس میں ذال ہی درست ہے خواہ ذال اصلی ہو یا مبدل منہ، پہلوی کے کتنے 'ت'، فارسی میں ذال میں تبدیل ہوئے ہیں، آمتن سے مصدر آمذن تھا جو بعد میں دال بے نقطہ میں بدلا۔

آتش کی 'تے' کی حرکت کے بارے میں اختلاف ہے، جس کی طرف غالب نے اشارہ کیا ہے، جہانگیری، رشیدی، برہان میں 'تے' کے زبر کو غلط بتایا ہے۔ لیکن قوانی کے پیشِ نظر تے کو مفتوح ماننا پڑے گا، غالب کی چند مثالوں کے علاوہ لغت نامۂ دہخدا میں متعدد قوانی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آتش میں تے مفتوح ہوگی۔

آسمان ابلق و روی زمی ابرش گشتہ است
دشت مانندۂ دیبای منقش گشتہ است
لالہ بر طرف چمن چون گہ آتش گشتہ است

(منوچہری)

کی شود دہر باتو یک دم خوش
چون جہد ناگہ از چنار آتش .

(سنائی)

با غم مرگ کس نہ باشد خوش
آبیان راچہ عیش در آتش

(مکتبی)

تا در نزنی بہرچہ داری آتش
ہرگز نہ شود حقیقت وقت تو خوش

(بخاری)

لیکن آتش کے تیسرے حرف کے مکسور ہونے کا ثبوت مولانا روم کی اس بیت سے فراہم ہوتا ہے:

گفت آتش من ہما نا آتشم
اندر آئی تا ببینی تابشم

ایسا خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ قدما نے آتش میں 'تے' کو اکثر مفتوح نظم کیا ہے، لیکن مکسور کی بھی مثالیں مل جاتی ہیں۔ اس بنا پر اس لفظ کی دونوں قراتوں کو درست جاننا چاہیے، جیسا فرہنگ معین میں ملتا ہے۔

آژنگ بمعنی آژنج کہ مرفق است، رنگ ولون[2]، ہمانا[3]، پنداری، رنج و محنت، مکر و حیلہ[5]، گونہ و روش[6]، نام میوہ، حاکم ملک (برہان)

غالب کے نزدیک آژنج یعنی مرفق کے علاوہ سارے معانی مشتبہ ہیں، رنگ و لون،

مکر و حیلہ کے لیے رَنگ، کا لفظ ہے۔ اور جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ رنگ پر الف کا اضافہ جائز ہے۔ اس وقت تک صاحب برہان کا قول قابل قبول نہ ہوگا۔ رنج و محنت کے لیے آدرنگ ہے، ممکن ہے آزنگ اس کا مخفف ہو، اسی طرح ہمانا پنداری کے بجائے ہرگز و زنہار زیادہ مناسب ہے، میوہ کے لیے نارنج و نارنگ ہونا چاہیے، آرنگ بے موقع ہے، اسی طرح حاکم کے لیے کنارنگ ہے، نہ آرنگ۔

صحاح الفرس (ص ۹۲) میں آرنگ کے دو معنی ہیں۔ (۱) ہمانا (۲) گونہ

جہانگیری میں اس کے چھ معنی درج ہوے ہیں:

۱۔ رنگ، ظہیر فاریابی:

آرنگ زرد باد چو نارنگ روی خصم
پاداش سر بریدہ بسر کفتہ باد رنگ

۲۔ آرنج، منصور شیرازی:

گر بعہد تو ظلم یازد چنگ
باد دستش بریدہ از آرنگ

۳۔ ہمانا، رودکی:

ہرگز نکند سوی منِ خستہ نگاہی
آرنگ نخواہد کہ شود شاد دل من

۴۔ رنج و محنت، کمال اسماعیل:

نہ ہرگز از تو رسیدہ بہ موئی آرنگی
نہ ہرگز از تو رسیدہ بہ مور آزاری

۵۔ مکر و حیلہ، شرف شفروہ:

بر طبل قمر ہمی زنی رایت
کای شاہد پیشہ این چہ آرنگ است

۶۔ حاکم اس کو کنارنگ بھی کہتے ہیں۔

سروری (۱: ۶۱) میں یہی چھ معنی درج ہیں، رنگ کے معنی کے لیے مزید یہ بیت درج ہے :

ازمن خوی خوش گیراز آنکہ گیرد
انگور ز انگور رنگ و آرنگ

رشیدی (۱: ۸۷) میں اکثر معنوں کی تائید ہے۔ حاکم کے بارے میں تامل ہے آخر میں سامانی کا قول نقل کیا ہے، جس میں رنگ کو آرنگ کا مخفف بتایا گیا ہے، فردکی کی بیت میں ہمانا کے بجاے ہرگز بہتر قرار دیا گیا ہے۔

فرہنگ نظام (۱: ۵۸) میں مکر وحیلہ کے علاوہ پانچ معنی دیے ہیں، فرہنگِ معین میں تین اندراج کے تحت چھ معنی ملتے ہیں۔ ۱۔ آرنج ۲۔ رنگ ولون ۳۔ آلغونہ، الگونہ ۴۔ گونہ، روش ۵۔ رنج و آزار ۶۔ مکر وحیلہ

لغت نامہ میں آرنج، رنج و آزار، رنگ ولون، گوئی وہمانا، مکر وحیلہ، گونہ، طرز وروش؛ برہان کے دو معنی یعنی حاکم ومرزبان اور نام میوہ کے بارے میں صاحب لغت نامہ کو شک ہے، وہ کنارنگ اور نارنج کی تصحیف قرار دیتے ہیں، اس لغت میں مزید شواہد ہیں مگر طرز وروش کے لیے کوئی شاہد درج نہیں،

خلاصۂ کلام یہ کہ برہان میں مندرج اکثر معنوں کی تائید قدیم فرہنگوں سے ہو جاتی ہے اس بنا پر غالب کے اعتراض کا وزن کم ہو جاتا ہے۔

آروند بفتح رابع وسکون نون ودال ابجد، شان وشوکت وفر وشکوہ راگویند۔ (برہان)

غالب کا اعتراض ہے کہ وہ سب معانی جو آرند کے تحت برہان میں ملتے ہیں، آروند کے ذیل میں درج نہیں ہوئے ہیں، اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

"اروند بضم الف خلاصہ وزبدہ، اور بسیط کو کہتے ہیں۔ جو مرکب کے مقابل ہے ساسان پنجم مترجم دساتیر کے نزدیک اروند کے معنی وہ چیز ہے، جس میں کوئی

چیسنز خارج سے داخل نہ ہو سکے، استاد ہرمزدشم عبدالصمد کبھی کبھی اپنے مکاتبات میں "اروند بندہ" لکھتے، جب ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اروند بندہ مضاف مضاف الیہ مقلوب ہے۔ یعنی بندۂ اروند، اور بندہ عبد کا اور اروند صمد کا ترجمہ ہے۔" عبدالصمد مزید فرماتے ہیں کہ "یہ بھی جاننے کی چیز ہے کہ دروند بدال ابجد مضموم بوزن اروند و خرسند مرد بیگانہ کیش و مخالف ملت کے معنی میں ہے۔"

غالب کے نزدیک دساتیر حقیقی کتاب ہے، حالانکہ یہ کتاب جعلی ہے، جو ایک جعلی زبان میں لکھی گئی ہے۔ تعجب ہے کہ ایسی جعلی زبان جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ اور دنیا کے کسی زبان کے خاندان سے جس کا سلسلہ نہ ملتا ہو، اس کے جعل میں کیسے کیسے لوگ پھنس گئے، بہر حال اس سلسلے میں اتنا لکھا جا چکا ہے کہ دساتیر اور اس کی زبان کے جعل کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں ہے۔ ساسان پنجم بھی جعلی شخصیت ہے، 'اروند' بمعنی صمد دساتیری لفظ ہے۔ اور نہ دروند بمعنی مخالف دین ہے، نہ اروند فارسی کا لفظ ہے اور نہ دروند، غالب کے کلام میں دساتیری لفظ خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں راقم کا وہ مضمون دیکھنا چاہیئے جو غالب صدی بین الاقوامی سمینار کے مقالات کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں غالب کے کلام سے دساتیری الفاظ منتخب ہوئے ہیں۔

اروند بالف مقصورہ بمعنی فروزیبائی ملتا ہے، لیکن آروند سوائے فرہنگ معین اور لغت نامہ کے میری نظر سے کہیں اور نہیں گزرا۔

آستینہ تخم مرغ را گویند (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ آستینہ بغیر سند قابلِ قبول نہیں، پھر آشتینہ بھی برہان میں اسی معنی میں آیا ہے تو دونوں میں سے کس کو صحیح سمجھا جائے۔" ایسا خیال ہوتا ہے کہ استہ بروزن دستہ بمعنی تخم میوہ ہے، اور یہ خود خستہ کا مبدل منہ ہے۔ اور اس کو استہ اور ہستہ نیز کہتے ہیں، بیچارے صاحب برہان نے تخم کی مناسبت سے جو میوے اور پرند دونوں میں مشترک ہے۔ لفظ میں عجیب قسم کا تصرف کیا اور انڈے کے معنی میں لکھ دیا۔"

غالب کا قیاس سراسر غلط ہے۔ بیشتر فرہنگوں میں آستینہ موجود ہے، مثلاً فرہنگ قواس ص ۶۴ میں : آستینہ بیضۂ مرغ ، یہی معنی دستورالافاضل ص ۱۴، ادات الفضلا، موید الفضلا ج ۱، ص ۹۶، مدارالافاضل ۱: ۳۹، سروری ۱: ۱۰۷ وغیرہ میں درج ہے۔ شرفنامہ اور موید میں آستینہ اور آشتنہ دونوں ہے۔ لغت نامۂ دہخدا میں استینہ اور اشتنہ دو اور صورتیں ملتی ہیں۔ فرہنگِ معین میں آسینہ اسی معنی میں ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوسری فرہنگوں میں یہ لفظ آیا ہے۔ بنابریں غالب کے اعتراضات بے معنی ہیں۔

آسیم بروزن جاجیم بلغت زند و پاژند استاد بزرگ مرتبہ و عظیم الشان راگویند۔ (برہان)

غالب کہتے ہیں مجھے اسیم کی صحت میں شبہ ہے، اصل میں آسام ہے جو آماس کا مقلوب ہے، بنابریں ورم دماغ کو سرآسام کہتے ہیں، جس کا مخفف سرسام ہے، آسیم کو آسام کا امالہ کہہ سکتے ہیں۔ اور آسیمہ سر و سراسیمہ کو آسیم اور سر کا مرکب قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ قدما کے کلام میں آسیمہ اور آسیون سراسیمہ کے معنی میں آئے ہیں۔

آسیم کا لفظ سوائے جہانگیری کے ایک نسخے کے اور کہیں میری نظر سے نہیں گزرا، اس میں ہے "آسیم بزرگ مرتبہ راگویند"، بہرام زراتشت :

بہ پرسیدم من از ہمراہ آسیم
کہ ایں مردم چہ قوم اند اندرین سیم

برہان میں اس کو لغت زند و پازند قرار دیا ہے۔ دراصل جہانگیری میں پہلوی کی سیکڑوں ہزوارش شکلیں زند و پازند کے نام سے بطور ایک خاتمہ الگ درج ہیں۔ برہان میں وہ ساری صورتیں الف بائی ترتیب میں شامل کر دی گئیں۔ زند و پازند کی اصطلاحات ہماری فرہنگوں میں واضح نہیں، یہ زبانوں کے نام نہیں، دراصل زند اوستا کے پہلوی ترجمہ کا نام ہے جس میں ہزوارش کی شکلیں باقی رکھی گئی ہیں، پازند زند کی ایک عام صورت ہے، اس میں ہزوارش ختم کر دی گئی ہے اور اوستائی خط میں ہے جس میں ہر آواز کے لیے حرف موجود ہے۔

اگرچہ جہانگیری اور برہان میں زند و پازند کے نام سے سیکڑوں لفظ ملتے ہیں جو دراصل

ہزوارِش شکلیں ہیں، بخوبی ممکن ہے کہ آسیم ہزوارش ہو، بہرحال کچھ بھی ہو برہان کا کم از کم ایک ماخذ تو موجود ہے۔

اب غالب کے قیاسات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ غالب کی طرح بعض فرہنگوں نے آسام کو آماس کا مقلوب قرار دیا ہے۔ مثلاً رشیدی (۱: ۱۱۳) میں ہے کہ آسیمہ دراصل آسامنہ ہے۔ الف بطور امالہ یا میں تبدیل ہوا اور یہ معنی فارسی میں رائج ہے، اور آسام آماس کے معنی میں ہے یا اس سے مقلوب کر لیا گیا ہے جیسا کہ سامانی کا قول ہے، سام اس کا مخفف ہے۔ اسی سے سرسام بنا جو دماغ کے بطون کا آماس ہے، شیخ الرئیس نے قانون میں لکھا ہے: سرسام فارسی ہے، سر عربی میں راس ہے اور سام بمعنی ورم ہے۔ اسی طرح برسام، بر بمعنی سینہ اور سام بمعنی ورم ہے۔

غالب نے اتنی بات اور بڑھادی کہ آسام سے آسیم ہو گیا۔ لیکن جب آسیم آماس کے معنی میں برہان میں نہیں اور دوسرے معنی میں اس کا فارسی میں چلن نہیں تو آسام سے آسیم کے وجود کے استدلال کی ضرورت ہی کیا ہوئی۔

رشیدی نے آسام، آماس، آسیمہ کا ایک ہی مادہ بتایا ہے۔ یہ بظاہر درست نہیں، اس لیے کہ آسیمہ، بقول دکتر معین اوستائی لفظ سیمہ (sːmaēna) بمعنی سہمگین سے ماخوذ ہے، آسام فارسی میں رائج نہیں، اس کے بجائے سام بمعنی ورم ہے (جیسا کہ دکتر معین کی فرہنگ میں آیا ہے۔) بنا بریں سام کو آسام کا مخفف اور آسام کو آماس کا قلب قرار دینا دور از کار توجیہ معلوم ہوتی ہے۔

غالب نے آسیمہ کے ساتھ آسیون بھی سراسیمہ کے معنی میں لکھا ہے، یہ بالکل درست ہے۔ لیکن آسیون کی اصل معلوم نہیں، رشیدی میں آسی + ون بتایا گیا ہے۔ آسی عربی میں اندوہناک اور آزردہ خاطر کو کہتے ہیں، رشیدی میں مزید اضافہ ہے، بعض لوگوں نے "آس مانند" بتایا ہے، لیکن اس صورت میں آسون ہونا چاہیے، دکتر معین نے اس کا مادّہ نہیں دیا ہے، لیکن راقم کا خیال ہے کہ آسیمہ اور آسیون کا مادّہ ایک ہی ہوگا۔

بہرحال آسیمہ اور آسیون فارسی میں مستعمل ہیں:

بره گیورا دید پژمرده رُوی
ہمہ آمد آسیمہ و پوی پوی

(فردوسی)

گر نہ عشقت کردہ آسیون مرا
ازچہ رو سرگشتہ و آسیونم

(منجیک)

آمادن بفتح دال و سکون نون بمعنی ساختن و ساختہ شدن و پُر و مملو گردانیدن و ُہیا کردن و مستعد نمودن، آمادہ بمعنی ساختہ و پرداختہ و مستعد و مہیا، آمای پُر کنندہ و آرایندہ . . . و امر باین معنی ہم ہست یعنی پُر کن . . . . (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ:

"مصدر آمودن ہے، اس سے ماضی آمود، مضارع آماید، [اسم] مفعول آمودہ، (اسم) فاعل آمایندہ، امر آمای، جیسا کہ نظامی کے یہاں گوہر آمای بمعنی موتی پرونے والا، جب تک آمای کے قبل گوہر نہیں آئے گا، (یعنی کوئی اسم) صیغۂ امر اسم فاعل نہیں ہو سکتا، آمادن کوئی مصدر نہیں، دکنی بوہرے کے قیاس کے سوا اس کا کوئی وجود نہیں۔ اس سے اسم مفعول (آمادہ) کیوں کر ہوگا۔ خان آرزو بھی عجیب ہیں کہ وہ بھی آمودن کے بجائے آمادن لکھتے ہیں، قصہ مختصر آمادہ یا دوسرا لفظ ہے جو جامد اور غیر منصرف ہے بمعنی مہیا یا آمودہ کا بدل ہے، میرے نزدیک یہ دوسرا لفظ ہے اگر آمودہ کا مبدل منہ ہے تو مہیا مجازی معنی ہے۔"

اس بیان میں اتنی بات ٹھیک ہے کہ امر پر جب تک اسم نہیں بڑھایا جاتا۔ اسم فاعل نہیں ہوتا، باقی آمادن کے وجود سے انکار بڑی جسارت ہے، زفان گویا میں ایک باب مصادر فارسی کا ہے، اس میں آمادن بمعنی ساختن و پُر کردن آیا ہے، اس سے دوسرا مصدر

آمائیدن بنا ہے، آمادہ آمادن سے اسم مفعول ہے، آمادہ جامد و غیر منصرف نہیں، کشف اللغات (۱: ۹۷) میں ہے: آمادن ممدود ساختن، ساختہ شدن، ساختہ کردن، پُر کردن و پُر شدن و ساختہ گردانیدن و آمائیدن بمثلہ، رشیدی (۱: ۱۵۲) آمادن بمعنی آمادہ شدن، فرہنگ نظام (۱: ۱۱۲) آمادہ، لفظ مذکور اسم مفعول مصدر آمادن است، لیکن خود مصدر و مشتقات دیگر کہ شاید درپہلوی بود در فارسی اسلامی استعمال نشد۔

موید الفضلا (ج ۱ ص ۴)، آمادن ساختن و ساختہ شدن و پُر کردن و ساختہ گردانیدن کذا فی شرفنامہ۔

لغت نامۂ دہخدا میں آمادن کے متعدد معانی دیے ہیں، فرہنگ معین میں آمادن کے حسب ذیل معانی درج ہیں:

۱۔ ساختن، آمادہ کردن ۲۔ پُر کردن، مملو گردانیدن ۳۔ مہیا شدن، آمادہ شدن

قصہ مختصر آمادن مصدر ہے، آمادہ اسی سے مشتق ہے، اس سے مضارع آماید اور امر آماے بنتا ہے، آمادگی اسم مصدر ہے اور فارسی اور اردو میں مستعمل ہے۔ غالب کا اس لفظ پر اعتراض ان کے مطالعے کی کمی پر دلالت کرتا ہے۔

آوازگشتن و آوازہ گشتن بمعنی شہرہ شدن و مشہور گردیدن باشد۔ (برہان)

غالب کے نزدیک یہ صحیح نہیں، بلند آوازہ گشتن صحیح ہے، بعد میں فخر گرگانی کی یہ بیت سند میں پیش کی گئی:

اگر نومید زین در باز گردم
بزشتی درجہاں آواز گردم

تو فرمایا کہ: "یہ نادر ہے، اور نادر پر حکم نہیں لگایا جا سکتا، جس حدیث کا راوی صرف ایک شخص ہوتا ہے۔ اس کو مسلّم نہیں جانتے بلکہ ضعیف بتاتے ہیں، جو بات محض ایک جگہ مذکور ہو اور وہ بھی عقیدۂ جمہور کے خلاف ہو تو اس کا قبول کرنا کس دستور کے ماتحت جائز ہوگا، نہ گرگانی کے معاصرین میں

اس ترکیب کا نام ونشان اور نہ ان لوگوں کی زبان پر ہے، جن کا فخر گرگانی کے بعد فن سخن میں "انالاغیری" کا ڈنکا بج رہا ہے۔"

کسی کلمے کی ایک شہادت اس کے وجود کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ کوئی یہ کیوں کر دعوا کر سکتا ہے کہ اس کا استعمال کسی اور شخص نے کیا ہی نہیں، بہر حال آواز گشتن اتنا شاذ بھی نہیں ہے، فخر گرگانی نے ویس ورامین میں مزید دو ابیات میں نظم کیا ہے:

گہی گفتی کہ گر من باز گردم
بزشتی در جہاں آواز گردم

گہی گفتی ہم اکنوں باز گردم
بہل تا در جہاں آواز گردم

آوازہ گشتن کی مثال ملاحظہ ہو:

"اگر ملک چنیں سخن گوید و فرماید خویشتن بسوزم تا در جہاں آوازہ شوم" (مجمل التواریخ بہ نقل از لغت نامۂ دہخدا ج ۱ ص ۱۹۹ ستون ۳)

آوند و آونگ ے آوند ریسمانی را گویند کہ خوشہ ہای انگور بدان آویزند ۲۔ حجت و دلیل ۳۔ ظروف ۴۔ اسم شطرنج ۵۔ اول ونخست ۶۔ تخت۔

آوندی: ظرف شراب، آونگ ریسمانی کہ بدان انگور آویزند۔ (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ آوند ظرف مطلق ہے۔ اور آونگ انگور لٹکانے کی رسی، آونگ کو ہندی میں چھینکا کہتے ہیں، اور وہ رسی جس پر کپڑا لٹکاتے ہیں الگنی ہے۔ تخت کے لیے اورنگ ہے، آوند سے اس کا کوئی تعلق نہیں، آوندی الگ لغت نہیں، آوند سے ہی ہے۔ غالباً اوندی سے دھوکا ہوا ہے۔" حجت و دلیل، شطرنج اور اول ونخست" معانی کے لیے شواہد شعری یا فرہنگ کے اقوال درکار ہیں۔

آوند اور آونگ دونوں کے معنی الگنی ہے۔ صحاح الفرس (ص ۲۷) میں ہے:

آوند بمعنی آونگ بود، حکیم سوزنی گفت:

از دارِ محن گشتہ عدوی تو نگونسار
چون خوشۂ انگور بر آوند شکستہ

جہانگیری اور سروری (۱: ۳۶) میں بھی یہی بیت ایک اور بیت کے ساتھ بطور ایک قطعہ کے آوند بمعنی الگنی نقل ہے، مدار (۱: ۳۹) میں حل لغات کے حوالے سے آوند اور آونگ کو ہم معنی لکھا ہے، رشیدی (۱: ۱۷۱) میں آوند اور آونگ کو ایک ساتھ نقل کیا گیا ہے: "ریسمانی کہ از آن رخت و انگور وجز آن آویزند"۔

جہانگیری میں آوند کے چھ معنی درج ہیں:

۱۔ دلیل، فردوسی:

چنیں گفت با پہلوان زال زر
چو آوند خواہی بہ تیغم نگر

۲۔ ریسمانی کہ خوشہ ہاے انگور بر آن آویزند۔ سوزنی:

از راہِ عنا گشت عدوی تو نگونسار الخ

۳۔ ظروف، عمید لویکی:

مبادا ساغرش یک لحظہ از خونِ رزان خالی
فلک را تا رود خونِ شفق زین نیل آوندش

۴۔ تخت و مسند ۵۔ شطرنج ۶۔ اول ونخست،

آخری تین کے لیے شعری شاہد نقل نہیں ہوئے ہیں، لیکن فرہنگوں میں یہ معنی درج ہیں: دستور الافاضل (ص ۷)، آوند اوانی خانہ و تخت شطرنج، موید الفضلا (۱: ۲۵) آوند اوانی خانہ و تخت و شطرنج کذا فی القنیہ منقول از دستور (دستور میں قنیہ کا نام نہیں، اور اس میں تخت شطرنج ہے) مدار (۱: ۳۱) آوند معروف، تخت و شطرنج و نخست و آونگ، بحرالفضائل میں اوانی خانہ اور تخت شطرنج (مانند دستور) ہے، رشیدی میں آونگ و آوند ہم معنی ہیں۔ لیکن آونگ بمعنی تجربہ و آزمائش و حجت غلط بتایا ہے (۱: ۱۷۱) زمخشری کے مقدمۃ الادب (ج ا ص ۲۶۳) سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) حجۃ، برہان اور دلیل کے مترادفات آوند،

آونگ اور رہبر بتائے گیے ہیں۔ (۲) آوند اور آونگ گواہ کے معنی میں مشترک ہیں۔ البتہ بینہ، کے لیے گواہ اور آوند گشادہ آئے ہیں۔

فرہنگ معین میں آوند اور آوندی دو اندراج ہیں۔ اور آوندی کے منجملہ اور معانی کے ایک معنی ظرف شراب کے ہیں، آوند کے بھی یہی معنی ہیں، لغت نامہ میں آوند بمعنی ظرف شراب کی ایک مثال یہ بھی ہے:

"بنیت آدمی چون آوندی ضعیف است" (کلیہ و دمنہ)

راقم کے نزدیک آوندی میں یاے نسبت یا تنکیر یا وحدت نہیں بلکہ یاے معروف اصلی ہے، اور اس لحاظ سے اس کو آوندی کا شاہد سمجھنا چاہیے نہ آوند کا۔ غرض غالب کا یہ اعتراض کہ صاحب برہان نے آوندی سے 'آوندی' کا قیاس کیا ہے غلط ہے۔

آوند بمعنی تخت و اورنگ کے سلسلے میں ایک دلچسپ امر سامنے آتا ہے:

مدار الافاضل (۱: ۱۴۶) اوشنگ بوزن و معنی اورنگ و در فرہنگ قواس بمعنی آوند، لیکن فرہنگ قواس (ص ۱۳۵) میں ہے: اوشنگ اورنگ۔ زفان گویا میں اوشنگ بمعنی آونگ یعنی الگنی ہے۔ ادات الفضلا میں آونگ کی جگہ اورنگ ہے جس کے مترادف الگنی اور معلاق سے واضح ہے کہ اورنگ تصحیف ہے، قیاس یہ ہے کہ دراصل اوشنگ کا ہم وزن اورنگ ہے جو کسی سہو کی بنا پر اس کا معنی قرار پا گیا، حالانکہ اس کے معنی آونگ ہونا چاہیے یہی آونگ مدار یا مدار کے کسی ماخذ میں آونگ کی بجاے آوند درج ہو جانے سے اوشنگ، آوند، آونگ تینوں کا ذکر ایک سلسلے میں آگیا، اوشنگ کے معنی آونگ یعنی الگنی ہے، اور آوند کے بھی ایک معنی الگنی کے ہیں۔ لیکن اورنگ کے معنی الگنی نہیں، اس بنا پر قیاساً اورنگ آونگ کی تصحیف ہے۔ (رک: فرہنگ قواس چاپ تہران ص ۱۳۵ ح)

خلاصۂ کلام یہ کہ آوند کے سلسلے میں غالب کے اعتراضات قابل توجہ نہیں، برہان میں جو معنی درج ہیں، ان کے حوالے موجود ہیں، اکثر کے شعری شواہد ہیں اور بعض کی تصدیق قدیم فرہنگوں سے ہو جاتی ہے، عام اس کے کہ حقیقت میں ان کی حیثیت کیا ہے۔

آیینہ دار و آیینہ وار سر تراش و حجام را گویند (برہان)

غالب نے لکھا ہے :

"کہاں آئینہ دار اور کہاں حجام، آئینہ دار کی تحویل میں آئینہ اور کنگھا ہوتا ہے، جب آقا ہاتھ منہ دھلتا ہے تو آئینہ دار اس کے سامنے آئینہ رکھتا ہے، تاکہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھے۔ اور بالوں کو کنگھی کرے، اس کو جانے دو، حجام کو سر تراش کہتا ہے.. جو سر مونڈتا ہے اس کو سوائے عرف عام کے حجام نہیں کہتے، مانا جمہور کے اجماع کو مسلم جاننا چاہیئے، سر تراش کے بارے میں کیا حکم ہے، حجام بیچارہ سر مونڈتا ہے، سر نہیں تراشتا، سر تراش جلاّد کی صفت ہے نہ حجام کی۔ . . . بہر حال ہم نے حجام کو بمعنی گرا مسلم جانا اور اس کو سر تراش کہنا جائز قرار دیا، حجام، سر تراش، مزیّن، گرا، ایک ہے، یہ چاروں نام پیشہ ور کے ہیں، آئینہ داری، منصب و ملازمت ہے، حجام کو آئینہ دار اور آئینہ دار کو حجام نہیں کہہ سکتے، کہاں منصب اور کہاں پیشہ۔"

اس طویل بیان میں تضاد ہے، پہلے حجام بمعنی سر تراش کی نفی کی، پھر اس کو قبول کرلیا اب صرف بات یہ رہ گئی کہ آئینہ دار خدمت گار نہیں بلکہ منصب دار ہے، حجام منصب دار نہیں بلکہ پیشہ ور ہوتا ہے۔

ذیل میں فارسی فرہنگوں کے بیانات نقل کیے جاتے ہیں :

مقدمۃ الادب زمخشری (۱: ۳۱۸)

حلاق : موی تراش، آئینہ دار، موی ستر، گرا۔

مزیّن : ایضاً

دلاک : ایضاً

جہانگیری: آئینہ دار و آئینہ دار سر تراش و حجام راگویند۔

رشیدی ۱: ۱۸۵، آئینہ دار و آئینہ دار یعنی سر تراش و حجام۔

ایران کے جدید لغات میں آئینہ دار سر تراش اور حجام کے لیے آتا ہے۔ مثلاً دیکھیے

فرہنگ معین ۱: ۱۱۴ و لغت نامۂ دہخدا ذیل آئینہ دار۔

اس گزارش سے صاف ظاہر ہے کہ غالب کے اعتراضات محض بے بنیاد ہیں۔

ارتنگ بروزن فرہنگ نگار خانۂ مانی نقاش ۲۔ نام بتخانۂ چین ۳۔ نام کتابی است کہ اشکالِ مانوی تمام دران نقش است و بعضی ایں لغت را بجاے حرف ثالث ثاے مثلثہ اوردہ اند۔ (برہان)

ارتنگ اور ارژنگ کے علاوہ برہان میں ارجنگ، ارسنگ، ارژنگ، ارغنگ بھی مندرج ہیں۔

غالب کے اعتراضات یہ ہیں:

(۱) نگار خانۂ مانی اور اشکال مانوی پر مشتمل کتاب کو دو نہیں سمجھا جا سکتا۔

(۲) ارتنگ، ارسنگ، ارثنگ، ارجنگ، ارغنگ میں صرف ارتنگ اور ارژنگ صحیح ہیں، لیکن ان کے وہ معنی نہیں جو برہان میں درج ہیں۔

(۳) ارتنگ کے معنی مطلق مرقع تصویر ہے، جب اس کو مانی کی طرف مضاف کرتے ہیں تو ارتنگ مانوی یا ارتنگ مانی لکھتے ہیں۔

(۴) ارژنگ تین شخصیتوں کے نام تھے: ا۔ وہ دیو جس کو رستم نے قتل کیا تھا۔ ب۔ وہ پہلوان جو طوس کے ہاتھ قتل ہوا۔ ج۔ مانی کی طرح کا ایک نقاش اس کی سند نظامی کی یہ بیت ہے:

بقصر دولتم مانی وارژنگ طراز سنگ می بستند بر سنگ

اس سلسلے میں فرہنگوں کی روشنی میں ایک گزارش پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ لغت فرس: ارژنگ، کتاب اشکال مانی بود و اندر لغت دری ہمیں یک ثاء دیدہ ام کہ آمدہ است۔

۲۔ فرہنگ قواس (ص ۱۱) ارسنگ، کتاب مانی است کہ نقشہا درو نبشتہ است، فرخی گفتہ:

ہزار یک کہ نہاں در سرشت او گہر است
نگار و نقش ہمانا نیست در ارسنگ

۳۔ صحاح الفرس (۱۹۲) ارثنگ چند معنی دارد، اول صورت ہائی است کہ مانی نقش کردہ است ۔ دوم بتخانہ ایست ، فرخی گفت:

هزار یک زان کاندر سرشت او هنراست
نگار و نقش همانا که نیست در ارثنگ

سوم نام کتاب اشکال مانی است واین اصح است۔

۴۔ بحر الفضائل : ارژنگ (نسخۂ دیگر ارتنگ) کتاب مانی نقاش کہ دران نقشہاے جملہ عالم نگاشتہ بود۔

۵۔ ادات الفضلا : ارسنگ نگارخانۂ مانی نقاش درصورتگری، ارژنگ وارتنگ نیز خوانند۔

۶۔ دستور الافاضل : ارتنگ نقاش ونقش چادری کہ مانی نقاش نقشہای ہمہ عالم درو نگاشتہ بود۔

۷۔ جہانگیری : ارتنگ ۱۔ نام نگارنامۂ مانی نقاش ، سیف اسفرنگ:

اگر مانی شود زنده چو بیند نقش توقیعش
بمیرد باز از شرم نگارستان ارتنگش

۲۔ گاہ بر مانی اطلاق می کنند، شرف شفروہ:

با کلک تو چون قلم زند ارتنگ
چه ساده نگارگر که ارتنگ است

۳۔ نام بت خانہ بحوالۂ ہندوشاہ۔

اس کی تین اور شکلیں درج کی ہیں: یعنی ارچنگ ، ارژنگ ، اور ارسنگ۔

ارژنگ کے چار معانی لکھے ہیں:

۱۔ ارتنگ یعنی نگارنامۂ مانی

۲۔ نام مصورے مانند مانی

۳۔ نام دیو

۴۔ نام پہلوان

۸. سروری (۱: ۶۱ - ۶۲) ارتنگ نگار خانۂ مانی بود کہ نقاش چین بوده ... و در رسالۂ وفائی ارژنگ بثای مثلثہ آمده وگفتہ بمعنی صورت ہاے مانی است و بت خانہ راہم نیز می گویند و دیگر کتابی است کہ در آن اشکال مانی بود، و این اصح معانی است و حکیم اسدی طوسی گفتہ کہ در لغت دری این کتاب را جز این یک نام بیش ندیده ام و باید دانست کہ در لغات فرس حرف ثا جز در ارژنگ و ثغ نیامده است و بدین سبب ثاء ارژنگ را بہ ژاے فارسی تبدیل کرده اند و شمس فخری گوید کہ ارژنگ نام دیو است، ارغنگ و ارژنگ نگارخانۂ مانی باشد، در نسخہ مرزا، مثالش شیخ سعدی فرماید:

گر التفات خداوندیش بیاراید
نگار خانۂ چینی و نقش ارژنگ است

اما ازیں بیت چناں ظاہر می شود کہ ارژنگ نام نقاشی است و شیخ نظامی نیز موید ایں معنی فرماید:

روان کرد کلک سیہ رنگ را
ببرد آب مانی و ارژنگ را

و بمعنی نگار خانۂ مطلق نیز آمده:

کہ چوں کرده اند ایں دو صورت نگار
دو ارژنگ را بر یکی ساں گمار

و ازیں بیت امیر خسرو چناں ظاہر می شود کہ ارژنگ نیز نام مانی بود:

کہ در چین دیدم از ارژنگ بدکلر کہ کردی دائرہ بی دور پرکار

و نام دیوے نیز باشد الخ

و دیگر نام پہلوانے باشد الخ

۹. موید الفضلا (۱: ۵۵) ارتنگ و ارژنگ نگار خانۂ مانی نقاش در صورتگری، وقیل ارژنگ نام پہلوانی، و ایضاً نام دیوے کذا فی شرفنامہ و فی الادات نگار خانہ و نام کتاب۔

مانی نقاش در صورتگری، و در دستور بمعنی اخیر مسطور است یعنی نقاش، و در زفان گویا گفتہ است "قیل چادری کہ در و ہمہ نقشہا بود۔"

۱۰۔ رشیدی (۱ : ۹۰) ارتنگ نگارخانۂ مانی وارچنگ وارژنگ نام نقاشی از چین نظیر مانی .... و تحقیق آنست کہ ارتنگ صفحہ و تختۂ کہ نقاشان چین صنعت خود را بران اظہار می کردند و کارنامۂ نقاشانِ چین را ارتنگ می خوانند۔ (۱ : ۹۴) ارژنگ نام نقاشی از چین نظیر مانی نقاش و تختہ و کتابی کہ صور و اشکال غریبہ دران نقش کردہ و دست آویز ہنر ساختہ، نقاشانِ روم تنگ و نقاشانِ چین ارتنگ نامند۔

تفصیلات بالا کی روشنی میں غالب کے اعتراضات ملاحظہ کیے جائیں تو یہ نتیجے نکلتے ہیں :

برہان میں مانی کی کتاب اور نگارخانۂ مانی میں فرق کیا گیا ہے، غالب کے نزدیک دونوں ایک ہیں۔ لیکن فارسی فرہنگوں میں دونوں کو الگ سمجھا گیا ہے، خصوصاً صحاح الفرس میں، دوم اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں دونوں میں دقیق فرق ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ارتنگ وغیرہ سے واضحاً کتاب مصوّری مقصود ہے، اور کچھ ایسے ہیں جو تصویر خانہ اور نگارخانہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلاً ان اشعار سے کتاب مانی مراد ہے:

کہ بت پرستی برمالوی ملامت نیست
اگر چو صورت او صورتی است در ارتنگ

(فرخی)

یکی ہمچو دیبارے چینی منقش
یکی ہمچو ارتنگ مانی مصوّر

(فرخی)

بنام قیصران سازم تصانیف
بہ از ارتنگِ چین و تنگلوشا

(خاقانی)

لغت نامۂ دہخدا میں بیان الادیان کا حسب ذیل قول نقل کیا گیا ہے:
"وکتابی کرد مانی بہ انواع تصاویر کہ آنرا ارژنگ مانی خوانند و در خزائن غزنین است (ص ۱۶۳۱، ۱۸۱۷)۔

حسب ذیل اشعار سے نگار خانہ قیاس کیا جاسکتا ہے:

باغ چو ارتنگ چین نماید خرم
وانگہ بدان خرمی خرامد فغفور

(سوزنی)

اگر مانی شود زندہ چو بیند نقش توقیعش
بمیرد باز از شرم نگارستان ارتنگش

(سیف اسفرنگ)

بُت خانے کے لیے یہ بیت ملاحظہ ہو:

بہ ہیبت ارزخیناج تاختن نگرد
شود ز زلزلہ ارتنگ مانوی ویران

(سوزنی)

اگرچہ غالب کا پہلا اعتراض رفع ہو جاتا ہے لیکن صحاح الفرس کے زمانے ہی سے ارتنگ کے معنی میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اور ہندوشاہ اصح اسی کو کہتا ہے کہ اس سے مراد کتاب تصاویر ہی ہے۔

غالب کا یہ خیال کہ صرف ارتنگ اور ارژنگ صحیح شکلیں ہیں، درست نہیں، وہ سب صورتیں جو برہان میں نقل ہیں، قدیم فرہنگوں میں موجود ہیں، غالب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ارتنگ عام مرقع کو کہتے ہیں، اگرچہ رشیدی سے اس کی ایک طرح سے تائید ہو جاتی ہے، لیکن تمام فرہنگوں کے بیانات اس کے خلاف ہیں، ارتنگِ مانی کتاب تصاویر کا نام تھا۔ اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غالب کا یہ اضافہ کہ ارژنگ تین اہم شخصیات کے نام ہیں، درست ہے۔

ارج۔ برہان میں اس کے چار معانی بیان ہوئے ہیں :

(۱) قدر و قیمت، حد و اندازہ

(۲) ایک چڑیا جو ترکی میں قو کہلاتی ہے۔

(۳) کرگدن

(۴) قیمت و بہا و ارزش

غالب کے نزدیک پہلے اور چوتھے معنی میں کوئی فرق نہیں، اور دوسرے اور تیسرے معنی مشکوک ہیں۔

جہانگیری میں اس کے حسبِ ذیل معنی ملتے ہیں :

ارج باوّل مفتوح بثانی زدہ وجیم موقوف، پانچ معنی میں مستعمل ہے:

(۱) قدر و قیمت

دریغا گر ندانی خویش را ارج (عطّار)

(۲) کندن

دو بازوی زاغ و رنج ارج کردم (سوزنی)

(۳) کرگدن

یک جہان بی لوا پر پیل و ارج (مولوی معنوی)

(۴) ایک پرندہ جس کو ترکی میں قو کہتے ہیں

(۵) قیمت

جہانگیری کے سارے مندرجات رشیدی میں ملتے ہیں، برہان کی تائید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے بیانات جہانگیری، رشیدی وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

اسا بروزن رسا، خمیازہ و دہان درہ باشد و آن بسببِ خمار یا کاہلی بہم رسد و بمعنی شبیہ و نظیر و مانند ہم آمدہ است (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ "آسا الف ممدودہ سے ایک لغت جامد غیر منصرف بمعنی مثل و مانند و باسک و دہان درہ جس کو عربی میں فازہ اور ہندی میں جمائی کہتے ہیں لیکن یہ الف مقصورہ سے بوزن رسا نہیں ہے، اگر کہیں کہ اسا مخفف آسا ہے تو یہ مسموع نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کہیں دوار مخفف دیوار اور دوانہ مخفف دیوانہ، ہاں اسا بمعنی مانند کی ایک توجیہ یہ ہے کہ ہندی میں اس بہ معنی ایسا ہے۔ یہ شخص بکواس میں اپنی نظیر نہیں رکھتا کہتا ہے کہ اسا 'دہان درہ' ہے جس کو 'خمیازہ' بھی کہتے ہیں، دہان درہ اور خمیازہ ایک کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ خمیازہ اردو میں انگڑائی کو کہتے ہیں اور آسا و دہان درہ فازہ ہے جو ہندی میں جمائی ہے، تب کی حالت میں فازہ اور خمیازہ دونوں ہوتا ہے لیکن وقت کی معیت اتحاد اسم کا موجب نہیں ہو سکتا۔"

گویا غالب کے نزدیک (۱) اسا آسا کا مخفف نہیں ہو سکتا، جیسا دوار دیوار کا اور دوانہ دیوانہ کا نہیں ہو سکتا۔ (۲) آسا خمیازہ کا مترادف نہیں، خمیازہ انگڑائی اور آسا جمائی ہے۔

غالب کے دونوں قیاسات صحت سے دور ہیں۔ اسا آسا کا مخفف ہے۔

موید الفضلا (۱ : ۶) میں ہے :

"آسا : نیز آنکہ دہن از ہم باز شود از کاہلی یا از غلبۂ خواب۔ و آن را فاژہ نیز گویند کذا فی شرفنامہ، و فی ادات الفضلا بعضی فرق کردہ اند بمدٔ آسایش و مانند آن مراد باشد و بغیر مد فاژہ۔"

کشف اللغات (۱ : ۹) :

اسا بقصر فاژہ یعنی آنکہ دہن از ہم باز شود از کاہلی و یا از غلبۂ خواب ؛ (کشف میں اس معنی کو قصر کے ساتھ حصر کیا ہے، حالانکہ آسا کے بھی یہی معنی ہیں۔) فرہنگِ نظام میں جہانگیری کے حوالے سے آیا ہے،

(۱ : ۲۳۸) آسا مخفف آسا (۱) دہان درہ (۲) مانند و شبیہ،
ابوالفرج :

عزم خوش بہ جنبش و بہ سکون
آسمان و زمین آسا باشد

دیوار کا مخفف دوار بولتے ہیں، اور دیوانہ کا مخفف اردو میں دوانہ ہے، مثلاً

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

غالب کے دوسرے اعتراض کے سلسلے میں عرض ہے کہ فارسی میں فاژ، فاژہ، دہان درہ، خمیازہ، خامیازہ، آسا سب مترادف ہیں۔ جہانگیری میں ہے :

آسا : دہان درہ باشد و آن را فاژ و فاژہ نیز خوانند بعربی ثوبا۔

سروری (۱ : ۴۷۶) خامیازہ آسا باشد کہ خمیازہ و فاژہ نیز گویند۔

اداۃ الفضلا (۳ : ۹۹۶) فاژہ ہماں فاژ مرقوم کہ خمیازہ باشد، آسا مانند و فاژہ، عرب ثوبا و اہل ہند جمائی۔

فرہنگِ معین میں فاژہ، خمیازہ، دہان درہ، آسا مترادف ہیں۔
(دیکھئے ۱ : ۱۴۴۵، ۲ : ۲۴۷۰)

اس تفصیل سے واضح ہے کہ غالب کا نقطۂ نظر قابل قبول نہیں، ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ غالب نے سہواً فاژہ کو عربی بتایا ہے، اس میں ژ فارسی ہے اور یہ خالصۃً فارسی زبان کا لفظ ہے۔

اشگرف بفتح ہمزہ و کاف فارسی، نیکو و خوش آیند، و بکسر ہمزہ بمعنی سطبر و گندہ و قوی، و بمعنی شان و شوکت (برہان)

غالب کو اعتراض ہے کہ برہان نے اشگرف پر فتحہ غلط بتایا ہے، یہ کسرہ سے ہے اور اس کے معنی سطبر، گندہ اور قوی کے نہیں ہیں۔ دراصل لفظ شگرف بشین مکسور اور

اشگرف ہمزۂ مکسور سے بمعنی نادر و عجیب ہیں۔ لغت اصلی شگرف (شین مکسور) ہے اور اس پر الف وصل کا اضافہ ہوا ہے۔

اکثر مصنفین نے اشگرف کو فتحہ سے لکھا ہے۔ مثلاً رشیدی (۱ : ۱۲۷) میں ہے: اشگرف و شگرف بالفتح : بزرگ و عظیم۔؛ شگرف کی حرکت نہیں لکھی، نیز (۲ : ۹۴۶) شگرف ہمان اشگرف یعنی بزرگ و عجیب (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشگرف کے ذیل میں عظیم عجیب کی تصحیف ہے)

لغت نامۂ دہخدا میں اشگرف کو فتحہ اور کسرہ دونوں سے صحیح سمجھا ہے، جبکہ فرہنگ معین میں فتحہ سے ہے (ج ۱، ص ۲۸۷) لغت نامہ میں شگرف شین کے زبر اور زیر دونوں طرح پر درج ہے، جب کہ معین کے یہاں صرف زیر سے ہے۔ ظاہر ہے کہ زبر و زیر کے اس اختلاف میں صاحب برہان کو مطعون کرنا درست نہیں۔

ایک بات غالب نے یہ بھی لکھی ہے کہ انھوں نے شگرف کو اصل اور اشگرف میں ہمزۂ وصل کو اضافی سمجھا ہے، لیکن یہ قیاس غلط ہے اس لیے کہ پہلوی میں اشگرف ہے جیسا کہ فرہنگ نظام میں موجود ہے۔ فارسی کے بعض الفاظ جو الف کے ساتھ اور بغیر الف دونوں طرح لکھے جاتے ہیں، وہ اصل میں الف سے تھے، جو بعد میں حذف ہو گیا جیسے انوشیرواں، اشتر وغیرہ۔ ایران کی قدیم زبانوں سے واقفیت کے بغیر اس سلسلے میں کوئی قطعی بات لکھنا خطرے سے خالی نہیں، اور غالب کا ایران قدیم کا علم تو ان کے آموزگار ہرمزد ثم عبدالصمد کی دین تھا، جو خود اتنے نابلد تھے کہ پہلوی اور دساتیری زبان میں فرق نہیں کر سکتے تھے، اور معاصر ایران سے ان بزرگ کی اتنی واقفیت تھی کہ وہ چادر میں ہندوستانی تلفظ کی طرح دال پر زبر سمجھتے تھے، حالاں کہ ایران میں دال بالعموم مضموم تلفظ ہوتا ہے۔

اشگرف کے جتنے معنی برہان میں لکھے ہیں سب کی تائید سروری اور بعض دوسرے لغات سے ہو جاتی ہے:

سروری (۱ : ۵۳) اشگرف (بغیر ذکر تلفظ) "بمعنی نیکو و خوش آیندہ و بزرگ،

مثالش : مولوی :

قصۂ آن آبگیر است ای عنود
کہ دران سہ ماہیِ اشگرف بود
وبمعنی قوی وسطبر وبمعنی حشمت نیز آمدہ ۔"

افزاد کے معنی برہان میں کفش لکھے ہیں ، غالب کا اعتراض ہے کہ تنہا افزار سے افادۂ معنی نہیں ہوتا ، پا افزار کہنا چاہیئے۔ افزار کو عرف ہند میں اوزار کہتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر بات یہی ہے کہ افزار کا تنہا استعمال جوتے یا پاپوش کے معنی میں نہیں ملتا ، اور رشیدی کے یہاں واضحاً وہی بات لکھی ہے ، جو غالب نے کہی ہے ۔ لیکن اس سلسلے میں دو امر قابلِ توجہ ہیں :

اوّل سروری کی یہ عبارت قابلِ توجہ ہے : افزار : معروف وآنچہ در دیگ کنند از زیرہ وفلفل وکشنیز وامثال اینہا ... و دیگ افزار نیز گویند ، وہر آنچہ در پا کنند از کفش وغیرہ ، چنانچہ امیر خسرو گوید :

ہمہ کلاہِ سری می دہد بہ تاجوران
کہ از کلاہِ سلاطین بپایش افزار است

اس بیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ افزار کے معنی جوتا ہے ، لیکن جملے میں اس کا استعمال اس طرح پر ہوگا کہ اس کے پاؤں میں افزار ہے ۔ یہ بات اس طرح پر ہے کہ کہا جائے اس کے سر پر ٹوپی ہے تو ٹوپی کے معنی کا تعین سر کی قید سے آزاد ہے۔

دوم یہ کہ اوزار عام معنی ہے ، لیکن تین چیزوں کے لیے یہ لغت مخصوص ہے ، اولاً کفش و پاپوش کے لیے ، دوسرے بادبان کشتی کے لیے اور تیسرے دیگ میں ڈالی جانے والی اشیا کے لیے۔ اس سے واضح ہے کہ افزار کے چار معنی ہوئے :

(۱) اوزار (۲) کفش و پاپوش (۳) دیگ میں ڈالی جانے والی چیزیں از قسم مسالہ (۴) بادبان کشتی۔ اور واضحاً جیسا کہ سروری کی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ دوسرے اور

تیسرے معنی کے ساتھ پا کے اضافے کی شرط نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تنہا افزار کا استعمال شاذ ہے، عام طور پر اس پر اسم لگا دیتے ہیں، جہانگیری کا بیان بالکل واضح ہے، اس میں آیا ہے:

افزار چہار معنی دارد: (۱) آلاتِ پیشہ وراں (۲) کفش باشد وآنرا پا افزار نیز گویند۔ امیر خسرو گفتہ: ہمو کلاہ سری می دہد الخ (۳) بادبان (۴) مسالے۔

بنابریں برہان میں افزار کے معنی پاپوش بالکل صحیح لکھے ہیں:

فرہنگ نظام: (۱: ۳۶۱۔ ۳۶۲) میں یہی چار معنی لکھے ہیں، دوسرے معنی اس طرح لکھے ہیں: افزار کفش کہ نام دیگرش پا افزار است۔

غالب کے قول کا حصر کہ عرف ہند میں افزار کو اوزار کہتے ہیں، صحیح نہیں۔ ایران میں بھی اوزار متداول ہے، جیسا کہ سروری وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

افشار

افشار بمعنی افشردن باشد یعنی آب از چیزی بزور دست گرفتن وریزندہ وریختن پی در پی۔

۲۔ خلانیدن سے یعنی بخلان و بیفشار و بریز

۳۔ ممد و معاون، رفیق مانند دزد افشار

۴۔ نام طائفہ از ترکان (برہان)

غالب نے اس کے تین معنی لکھے ہیں: (۱) نچوڑنا (۲) بھینچنا (۳) گاڑنا۔

پھر اعتراض کیا ہے کہ برہان میں آخری دو معنی سے صرف نظر ہوا ہے، اور دو معنی عجیب وغریب لے آیا یعنی ریختن و خلانیدن، لیکن ایسا نہیں ہے۔ خلانیدن کے معنی گاڑنا، جمانا، استوار کرنا ہیں، جیسا کہ سنائیؒ کے اس شعر میں ہے:

در طریقِ رسول دست آویز
بر بساطِ خدای پای افشار

اس میں افشار "جمادے" کے معنی میں ہے، البتہ بھینچنا برہان میں نہیں ہے۔

برہان کے بیان کی تائید سروری کے مندرجات سے ہو جاتی ہے؛

سروری: (۱: ۱۴۱) : افشار: پیاپی ریزندہ و افشارندہ۔ خلاق المعانی:

ع برق آتش بار و ابر آب افشار

و بمعنی خلانندہ نیز آمدہ؛ سوزنی:

ع منم کلوک خر افشار و گنگ خشک سپوز

و نیز امر باشد از ریختن و فشردن و خلانیدن۔ مثال امر بفشردن:

بر بساط خدای پای افشار و بمعنی ہرزہ و فحش گویندہ و امر باین معنی۔

غالب نے صحیح اعتراض کیا ہے کہ امر پر بغیر اسم لائے اسم فاعل نہیں ہو سکتا۔ سروری نے بھی برہان کی طرح افشار کو اسم فاعل بتایا ہے لیکن جو مثالیں نقل کی ہیں وہ واقعی اسم فاعل کی ہیں یعنی آب افشار، خر افشار۔ بہر حال غالب کا یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ ریختن اور خلانیدن کے معنی کا کوئی ماخذ نہیں۔

دزد افشار پر غالب نے اعتراض کیا ہے۔ یہ فقرہ بھی برہان میں جہانگیری سے نقل ہوا ہے، رشیدی کا قول ہے کہ اور کسی جگہ یہ فقرہ نظر سے نہیں گزرا۔ فرہنگ معین میں دزد افشار ہے، (اضافت مقلوب) یعنی شریک دزد۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے، مگر واضح کتابت کی یہ غلطی جو جہانگیری میں کسی وجہ سے باقی رہ گئی، برہان، رشیدی وغیرہ میں نقل ہوتی رہی، گو رشیدی میں اس پر شاذ ہونے کا اور قاطع میں غلط ہونے کا فیصلہ صادر ہوا۔

الفاختن، الفختن، الفخت، الفختہ، الفغدن، الفغدہ

کے سلسلہ میں غالب فرماتے ہیں:

"ایک لفظ سے چھ لفظ بنائے اور چھوں غلط، از انجملہ الفاختن و الفغدن و الفغدہ ان تینوں کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ الفختن مصدر، الفخت ماضی، الفختہ مفعول، یہ تینوں لغت موجود ہیں اور اندوختن، اندوخت اور اندوختہ کے بالترتیب مترادف معنی ہیں اما فائے مضموم کے ساتھ۔"

غالب کا نقطۂ نظر صحیح نہیں، جہانگیری، رشیدی اور سروری میں ساری صورتیں بلکہ کچھ اور زائد شکلیں پائی جاتی ہیں۔ رشیدی (۱: ۱۴۹) میں ہے:
الفاختن، الفختن، الفخدن، الفنجیدن، الفغدن، ہر پنج لغت بالفتح بمعنی اندوختن، وبرین قیاس الفخته و الفخده و الفنجیده یعنی اندوخته، والفخت وبیلفخت و بلفخت یعنی بیندوخت و الفنج بفتح الف وفا وسکون نون، اندوخت چیزی و اندوزنده وامرباندوختن۔ ابوشکور گوید:

زالفنج دانش دلش گنج بود
جہان دیده و دانش الفنج بود

سنائی گوید:

باقناعت کش ار کشی غم ورنج ورنه بگذر ز عقل وعشق الفنج

ابوشکور گوید: ع

زالفنجیدن علم است ناچار

ناصر خسرو گوید: ع

تو بی تمیز بر الفخدن ثواب مرا

خسرو گوید: ع

زالفختۂ خویش بیند زیان

سروری (۱: ۸۵) الفاختن و الفختن، اوّل بوزن در ساختن و دوم بوزن بر جستن ہر دو بمعنی کسب کردن، مثالش ابوشکور گوید:

اگر قارون شوی ز الفختن مال شوی در زیر پای خاک پامال

نیز ج ۱، ص ۴۷، پر الفنجیدن اور الفقدن کے ذیل میں لکھا ہے:
" ہر دو بفتح ہمزہ بمعنی کسب کردن باشد مثال معنی اوّل، ابوشکور گوید:

درستی عمل گر خواہی اے یار
زالفنجیدن علمست ناچار

مثال دوم، ناصر خسرو گوید :

توبی تمیز بر الفقدن ثواب مرا

اگر بدانی مزدور رائگان شدۂ ای

واضح ہے کہ سروری کے یہاں ناصر خسرو کی بیت الفخدن کے معنی کے لیے آئی ہے۔ صحاح الفرس (ص ۲۳۱ ، ۲۶۲) میں الفغدن ، الفغدہ اور الفنج آئے ہیں۔ الفغدہ کے ذیل میں یہ مثال آئی ہے :

بیلفغدہ باید کنوں چارہ نیست

بیلفنجم و چارۂ من یکی است (ابوشکور)

زفان گویا میں مصادر کے ذیل میں الفاختن ، الفختن کے معنی گرد کردن ہے۔ پھر اندوختن کا مترادف الفختن دیا گیا ہے۔ الفنجیدن بمعنی حاصل کردن و جمع آوردن اور الفغدن بمعنی کسب کردن آئے ہیں۔ جہانگیری (۱۵۸۳) میں الفخدن کے بجائے الفیدن ہے۔

اس طرح اب اس سلسلے کے حسب ذیل مصادر قرار پائے :

الفاختن ، الفختن ، الفخدن ، الفغدن ، الفنجیدن ، الفیدن ، اگرچہ بعض فرہنگوں میں الفقدن بھی ہے ، لیکن جیسا کہ فرہنگ نظام نے لکھا ہے ، "ق" عربی میں نہیں ، اس بنا پر اس کو الفغدن سمجھنا چاہیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ الفخدن کی تصحیف ہو ، سروری نے الفقدن کے لیے ناصر خسرو کی بیت بطور شاہد نقل کی ہے ، یہی دوسری فرہنگوں میں الفختن کے لیے آئی ہے۔ البتہ فرہنگ نظام میں الفغدن ہے۔ نیز سارے شواہد اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ "فا" مفتوح ہے ، اس لیے غالب اس کو مضموم لکھنے میں حق بجانب نہیں۔ اس گزارش سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ غالب کا علم فرہنگ نگاری کس درجہ ناقص تھا۔ اور ستم یہ ہے کہ وہ اس عیب کو صاحب برہان کے سر تھوپتے ہیں۔

انبوذن بذال نقطہ دار ، اصلِ کائنات و آفرینش (برہان)

غالب انبوذن کے وجود کے قائل نہیں۔ وہ انبودن مصدر لکھتے ہیں۔ اور اس کے معنی چیدن قرار دیتے ہیں۔ پھر شرف نامہ سے دو مصدر لکھتے ہیں: ایک انبودن بمعنی چیدن اور دوسرا انبوذن بمعنی اصل فرینش' (غالب نے شرف نامے کے نسخے میں اصل و آفرینش دیکھا اور اس کی توضیح کی کہ صاحب شرف نامہ مع واو لکھتا ہے، دراصل یہ مصنف کی غلطی نہیں کاتب کی غلطی ہے۔ دوسرے نسخے میں ایسا نہیں۔) پھر اضافہ فرماتے ہیں کہ انبوذن عربی الاصل ہوگا۔ عربی لغات میں اس کی تلاش کرنی چاہیے، ہم تو فارسی کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

دراصل یہاں بھی غالب اسی غلط فہمی کے شکار ہیں کہ ذال فارسی میں نہیں، اسی بنا پر انبوذن کی تلاش کی دعوت عربی لغات میں دیتے ہیں، ورنہ بات صاف تو یہ تھی کہ قدیم میں انبودن میں ذال معجمہ ہی تھا، اس لیے کہ اس لفظ میں دال کا ماقبل واو مصوتہ ہے، بعد میں جیسا کہ تمام ذال معجمہ، دال مہملہ (بجز چند کے) میں تبدیل ہوگئے۔ یہی انبوذن کی صورت ہونی چاہیے، لیکن بعض اوقات لغت میں ابھی یہ مصدر اصلی شکل میں موجود ہے۔ مثلاً جہانگیری (۱۷۴۷) اور سروری (۱: ۳۷) میں ہے:

انبوذن (بنون و ذال معجمہ بوزن نمودن) اصل آفرینش باشد، مثالش شاعر گوید:

بودنت در خاک باشد عاقبت
ہمچنان کز خاک بود انبوذنت

صحاح الفرس (مطبوعہ ۲۳۱) میں انبودن ہے۔ اس کے معنی آفرینش درج ہے اور رودکی کی مندرجہ بالا بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ صحاح کے دور میں انبودن کے بجائے انبوذن مروج تھا، اور یہی حال بیت شاہد کا ہے کہ اس میں انبوذن (ذال معجمہ) سے ہوگا۔ اس لیے کہ رودکی کے دور میں ذال معجم رائج تھا، سروری کی طرح شرف نامے میں پرانے املا کی پیروی ملتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں اس لفظ کا املا ذال ہی سے ہو۔ البتہ رشیدی نے انبودن لکھا ہے اور رودکی ہی کی بیت سے انبودن (دال مہملہ) کی مثال دی ہے جب کہ رودکی کے یہاں یہ لفظ ذال سے تھا۔ یہ بات تسلیم کی جاسکتی تھی کہ جس طرح چند الفاظ میں ذال معجمہ

اب بھی باقی ہے۔ مثلاً اسپندارمذ، آذر (آگ)، آذرماہ، کاغذ، استاذ، وغیرہ، اسی طرح انبوذن میں بھی قدیم املا باقی رہ گیا ہے۔ لیکن واقعہ ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ ڈاکٹر معین نے اپنی فرہنگ (۱: ۳۶۱ - ۳۶۳) میں انبودن کے دو اندارج دئے ہیں: اوّل انبودن بمعنی چیدن، اور دوسرے انبودن بمعنی آفریدن۔

فرہنگ نگاروں نے انبوذن۔ انبودن کے معنی آفرینش یعنی اسم مصدر درج کیے ہیں۔ دراصل اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ انبودن مصدر نہیں ہے۔

بہرحال میرے خیال میں انبوذن کا املا دال مہملہ سے بہتر ہوگا، اور اس کے معنی میں آفرینش کے ساتھ آفریدن کا اضافہ ہوجاتا تو غلط فہمی کا ازالہ ہوجاتا۔

مدارالافاضل میں انبودن اور انبوئیدن کے معنی بوئیدن لکھے ہیں۔ اور انبود کے ذیل میں انوری کا یہ شعر پیش کیا ہے:

باغبانی بنفشہ می انبود
گفت کای کوژ پشت جامہ کبود

اس میں می انبود بمعنی "می چید" ہے نہ کہ "می بوئید"۔ غالب کے یہاں اس مصرعے کے یہی معنی بتائے گئے ہیں۔ مگر صاحب مدار سے یہ غلط فہمی ہوگئی، دراصل انبودن سے طریق تعدیہ انبائیدن ہونا چاہیے نہ انبوئیدن۔ انبوئیدن الگ مصدر ہے جس کے معنی بوئیدن کے ہیں۔ اور فرہنگوں میں یہی معنی ملتے ہیں۔

"انکسبہ بفتح اوّل و ثالث و سکون ثانی و سین بی نقطہ و بفتح ہای ابجد بمعنی بزرگر سامان خداوند و جاہ مند" پھر آگے انگشتہ کے یہی معنی لکھتے ہیں۔ اس پر غالب کا اعتراض یہ ہے:

"چوں میدان تصحیف خوانی فراخ است کاش از بوم دکن دگری برخیزد و گوید کہ صحیح ایکسیہ است، بالف مکسور و یای مجہول و کاف عربی مضموم بردن بی خصیہ۔"

دراصل مطالعہ کی کمی آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اگر مرزا غالب کوئی فارسی لغت اٹھا کر دیکھ لیتے تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا۔ تصحیفات کی کثرت کی ذمہ داری صاحب برہان پر کیوں کر ہو سکتی ہے جب کہ قدیم فرہنگوں میں یہی صورت موجود ہے، اور اصل اور محرف شکل میں شناخت کا کوئی موثر ذریعہ موجود نہیں تو سوائے دونوں صورتوں کے درج کرنے کے اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ ذیل میں سروری اور رشیدی کے اقوال درج کیے جاتے ہیں، ان سے اندازہ ہوگا کہ صرف برہان پر تصحیفات کی ذمہ داری نہیں۔

سروری (۱: ۱۰۲) انکشبہ (بفتح ہمزہ و کاف و با و سکون نون و شین) برزگری بود کہ او را سرمایۂ نیک بود و رہیان و کارکنان بسی بودش و بہ سین مہملہ نیز آمدہ و بای فارسی نیز آمدہ مثالش استاد رودکی گوید:

در راہ نشاپور دہی دیدم بسی خوب
انکشبۂ او را نہ عدد بود نہ مرہ

و در فرہنگ بتاء قرشت آمدہ بوزن سرگشتہ۔

رشیدی (۱: ۱۶۳) انگشتہ بضم کاف فارسی، آلتی کہ مزارعان خرمن بآن بباد دہند، و بکسر گاف، مزارعی کہ خدمت گار و کارکن بسیار داشتہ باشد۔ معنی دوم کی مثال: در زاہ نشاپور الخ۔ اس میں انکشبہ کے بجائے انگشتہ ہے۔

رشیدی میں اضافہ کیا گیا ہے: وانگشبہ بفتح گاف و بجائے تا بائموحدہ، و بسین مہملہ و بای فارسی نیز خواندہ اند واللہ اعلم۔

زفان گویا میں ہے: انکشتہ برزگری پرمایہ و صاحب خدمت گاران و بعضی انگشتہ با تا گفتہ اند کہ با سرمایۂ نیک بود و رہیان و کارکنان بسی دارد۔ لیکن ادات میں انگشتہ بمعنی "مزارع کہ خدمت گاران زیاد دارد" درج ہے۔ جہانگیری (۱۷۶۰) میں انگشتہ ہے۔ اس میں مزید اضافہ ہے کہ بعض فرہنگوں میں بجائے 'تا' با ہے۔

موید الفضلا (ج ۱ ص ۱۰۲) میں انگشتہ کے ذیل میں ہے کہ شرف نامہ اور ادات

میں شین کے بعد 'بے' ہے اور لسان الشعرا میں 'تے'۔ اس طرح اس لغت کے مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہیں: انکسیہ، انگشتہ، انکشبہ، انکسبہ، انکسپہ، انگشیہ، انگشپہ انکشتہ اور ان میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اصل کون ہے اور محرف کون؟

آویژہ بازای فارسی، خلاصہ و خاصہ و پاک و پاکیزہ را گویند و شراب انگوری را نیز گفتہ اند و بایں معنی بازای ہوز ہم ہست۔ (برہان)

قاطع برہان: "اویژہ بازای ہوز نیست، نہ اسم شراب نہ صفت شراب، دیگر آویژہ گفتن و پاک و پاکیزہ مراد دانستن بداں ماند کہ بول گویند و گلاب خواہند۔" آگے لکھتے ہیں کہ ویژہ قدیم فارسی لفظ ہے جس کے معنی پاک و پاکیزہ، اور جو خصوصاً 'علی الخصوص' کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح پارسیوں میں الف وصل کے علاوہ ایک اور الف نفی ہوتا ہے، جیسے جنبان بمعنی متحرک اجنبان بمعنی ساکن (اجفت معنی طاق) خواستی ارادہ، اخواستی غیر ارادی، و یہ الف ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ پس ویژہ بمعنی پاک ہے تو اویژہ ناپاک ہوا۔ بیچارہ (صاحب برہان) الف وصل سمجھ کر غلطی کر گیا اور اویژہ کو اشتر و شتر کو ویژہ فرض کر لیا، اور اس رقص الجمل (اونٹ کا ناچ) سے اپنے پیروؤں کو گمراہ کر دیا۔ لغت اگر محض جاننے کے لیے ہے تو میں پوچھنا چاہوں گا کہ کیا غلط جاننا مذموم نہیں ہے، اگر اس لیے ہے کہ نظم و نثر میں استعمال کرنے کے لیے ہے تو پاک کے بجائے ناپاک کیونکر لکھ سکتے ہیں، اور نجس سے طاہر اور اویژہ سے ویژہ کیوں کر فرض کر سکتے ہیں؟ دوست تسلیم کریں، اگر تعصب اختیار کریں تو بلا شبہ کہتا ہوں کہ صاحب برہان قاطع کے قول کو قبول کرنا گوسالہ پرستی ہے۔ اور میرا انکار ہارون کا گوسالہ پرستی سے انکار کے مترادف ہے، اور میری قوم کا مجھ سے آزردہ ہو جانا ایسا ہی معاملہ ہے جیسا بنی اسرائیل کا ہارون سے ہوا تھا۔"

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ایران قدیم کی بعض زبانوں میں سنسکرت کی طرح (الف) نفی کا کام کرتا تھا، لیکن فارسی (جدید) کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اس کا امکان

ہے کہ فارسی میں ایسا کوئی لفظ مل جائے جس میں الف نفی موجود ہو، لیکن بطور ایک اصول کے اس کا استعمال یا اس کا قیاس گمراہ کن ہے اور اس طرح کا قیاس کرنے والا دنیائے زبان کا "سامری" ہے۔ غالب نے الف نفی کے جن لفظوں کی مثال دی ہے: اخواستی، اجنبان، اجفنت۔ ان کا فارسی سے کوئی تعلق نہیں، یہ دساتیری الفاظ ہیں اور دساتیر جعلی کتاب ہے جو لوگوں کو اسی طرح فریب دینے کے لیے لکھی گئی تھی جیسے سامری نے گوسالہ بنا کر بنی اسرائیل کو دھوکا دیا تھا۔ غالب سحر سامری کے فریب میں آکر حق پرستوں کو گمراہ اور بے بہرہ قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک تو عام بات تھی۔ اب اویژہ اور ویژہ کے سلسلے میں چند سطریں ملاحظہ ہوں:

اویژہ جو آویژہ کی شکل میں بھی پایا جاتا ہے، پہلوی کلمہ اپیژک سے مشتق ہے۔ پہلوی لفظ کا آخری کاف، فارسی میں اکثر ہائے ملفوظ میں تبدیل ہو جاتا جیسے بندک سے بندہ، نامک سے نامہ، وغیرہ۔ پھر پ واو میں تبدیل ہو کر اویژہ ہوا، اس کی دوسری صورت آویزہ کی بھی ہے جس کے معنی خالص، خاص، ویژہ اور معشوق و دلبر کے ہیں، (فرہنگ معین، ج ۱ ص ۱۰۳، لغت نامۂ دہخدا ج ۱ ص ۲۱۳)۔

جہانگیری (ص ۱۹۲۸) میں ہے: اویژہ بااول مفتوح دو معنی دارد: (۱) خاصہ وخالص، (۲) شراب انگوری۔

زرتشت بہرام گوید:

جہاندار آفرینندہ بہ افزای
نکوئی بخش اویژہ داد فرمای

(جہانگیری حاشیہ)

اویژہ بزای فارسی، بوزن ستیزہ یعنی خالص وخاصہ وبحذف ہمزہ نیز آمدہ۔"

جہانگیری (۲۳۶۲) میں ہے۔ ویژ و ویژہ بر سہ معنی اطلاق می یابد:

(۱) خصوص بود (۲) خاصہ (۳) خالص وایں سہ معنی نزدیک بہم است۔

دراصل پہلے معنی ویژہ کے بجائے بویژہ کے ہیں۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ غالب نے اویژہ و ویژہ کے سلسلے میں جو بحث کی ہے وہ تمامتر ان کے فرہنگ نویسی کے فن سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

باختر باتای قرشت، مغرب را گویند و بمعنی مشرق ہم آمدہ است۔ (برہان)
غالب لکھتے ہیں: خاور بمعنی مشرق ہے اور باختر بمعنی مغرب، قول دکنی مردود، جامع لطایف غیبی دریں بارہ سخنہای محققانہ آوردہ است ہر کہ خواہد آن را بنگرد، تا انصاف ورزد نہ تعصب۔"
ایسا گمان ہوتا ہے کہ غالب اور ان کے مویدین نے کوئی فارسی لغت نہیں دیکھی اور اگر دیکھی تو حقیقت سے گریز کرتے رہے۔ جب لغات سے استفادہ کا یہ حال ہے تو متون سے الفاظ کے معنی و قرأت کی تحقیق عبث ہے۔
خاور اور باختر کے بارے میں تمام لغات میں یہی درج ہے۔ ہر ایک میں "مشرق و مغرب" دونوں معنوں میں مستعمل ہے، اور اشعار سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے۔
زفان گویا: باختر مغرب و بعض برعکس مشرق را گویند۔
خاور مشرق و برعکس مغرب را نیز گویند، واصح اول است، در باختر ہمیں بحث است۔
البتہ صحاح الفرس، تالیف ۷۲۰ھ میں باختر بمعنی مشرق اور خاور بمعنی مغرب آیا ہے، اور دونوں کے شعری شاہد درج کیے ہیں۔ (ص ۹۹) باختر مشرق است عنصری گفت:

چو روزی کہ بودش بخاور گریغ
ہم از باختر بر زند باز تیغ

ہم او گفت:

چو برزد درخشندہ از باختر
دواجِ سیہ را سفید آستر

دلامعی گفت:

خورشید را چوں پست شد در جانبِ خاور علم ‌‌ ‌ پیدا شد اندر باختر بر آستینِ شب ظلم

(ص ۱۰۳)، خاور گویند مغرب است، رودکی گفت:

مهر دیدم بامدادان چو بتافت
از خراسان سوی خاور می شتافت

شرف نامہ: باختر با خای موقوف مغرب و نیز بمعنی مشرق آمد۔
لیکن سروری نے ذرا تحقیق سے کام لیا ہے، اس میں (ص ۱۳۸) باختر کے ذیل میں آیا ہے: "باختر مشرق باشد، مثالش حکیم لامعی گوید:

خورشید را چون پست شد در جانب خاور علم الخ

لفظ خاور و باختر را متاخرین برعکس تصور کردہ اند۔ خاور را مشرق می دانند و باختر را مغرب حال آنکہ متقدمین باختر مشرق را می دانند و خاور مغرب را، کذا فی تحفہ۔ اما آنچہ بصحت پیوستہ آنست کہ باختر بمعنی مشرق و مغرب ہر دو آمدہ و ہم چنین خاور بہر دو معنی آمدہ، از آنجملہ حکیم خاقانی خاور را بمعنی مشرق فرمودہ دریں بیت:

ماہ چون در جیب مغرب برد سر
آفتاب از جانب خاور بزاد

و حکیم فردوسی باختر را بمعنی مشرق و خاور را بمعنی مغرب دریں بیت فرمودہ:

چو مہر آورد سوی خاور دریغ الخ

و امیر معزی نیز فرماید موید ایں:

تا زمیں از نور گیرد روشنی از باختر ہمچو اندر شب فلک تاریکی از خاور گرفت

و شیخ نظامی فرماید:

سپیدہ چو بر زد سر از باختر سیاہی خاور فرو برد سر

یہی پوری بحث خاور کے ذیل میں اسی فرہنگ کے ج ۱ ص ۴۳۳ پر کچھ اور مثالوں کے ساتھ ملے گی۔ مثلاً حکیم اسدی اور استاد رودکی کی ابیات میں خاور بمعنی مغرب استعمال ہوا ہے:

بہ شادی و جام دمادم رسید ببودند تا خور بخاور رسید

ز خراسان بروز طاؤس وش سوی خاور می خرامد شاد و کش

لغت نامۂ دہخدا جزب، ص ۱۸۵ - ۱۸۶ میں باختر بمعنی مشرق کے لیے چند اور مثالیں قابلِ ملاحظہ ہیں:

چو از باختر بر زند تیغ ہور زکانِ شبہ سر بر آرد بلور

—— فردوسی

تا بتابد نیمروزان از تف خورشید سنگ تا بر آید بامدادان آفتاب از باختر

—— فرخی

ہمہ شب منتظر می بود تا صبح صادق از افقِ باختر شارق گردد

—— سندبادنامہ

خاور بمعنی مغرب کی چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں:

ہمی بگدازم ایں جا قرص خورشید نہم روی از ضرورت سوی خاور

—— مسعود سعد سلیمان

چو بخت نانِ زرین اندر تنور مشرق افتاد قرصِ سیمیں اندر دہانِ خاور

—— خاقانی

دری را از آن مہر خواندہ است مشرق دری را ازان ماہ خواندہ است خاور

—— فرخی

خاور بمعنی مشرق عام ہے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

زخاور چو خورشید بنمود تاج گل زرد شد بر زمین رنگ ساج

—— فردوسی

کہ ہر بامدادی چو زریں سپر زخاور بر آرد فروزندہ سر

—— فردوسی

بادت جلال و مرتبہ چندانکہ آسمان ہر صبح دم بر آورد از خاور آینہ

—— خاقانی

چون نیست حال ایشاں یکساں ویک نہاد   گاہی بسوی مغرب گاہی بخاورند

باختر بمعنی مغرب کی مثالیں اس طرح پر ہیں :

——ناصر خسرو

ہمی بود تا تیرہ تر گشت روز   سوی باختر گشت گیتی فروز

——فردوسی

زاغِ شب از باختر نہاں شد چو دید   کا مد بازِ سپیدِ صبح ز خاور

——مسعود سعد

چو خورشید در باختر گشت زرد   شب تیرہ گفتش کہ از راہ گرد

——فردوسی

لیکن باختر کی اصل پر نظر ڈالنے سے دوسری طرح کے انکشافات ہوتے ہیں باختر پہلوی میں اپاختر اور اوستا میں اپاخترہ تھا، اس کے معنی شمال کے ہیں۔ اس کو دوزخ اور دیو و اہرمن کا ٹھکانا بتایا گیا ہے۔ یہ خردہ اوستا کی روایت ہے، یشتہا میں باختر کو آسیب اور نحوست کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ تاریخ سیستان (ص ۲۳ - ۲۴) میں آیا ہے:
"ایں جملہ را بچہار قسمت کردہ اند، خراسان و ایران (خاوران) ونیمروز و باختر، و ہر چہ حد شمال است باختر گویند، و ہر چہ حد جنوبست نیمروز گویند و میانہ اندر بدو قسمت شود، ہر چہ حد شرق است خراسان گویند، و ہر چہ مغربست ایران شہر واللہ المستعان۔"

بخش بروزن کفش، حصہ و بہرہ باشد، و ماہی را نیز گویند۔ و بمعنی برج ہم ہست خواہ برجِ کبوتر، خواہ برجِ قلعہ، خواہ برجِ فلک۔ (برہان)

غالب کا خیال ہے کہ اس کے معنی صرف حصہ و بہرہ کے ہیں اور یہ صیغۂ امر ہے بخشیدن کا، بقیہ دو معنی غلط ہیں، ان کے نزدیک برخ بمعنی حصہ کی غلط خوانی سے برج ہوگیا۔ لیکن غالب کی گرفت صحیح نہیں۔ صاحب برہان کے ماخذ میں یہی معانی درج تھے۔ سروری (۱ : ۱۵۴) میں ہے۔

بخش بوزن رخش، معروف، و ماہی باشد و برج را نیز گویند کذافی التحفہ، مثالش؛

رودکی :

آفتاب آید بہ بخشش زی برہ
روی گیتی سبز گردد یکسرہ

جہانگیری میں بخش کا اندراج نہیں ہے۔

برپروشان بوزن پردہ پوشان، امت (برہان)

غالب فرماتے ہیں: ہم وزن کو میزانِ نظر میں تولنا چاہیے، برپروشان پردہ پوشان سے بقدر ایک ہوز کے کم ہے، برسان امت کے معنی میں آتا ہے، لیکن بغیر مضاف الیہ نہیں آتا۔ یعنی برسانِ فلان بنی، اور اس سے خود بخود ظاہر ہے کہ بَر بمعنی اعلیٰ (پر) وسان بمعنی طرز و اسلوب ہے۔ (وزن کی ضرورت سے لفظ کی دوسری شکل قابلِ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ یادداشت، وبالشت، پاداش و بالش ہیں، سین کا شین میں تبدیل ہو جانا فارسی زبان کے قاعدے کے عین مطابق ہے۔ بلا شبہ برپوسان برسان ہی ہے۔ گویا چند حرف درمیان میں بڑھا دیے گئے ہیں اور سین کو شین میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔)

اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب پردہ پوشان میں ہاے مختفی یا ہاے غیر ملفوظ پڑھنے میں نہیں آتی بلکہ اس کا مقصد صرف ماقبل کے فتحہ کا اظہار ہے۔ تو برپوسان اور پردہ پوشان کے وزن میں فرق کہاں رہا؟

برہان میں اس لفظ کی دو اور صورتیں ورستان اور ورشنان آئی ہیں۔ لیکن غالب نے برپروشان ہی کے ذیل میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

دراصل فارسی زبان میں شاید ایسا کوئی دوسرا لفظ نہیں جس کے تلفظ و املا کے سلسلے میں اتنا زبردست اختلاف ہو جتنا کہ زیرِ بحث تلفظ میں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس سے زیادہ قلیل الاستعمال لفظ بھی فارسی میں نہیں۔ اس لیے تلاش کے بعد فرہنگ نویسوں کو دقیقی کی ایک بیت ملی جس کا ذکر آرہا ہے۔ اس کے علاوہ شمس فخری نے اس لفظ کی ایک ہیئت مقرر کر کے ایک شعر لکھ لیا ہے۔ جو درجِ ذیل ہے:

اگر دعوی کند رالیش نبوت
بود خورشید و ماہش بر پروشان

(معیار جمالی ص ۳۵۰)

لغت فرس سے لے کر فرہنگ رشیدی تک اکثر فرہنگوں میں زیر نظر لفظ کی جو جو صورتیں ملتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

بر پروشان ، برفروشان ، ورستان ، ورشنان ، ورشتان ، برروشنان ، برسنان ، بروشیان ، بربروشان ، بروسان ، پروستان ، برسان وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد معین کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ برروشنان ہے جو جمع ہے۔ برروشن کی ، اس کی اصل پہلوی میں (Warwishnik) (Barawishnik) بمعنی مومن اور جمع (Warwishnikan) (مومنان) اگرچہ اصولاً اس لفظ کو فارسی میں گروشیان یا بروشیان ہونا چاہیے لیکن دقیقی کی حسب ذیل بیت میں برروشنان ہے۔ اس لیے فی الحال اس بیت کی تمام قرأتوں میں اسی کو صحیح سمجھنا چاہیے:

شفیع باش بر شہ مرا بریں زلت
چو مصطفی برِ دادار برروشنان را

اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دقیقی کی بیت کی مذکورہ بالا قرأت اختلاف سے محفوظ نہیں ، پال ہورن (برلن ایڈیشن ۱۸۹۷ء، ص ۱۰۰) میں بروشنان کی جگہ حاشیہ میں برورشنان ملتا ہے اور بعض فرہنگوں میں مرورشنان اور مرورشتان سے بھی اسی قرأت کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً فرہنگِ قواس میں جو لغت فرس کے بعد سب سے قدیم مکشوف لغت ہے اصل لفظ ورشتان ہے اور بیت شاہد میں مرورشتان ہے:

چو مصطفی بردادار مرورشتان را

ورشتان کی تائید دستور الافاضل اور رشیدی سے بھی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ڈاکٹر معین نے پہلوی سے جو قرین قیاس فارسی صورت بتائی

ہے وہ گروشیان و بروشیان کی ہے۔ آخر الذکر سے مشابہ صورت "پروشیان" مع اور چند صورتوں کے مدار الافاضل میں آئی ہے، مدار میں یہ شکلیں آئی ہیں، برروشنان (ص ۲۰۴)، برسان (ص ۲۰۵) بروسان، بروشان، بروشیان (ص ۲۱۳) پروسنان، پروشیان (ص ۳۰۰) پروشیان کے ذیل میں اس فرہنگ (ج ۱: ص ۳۰۰) میں آیا ہے:

شفیع باش برشہ مرا بدین زلت
چو مصطفیٰ برِ داد پروشیان باشد

واضح اً یہ غلط ہے۔

جہانگیری (۸۵۳/۱ ، ۸۶۷) میں اس لفظ کی مختلف صورتوں میں دقیقی کے بیت کی شہادت بروشان کے ذیل میں اس طرح نقل کی ہے:

چو مصطفیٰ برِ دا داز مر بروشان را

مختصر یہ کہ باوجود ڈاکٹر معین کی تحقیق کے اس لفظ کی قرأت ہنوز شبہہ سے پاک نہیں اور غالب نے برسان کی جو تحقیق کی ہے یعنی (بر = پر اور سان = طرز، اسلوب) وہ ہر طرح کی داد سے مستغنی ہے۔

برخ بروزن چرخ، دس معنی دیے ہیں، ان میں چار مترادف اور دو دوسرے مترادف، اور چار الگ معنی ہیں۔ (۱) پارہ، حصّہ، بہرہ، لخت (۲) تالاب، استخر (۳) برق (۴) ماہی (۵) سراشک آتش (۶) شبنم۔

غالب کے نزدیک برخ کے معنی پارہ و لخت کے ہیں، بقیہ سب خرافاتی ہیں، مگر یہ قیاس درست نہیں، یہ سب معانی فرہنگوں میں موجود ہیں۔ جہانگیری میں چار معنی یعنی پارہ چیزے، برق، تالاب، شبنم دیے ہیں۔ یہ معنی مطبوعہ نسخہ مشہد (ص ۸۴۷) میں میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن قلمی نسخے میں موجود ہے۔

سروری (۱۲۶/۱) میں ماہی کا اضافہ ہے، اس میں ادات کے حوالے سے شبنم

کے لیے لفظ بالضم ہے۔ رشیدی (۲۶۶/۱) میں یہی پانچوں معنی ملتے ہیں لیکن دستور الفضائل (ص ۸۴) میں برخ سرشک آتش اور بحر الفضائل میں سرشک آب ہے۔ موید اور مدار میں دستور کے حوالے سے "سرشک آتش" ہے۔ اس طرح برہان کے سب معنے دستور میں موجود ہیں، غرض فارسی کی تمام فرہنگوں کے معنی مجموعی طور پر برہان میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قدیم فرہنگوں میں برخ کے ایک ہی معنی درج ہے، مثلاً قواس میں شبنم، صحاح میں بہرہ وحصہ البتہ زفان گویا میں دو اندراج کے تحت دو معنی یعنی شبنم اور بہرہ درج ہیں۔ اس تفصیل سے غالبؔ کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے

برزکار، برزگر، برزہ، برزہ کار، برزیگر،

بمعنی مزارع (برہان) غالبؔ برزہ و برزگر کو صحیح قرار دیتے ہیں، برزکار پر بحکم قیاس جواز کا گمان ہے۔ البتہ برزہ کار و برزیگر محض غلط ہے، برزہ گر بمعنی آفرینندۂ مزارع نہ بمعنی مزارع. برزہ و برزگر اسم فاعل زراعت ہے جیسا کہ ناصر خسرو کہتا ہے:

چو ورزہ بہ ابکار بیرون رود
یکی نان بگیرد بزیرِ بغل

"بذر عربی میں تخم کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے دبیرانِ روزگار برزگر کو بذرگر لکھتے آئے ہیں۔" صاحب برہان نے برزا بمعنی تخم و برزاکار بمعنی کشاورز لکھا ہے جو تصحیف خوانی کا نتیجہ ہے۔

دراصل برز و برزہ، ورز و ورزہ بمعنی زراعت ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ رشیدی (۱: ۲۶۸ و ۱۴۵۵) سروری (۱: ۱۴۶، ۱۹۸، ۲: ۱۵۰۴)

جہانگیری (۱/ ۸۵۱) میں یہ پانچ شکلیں ہیں، برزکار، برزگر، برزہ گر، برزیگر، برزہ کار۔ برہان میں برزہ بمعنی برزگر غلط ہے، غالبؔ بھی غلطی پر ہیں۔ جب برزہ کے معنی زراعت کے ہیں تو برزہ گر کے معنی مزارع کے ہوئے نہ کہ آفرینندۂ مزارع۔ ورزہ کے معنی برزگر نہیں، ناصر خسرو کی بیت میں ورزہ بمعنی کشت ہے، چنانچہ سروری نے (ج ۲:

ص ۱۵۰۴) پر لکھا ہے :

ورزہ کشت وزراعت باشد، مثال ایں لغت ناصر خسرو گوید :

بہ ورزہ چو ابکار بیرون شود
یکی نان بگیرد بزیر بغل

غالب کے یہاں "چو ورزہ بہ ابکار" ہے۔ اس وجہ سے ان کو ابکار کو کار آب = آبپاشی فرض کرنا پڑا۔ اس میں ایک اور سہو ہوا کہ فارسی میں کار آب کے معنی افراط سے شراب پینا ہے۔ (رشیدی ۱۰۷۵، ۱۰۸۸) سروری ۱۰۲۱) خاقانی :

بس بس اے دل زکار آب کہ عقل
ہست از آب کار او بیزار

ناصر خسرو کے شعر کا مطلب غالب نے یہ لکھا :

'جب کسان کھیتی میں پانی دینے کے لیے جاتا ہے تو اپنے ساتھ روٹی لے جاتا ہے۔'

جب کہ اصل مفہوم اس بیت کا یہ ہے :

جب آب کار = ابکار (کاشت کار) کھیت میں جاتا ہے تو اپنے ساتھ روٹی لے جاتا ہے۔

آبکار و ابکار بمعنی کشاورز، کاشتکار کے لیے دیکھیے فرہنگ معین رج ۱ ص ۲۱ معنی نمبر ٦۔

رشیدی میں آبکار کے ذیل میں ناصر خسرو کی بیت سے پہلے یہی قرأت ہوئی ہے دوبارہ لکھا کہ "بوزرہ چو ابکار بیرون" الخ یعنی وہ قرأت جو سروری کے یہاں ہے اور ابکار (عربی) کے معنی صبح لکھے ہیں، اس صورت میں شعر کے معنی یہ ہوئے : جب صبح کو کھیت میں جاتا ہے تو اپنے بغل میں روٹی لے جاتا ہے۔

لیکن اس میں ایک سقم یہ ہے کہ فاعل محذوف ہے۔ کسان کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کرنا پڑے گا، ہاں اگر اشعار ماسبق میں اس کا ذکر ہے تو اور بات ہے۔ مقدمۃ الادب زمخشری (ج ۱ ص ۹۸) میں برزگر اور برزہ گر دونوں آیا ہے : حراث بمعنی

برزگر، کارگر، برزہ گر ہے۔

اس تفصیل کی ضرورت یوں ہوئی کہ معلوم ہوسکے کہ ورزہ بمعنی کاشت ہے نہ کاشتکار، پس غالب کا یہ اعتراض کہ برزہ کار برزہ گر ہے رفع ہوا۔ برزیگر کو غالب بے وجہ غلط ٹھہراتے ہیں۔ لغات میں یہ لفظ موجود ہے، اس سلسلے میں دیکھئے جہانگیری، رشیدی (۱: ۲۶۸) سروری (۱: ۱۳۶) فرہنگ معین (ج ۱ ص ۵۰۴) برہان میں برزا، برزاکار مصحّف بتائے گئے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ بزر اور بذر دونوں عربی میں تخم کے معنی میں ہیں۔ (دیکھئے فرہنگ معین ج ۱ ص ۵۳۱) بنابریں بزرکار بمعنی برزکار و برزگر درست ہے (ایضاً)، اس لیے برزاکار اور برزا کا ماخذ بھی عربی کے الفاظ کو سمجھنا چاہیے۔

بسمل ہر چیز کہ آں را ذبح کردہ باشند یعنی سر بریدہ باشند و بہ شمشیر کشتہ باشد (وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں۔) مردم صاحب حلم، بردبار۔

غالب کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ذبح کرنے کے لیے گلو بریدن مناسب ہے۔ سر بریدن نہیں۔

(۲) شمشیر سے مارنے میں بسم اللہ کا کیا موقع۔

(۳) بسمل باستانی لفظ ہے، بسم اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) کسی جگہ بسمل بردبار کے لیے نہیں آیا ہے۔

دراصل بسمل کے معنی کشتہ یا نیم کشتہ کے ہیں۔ مذبوح کو بسمل نہیں کہتے، وجہ تسمیہ میں بسم اللہ ہی کو دخل ہے، لیکن قصاب کے ذبح کیے ہوئے جانور کو بسمل نہیں کہتے، اور نہ بقرعید میں جو جانور ذبح ہوتے ہیں، ان کو بسمل کہتے ہیں۔ اس لیے بسمل کے سلسلے میں گلو بریدن پر اصرار بے معنی ہے۔ ایرانی لغات میں بھی سر بریدن کا فقرہ موجود ہے۔ اس لیے اس کا استعمال بے مورد نہیں۔

دوسرے اعتراض کے سلسلے میں عرض ہے کہ بسمل گھائل اور مقتول کو کہتے ہیں، مرغ بسمل

کے معنی ہیں مقتول چڑیا، زخمی یا نیم کشتہ۔ بہر حال بسمل کے معنی ہوئے کشتہ، نیم کشتہ، سر بریدہ، گلو بریدہ وغیرہ۔ گویا استعمال میں اکثر حقیقت سے زیادہ مجاز کی طرف رجحان ہے، بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے کا کیا سوال، درّۂ نادرہ کا یہ جملہ ملاحظہ ہو:

"ازینطرف نیز مبارزان بہ بسمل نمودن اعدا بسملہ کردہ۔"

یہاں بسمل نمودن سے مراد کشتن ہے، دشمن کے قتل کرتے وقت گلا کاٹنا اور بسم اللہ پڑھنا مقصود نہیں، بلکہ مار ڈالنا مراد ہے۔

تسمل کی وجہ تسمیہ یہی ہے، چونکہ ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں اس لیے یہ نام دیا گیا مرج لفظ بسملہ بسم اللہ پڑھنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس پر غالب کا اعتراض ہے کہ قدیم ایران یعنی قبل از اسلام ایران میں بسمل کا لفظ موجود تھا، جب بسم اللہ کا ذکر نہیں تو اس کا بسملہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ محض واہی تباہی باتیں ہیں۔ بسمل اسلام کے وجود میں آنے کے بعد ایجاد ہوا۔ اگر بسمل کا لفظ قدیم ایران کی زبانوں میں موجود ہے تو اس کی نشاندہی غالب پر فرض تھی، غالب نہ پہلوی سے واقف تھے نہ اوستا و فارسی باستان کی حقیقت ان کو معلوم تھی، ان کا علم ایران ساسان پنجم کے بیان پر مبنی ہے۔ اور ان کے نزدیک دساتیری زبان پہلوی، اوستا سب کی قائم مقام ہے۔ ساسان پنجم فرضی شخصیت اور دساتیر جعلی کتاب ہے۔

بردبار کے معنی کی کوئی قدیم سند فی الحال میرے پاس نہیں، صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ ناظم الاطبا، فرہنگ معین اور لغت نامۂ دہخدا میں یہ معنی پائے جاتے ہیں۔

بشکوفہ بمعنی شکوفہ و بہار درخت است (برہان)

غالب لکھتے ہیں: "سبحان اللہ، کار از افعال گذشت، در اسما نیز بای موحدہ شامل گشت، شکوفہ را بشکوفہ سرودن معرف دیوانگی خویش بودن است، فردوسی گوید:

فرستم ترا سوی زابلستان
بہنگام اشکوفہ، گلستان

ہمان شکوفہ است بہ معنی دیگر، بحسب ضرورت شعر شکوفہ را بہ افزائش الف وصل اشکوفہ نوشت چوں استم و اشکم کہ ستم و شکم است۔ حاشا کہ فردوسی شکوفہ را اشکوفہ گوید و کاتبان قافلہ در قافلہ غلط رفتند تا در نظم فردوسی، ہمچنان ماند"

دراصل بشکوفہ میں فعل کی طرح کی بائے زینت نہیں، بلکہ یہ لفظ کا جز ہے، اور اس لفظ کی اصل پہلوی لفظ wšku?k (وشکوفک) ہے، واو پہلوی، فارسی میں با میں تبدیل ہوا اور کاف آخر، ہائے مختفی میں، اس طرح بشکوفہ کا لفظ وجود میں آیا۔

فردوسی کی بیت میں غالب نے اشکوفہ درج کیا ہے، یہی بیت جہانگیری اور رشیدی میں بشکوفہ کی سند میں نقل ہوئی ہے، اگرچہ رشیدی نے لکھا ہے کہ اس میں شکوفہ کی جگہ اشکوفہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

جہانگیری (۲ : ۱۳۴۷) : بشکوفہ باوّل مکسور و ثانی زدہ و کاف مضموم و واو مجہول دو معنی دارد، اول شکوفہ را گویند، حکیم فردوسی فرماید :

بہنگام بشکوفۂ گلستان
بروں برد لشکر ز زابلستان

دوم استفراغ نمودن الخ

جہانگیری اور رشیدی میں غالب کی روایت کے بخلاف دونوں مصرعے برعکس ہوگئے ہیں، البتہ شاہنامہ چاپ مؤسسۂ خاور (ج ۳ ص ۳۲۰) میں یہ شعر دوسری طرح نقل ہے :

دگر باز گردی بزا بلستان
بہنگام بشکوفۂ گلستان

بہرحال بلاشبہ بشکوفہ فارسی لفظ ہے، بعض فرہنگوں میں وہ آیا بھی ہے، مگر غالب اس سے بے خبر تھے اور بے خبری کے عالم میں برہان پر اعتراض کر ڈالا۔

بشنژہ بمعنی چنگالی (مالیدہ)۔

اس لغت کی حقیقت سے غالب واقف نہ تھے، اس لیے لفظ کی اصلیت پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے، لیکن اختلافِ تلفظ اور ز، ژ دونوں سے لکھے جانے کی بنا پر وہ صاحب برہان پر حملہ کیے بغیر نہ رہے۔ فرماتے ہیں: ع

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

برہان میں صرف دو ہی اختلاف کا ذکر ہے، سروری (۱: ۱۹۸) میں بشنزہ کے بجاے بشیزہ اور بشترہ ہے اور رشیدی کے بشنزہ (۱: ۳۱۷) سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ موید (۱/۱۸۲) اور جہانگیری (۲/۱۳۴۹) میں بشنزہ ہے۔ موید میں بشترہ چھاپے کی غلطی ہے۔ غالب ایک ایسے لفظ کی حقیقت سے ناواقف ہیں جو جہانگیری، سروری، رشیدی وغیرہ فرہنگوں میں مذکور ہے، بات یہ ہے کہ ان کے پاس نہ کوئی فرہنگ تھی اور نہ فارسی کے اہم متون، اور وہ اس فن کے مرد میدان نہ تھے۔

جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے بشنزہ کی حسب ذیل صورتیں ملتی ہیں:

بشنژہ، بشنزہ، بشنیزہ، بشترہ، بشتیرہ

اس کے معنی میں بھی اختلاف ہے، رشیدی اور جہانگیری میں مالیدہ ہے جو باریک روٹی، خرما اور روغن سے بناتے ہیں، موید اور سروری میں اردۂ کنجد اور روغن سے بنتا ہے اور حسب ذیل ابیات سے ان کا استشہاد ہوا ہے:

گر تیر بلا بارد در کوچۂ ماہیچ
از نان سپری سازم وز بشترہ آماجی
——— سروری

من بمالم بپای بشنزہ روی گویم از زخم دست بریان داد
——— جہانگیری، سروری و رشیدی

سرشتند با مہر بشنیزہ گوئی وجودم دران دم کہ بد طین لازب
——— سروری و رشیدی

(سروری میں سرشتند با مہر بشیرہ گوئی الخ ہے)

بشنیز اور بشنیزہ بمعنی برنجاسف اور بومادران بھی ہے (رک: جہانگیری، رشیدی و

فرہنگ معین)

بوشاشپ و بوشپاس بمعنی خواب (برہان)

گوشاسب بمعنی خواب و کابوس و احتلام (برہان)

غالبؔ کے نزدیک اصل لغت بوشاسپ، بوشپاس مقلوب ہے اور اس کے معنی خواب ہیں۔ "کوشاسب و گوشاسب ہذیان و بمعنی کابوس غلط و بمعنی احتلام و سوسۂ شیطان" جہانگیری (ص ۱۹۳) و رشیدی (۱/۲۵۶) بوشاسب و بوشاس بمعنی خواب ہے۔ اور زراتشت بہرام کی ابیات سے استشہاد ہوا ہے، ایک بیت یہ ہے :

نہ در بیدار گفتم نہ بہ بوشاسپ
نہ گویم جز بہ پیش تخت گشتاسب

پھر دونوں میں گوشاسب بمعنی خواب ہے اور فردوسی کی بیت نقل کی ہے:

شنیدم کہ خسرو بگوشاسپ دید
چنان کاتشی شد بدوشش پدید

جہانگیری کے حاشیہ میں دوسرے قطعے کے بارے میں ہے کہ یہ زراتشت نامہ سے لیے گئے ہیں۔ اس کا ناظم کیکاؤس ہے۔ جہانگیری (ص ۱۹۳) بدو باز گفتم من ایں بوشپاس۔

سروری (۱: ۱۱۹) میں بشاسب و بوشاسب بمعنی خواب درج ہے۔ اور یہ دو بیت بطور شاہد درج ہیں:

چو لختی برآمد بشد در بشاسب بگوشاسب آمدش دخت کشاسب

——— اسعدی

نہ در بیدار گفتم نہ بہ بوشاسب الخ

سروری (۳: ۱۰۲۰) میں ہے کوشاسب بمعنی خواب باشد، مثالش شاعر گوید:

شنیدم کہ خسرو بکوشاسب دید الخ

وبمعنی جوانی کہ ہنوز خطش ندمیدہ باشد آمدہ، ودر سامی فی الأسامی بمعنی احتلام آمدہ وبمعنی کابوس بقولی دیگر آمدہ، اما در ادات الفضلا باکاف وبای فارسی بمعنی احتلام وآنکہ خطش ندمیدہ باشد، ودر لسان الشعرا گوشاسب احتلام باشد۔

قواس (ص ۱۱۴۳): گوشاسب (کذا) بمعنی احتلام

دستوالافاضل (۲۰۹) گوشاسب بمعنی احتلام ودر زفان گویا گوشاسب بمعنی احتلام وخواب، ودر بحر الفضائل: گوشاسب باکاف، واو وبا، ہرسہ فارسی، آنکہ خطش ہنوز نہ دمیدہ باشد ودر لسان الشعرا گوشاسب بمعنی احتلام سطور است۔

لغت فرس اسدی میں گوشاسب بمعنی رویا وصحاح الفرس میں گوشاسب کے بجائے گوشاب اسی معنی میں ہے۔

اوپر کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ بوشاسب کے مقابلے میں گوشاسپ زیادہ متداول تھا۔ دراصل پہلوی میں بوشاسب ہے، گویا اصل یہی ہے۔ بندہشن فصل ۲۸ فقرہ ۲۶ "بوشاسب دیوی است کہ تنبلی می آرد" (جہانگیری حاشیہ ص ۱۹۲۴) غالب نے اس کو لغو قرار دیا ہے۔ اس سے مزید یہ بات بھی طے ہو جاتی ہے کہ برہان کے سارے مندرجات صحیح اور قدیم ماخذ پر مبنی ہیں۔

پاچایہ بفتح پلیدی ونجاست ہر دو را گویند کہ بول وغائط باشد (برہان)

قاطع برہان: ہیچ کس نمی بیند کہ از دہانِ ایں مردچہ فرومی ریزد، پاچایہ بجیم فارسی

ع زہی تصور باطل زہی خیال محال، آنگاہ بمعنی بول وغائط، حاشا ثم حاشا، ہاں دانشوران ولغت گردآوران! پاچایہ بجیم تازی اسم مستراح است، وایں کہ درعرف مستراح را پاخانہ گویند، ہماں تصحیف پاچایہ است کہ شہرت یافت۔

تیغ تیز میں مزید اضافہ ہے:

پاخانہ وپاجایہ دونوں متحد المعنی ہیں، وہ پانو کا گھر یہ پانو کی جگہ، قدم جاے اور قدم خانہ دونوں کے مترادف، مسمیٰ ایک، اسم چار۔ پاجایہ میں ہاے نسبتی نہیں، ہاے زاید ہے جیسے بوس وبوسہ، ... موج وموجہ ... اس طرح پاجاے کے آگے ہاے

لاکر اسم بنا دیا۔ دراصل نہ پاخانہ پالنو کا گھر اور نہ پاجایہ پالنو کی جگہ، پاے اور پا زبان فارسی میں ارذل چیز کو کہتے ہیں ... چونکہ یہ گھر اور جگہ ذلیل ہے اس لیے اس کو پاخانہ اور پاجایہ کہا۔" غالب کا یہ بیان جو تضاد سے بھرا ہے، اس لیے درخور توجہ نہیں کہ پاجایہ (پاچایہ) فارسی زبان کا لفظ نہیں۔ نہ کسی فرہنگ میں اس کا شمول ہے۔ اور نہ کسی دوسری کتاب میں، واضحاً پاجایہ دساتیری لفظ ہے جو پاخانہ کی تصحیف ہے، یہ بات مزید قابلِ ذکر ہے کہ غالب کا یہ خیال کہ پا ارذل چیز کو کہتے ہیں، درست نہیں۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کا نچلا حصہ، بالا کے مقابل پائیں، زیریں وغیرہ، اس سے غالب کا مقصد حل نہیں ہوتا۔ بہر حال دساتیری لفظ پاچایہ کے وہ معنی نہیں جو غالب نے لکھے ہیں۔ بلکہ پلیدی و نجاست ہے۔

پازاچ (بازای ہوز و جیمِ فارسی) دایۂ شیر دہندہ و ماماچ را گویند۔ بعربی قابلہ و مُرضعہ خوانند۔ (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ پازاچ کو عربی میں قابلہ یعنی دائی جنائی کہتے ہیں، مُرضعہ یعنی دودھ پلانے والی دایہ کے معنی میں پازاچ نہیں آتا۔

اس سلسلے میں فرہنگوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے:

قواس (ص ۸۵): پازاج: دایہ

دستور الافاضل (ص ۹۰) بازاج: دایہ

بحر الفضائل: بازاج: دایۂ ناف

زفان گویا: بازاج: دایہ و در نسخۂ باجیم فارسی و زای معجمہ یعنی پازاچ دایں درست تراست۔

جہانگیری: پازاچ باجیم عجمی موقوف، دایۂ ناف بُر را گویند و او را ماماچہ و مام ناف نیز نامند، بتازی قابلہ خوانند۔ حکیم سوزنی نظم نمودہ:

گفتۂ من حلال زادہ بطبع
نبود مرخشوک را پازاچ

منصور شیرازی بمعنی دایہ شیردہ نظم نمودہ وآن را بہ تازی مرضعہ خوانند، ودرین معنی همانا سہو کردہ :

بناز مادر ایام طفل بخت ترا
بزرگ می کند اندر کنار چو پازاج

سروری (۱ : ۲۱۶) پازاج (بازای معجمہ) دایہ باشد، مثالش منصور شیرازی گوید : بناز مادر ایام الخ

ودر فرہنگ جہانگیری بمعنی قابلہ آوردہ کہ مام ناف و ماماچہ نیز گویند، وبدین بیت سوزنی متمسک شدہ : گفتۂ من حلال زادہ الخ وفرمودہ کہ منصور شیرازی سہو کردہ کہ بمعنی دایہ نظم کردہ، اما بخاطر این بی بضاعت می رسد کہ چون زاج زن نوزائیدہ باشد پازاچ زنی کہ خدمت او کند، پس دایہ را نیز پازاچ توان گفت، چہ او نیز تعہدِ خدمتِ زن نوزائیدہ می کند۔

پازاچ کی وجہ تسمیہ اس سلسلے میں مفید ہوگی۔

زاچ = زچہ (قواس)

پازاچ = پا + زاچ ، پا مخفف پاد بمعنی پاس، معنی ترکیبی پاسِ زاچ ، یعنی پاس دارندۂ زاچ یعنی محافظ زچہ۔ ظاہر ہے یہ کام دایہ ہی کا ہے نہ کہ دائی جنائی کا۔ رشیدی میں پازہر کی مثال ہے جس میں پا = پاد بمعنی پاس ، اور پازہر بمعنی پاس دارندۂ زہر الخ ہے۔

چونکہ اکثر فرہنگوں میں پازاچ بمعنی دایہ آیا ہے، اور منصور شیرازی کی بیت اس معنی کی تائید میں ہے تو اس کو خواہ مخواہ رد کرنے کی کوشش بے سود ہے۔ اسی بنا پر جہانگیری کا قیاس قابلِ قبول نہیں، اور یہی غالب کے قیاس کے ابطال پر دلالت کرتا ہے۔

پادیر برہان میں اس کی دو اور شکلیں ہیں : پاذیر اور پازیر ؛ غالب پادیر کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس میں زای زاری اور ذالِ ذلت کو غلط قرار

قرار دیتے ہیں۔

دراصل پادیر اور پاذیر ایک ہی چیز ہے۔ قدیم املا میں پاذیر تھا جدید املا پادیر۔ چوں کہ غالب ذال فارسی کے قائل نہیں اس لیے وہ پاذیر کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ حالاں کہ بعض لغات میں صراحتہً پاذیر ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو جہانگیری، صاحب برہان نے بعض لغات میں پادیر اور بعض میں پاذیر دیکھا تو دونوں صورتیں درج کر دیں، البتہ پازیر کی فی الحال کوئی سند میرے پاس نہیں، یہ بظاہر تصحیف خوانی کا نتیجہ ہے۔

پالوایہ بروزن چار پایہ پرستوک باشد (برہان)

غالب فرماتے ہیں: دریک فرہنگ پالوان و پالوانہ ہر دو بہ نون، اسم طائری سیاہ رنگ می نویسد کہ غیر پرستوک است۔ اکثر فرہنگوں میں یہ بای عربی سے آیا ہے، مثلاً لغت فرس اسدی (ص ۴۶۰) صحاح الفرس (ص ۲۶۴)، قواس (ص ۶۱) بالوایہ بمعنی فراشتک ہے اور عنصری کی یہ بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے:

آب و آتش بہم نیامیزد
پالوایہ ز خاد بگریزد

زفان گویا میں ہے: پالوایہ: فراشتک۔

بعض نے بای عربی سے لکھا ہے، سروری لکھتا ہے:

پالوانہ مرغکی سیاہ باشد... شمس فخری گوید:

شہنشاہا تو عنقائی برتبت
حسود در گہ تو پالوانہ

و در تحفہ پالوایہ آوردہ وگفتہ کہ پیلوایہ نیز گویند۔ شمس فخری بازمانہ و بیمانہ قافیہ کردہ است و در رسالۂ میرزا بنون و بیای حطی ہر دو بنظر رسیدہ، و در فرہنگ ببای تازی و بیای حطی آمدہ و ایں اصح است۔

تقریباً یہی بیان رشیدی کا ہے۔ بہرحال فرہنگوں کے تتبّع سے اس لفظ کی

متعدد شکلیں سامنے آئیں: پالوایہ، پلوایہ، پالوانہ۔ بالوایہ اور بلوایہ، معنی کے لحاظ سے اکثر فراشتک کا مترادف بتاتے ہیں اور بعض میں چھوٹی سیاہ چڑیا بتائی گئی ہے، البتہ پالوان اس معنی میں کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گذرا۔

پیوگ فتح اوّل وثانی وسکون ثالث وکاف فارسی بمعنی عروس باشد وبضم ثانی ہم درست است۔ (برہان)

غالب نے اس پر حسب ذیل اعتراض کیے ہیں:

۱۔ بائے فارسی (یعنی پے) سے غلط ہے۔

۲۔ اس میں آخری حرف گاف کے بجائے کاف ہے۔

۳۔ حرف ثانی کا فتحہ غلط ہے۔

۴۔ بیوگ میں کاف جزوِ کلمہ نہیں، بلکہ اسم مصدر پیوگانی بنانے کے لیے بیو بمعنی عروس پر کاف کا اضافہ کر لیا گیا ہے، بیوگانی اس طرح نہیں بنا جیسے زندہ سے زندگی اور مژدہ سے مژدگانی۔

۵۔ دراصل لفظ بیو ہے اور اسی سے بیوگانی بنا ہے، پیوگ یا بیوگ کوئی لفظ نہیں۔ بیو ہندوستانی میں بہو ہے۔

پہلے اور دوسرے اعتراض کے سلسلے میں عرض ہے کہ پیوگ کی چار شکلیں ہیں، یعنی بیوگ و بیوگ، پیوک و پیوگ۔

لغت فرس (ص ۲۷۸) صحاح الفرس (ص ۱۷۵) سروری (ص ۱۵۹) میں بیوگ بمعنی عروس ہے اور رودکی کا شعر بطور شاہد نقل ہوا ہے:

بس عزیزم بس گرامی شاد باش

اندرین خانہ بسان نو بیوگ

قواس (ص ۱۰۱) اور چند دیگر فرہنگوں میں یہی بیت بیوگ کی سند میں ہے، اور چونکہ اس نظم کے قوافی معلوم نہیں اس بنا پر آخری حرف کے بارے میں قطعی فیصلہ

ممکن نہیں، صحاح الفرس (ص ۱۹۴) میں بیوگ کاف فارسی سے بھی ملتا ہے، لیکن کوئی شعری سند نہیں۔ زفان گویا میں پیوک (بائے فارسی وکاف عربی) بمعنی عروس اور مدار الافاضل (۳۳۸) میں پیوک پیوگ دونوں ہیں۔ دستور الافاضل (۸۹) میں بنوک غلط ہے۔ اگرچہ موید الفضلا (۱۵۲) میں دستور کی اس قرأت کا ذکر ہے، پھر لسان الشعرا اور شرفنامے کے حوالے سے پیوک درج ہے، پھر ص ۲۱۰ پر اسی کو دہرایا ہے۔ مدار الافاضل (ص ۳۳۸) بیوک و پیوک دونوں عروس کے معنی میں آئے ہیں۔

غالب کے چوتھے اعتراض سے واضح ہے کہ وہ بیوک یا بیوگ کے الگ وجود کے منکر ہیں۔ ان کے خیال میں بیو اصل لفظ ہے، اسم مصدر بیوگانی بنانے کے ضمن میں بیو پر کاف کا اضافہ ہوا ہے۔ بیوگانی کی تشکیل جیسے بھی ہوئی ہو۔ بیوگ فارسی میں مستعمل لفظ ہے۔ جیسا کہ مذکورۂ بالا ابیات اور فرہنگوں کے بیان سے واضح ہے۔ بیوگانی کی تشکیل کے سلسلے میں یہ بات زیادہ قرین قیاس کہ بیوگان پر یائے مصدری کے اضافہ سے بیوگانی بنا لیا گیا ہے۔

بیوگانی کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فارسی فرہنگوں میں اس کی حسب ذیل چار صورتیں ملتی ہیں: بیوکانی، بیوگانی، پیوکانی، پیوگانی۔ اس ضمن میں موید الفضلا (ج ۱ ص ۱۵۲، ۱۹۰، ۲۱۰، ، ۲۲۰، ۲۲۹) اور مدار الافاضل (ص ۳۳۸) دیکھنا چاہیئے۔

اگرچہ بیوگانی کے معنی عروسی کے ہیں، اور جہانگیری (۲۲۳۲) میں یہ شعر بطور شاہد درج ہے:

ساخته آن یکی بیوکانی ہم بر آئین و رسم یونانی

لیکن موید (جلد ۱ ص ۲۲۹) میں پیوگانی کے ذیل میں زفان گویا کے حوالے سے اس کے معنی عروس لکھے ہیں۔ گو خود اس لغت میں بیوکانی و پیوگانی بمعنی عروسی آئے ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۹۰) زفان گویا کا جو نسخہ راقم کے پیشِ نظر ہے اس میں پیوگانی بمعنی عروسی اور پیوی بمعنی عروس ہے، صاحب موید کو یقیناً دھوکا ہوا۔

غالب نے مژدہ سے مژدگانی کی تشکیل کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات نہایت

اہم ہے کہ مژدہ بھی اسم کیفیت ہے، اور مژدگانی بھی۔ اگرچہ مژدہ بمعنی محض خوش خبری اور مژدگانی کے معنی خوش خبری دینے کا انعام ہے، مژدگانی کے علاوہ اسی معنی میں مژدگان بھی ہے، پس مژدگانی کی "ی" کو یائے مصدری قرار نہ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ مژدہ، مژدگان، مژدگانی تینوں باعتبارِ معنی اسم مصدر ہیں۔

غالب کا پانچواں اعتراض ہے کہ اصل لفظ بیوَ ہے، اور اسی سے دوسرے الفاظ مشتق ہیں۔ بیوَ باوّل مفتوح وثانی مضموم بمعنی عروس ہے۔ اور جہانگیری (۲۲۳۲) میں یہ شعری شہادت ہے:

برہی گر کنی بفرد ی خوی
از خشو و خسور و ننگ بیوی

لیکن سروری (ص ۱۸۹) میں یہ شعر اس طرح درج ہے:

برہی گر کنی بفرد ی خو
از خلاف خشورہ ننگ بیوَ

اور یہ اقرب بہ صحت ہے۔

پھر بھی اس سے ہرگز یہ صادق نہیں آتا کہ بیوگ غلط ہے۔ یہ استعمال عام کا مسئلہ ہے، اور استعمال عام کے دربار سے بیوک، بیوگ وغیرہ کو سند جواز حاصل ہو چکا ہے۔ ضمناً عرض ہے کہ زفان گویا، مدار الافاضل میں پیوی بمعنی عروس ہے، البتہ شعری سند موجود نہیں۔ جہانگیری اور رشیدی میں بیوَ کے علاوہ ویوَ بھی ہے۔ جہانگیری (ص ۲۲۶۴) میں آیا ہے: ویوَ باوّل مفتوح وثانی مضموم واو مجہول، عروس را گویند:

ویس درامین میں فخر گرگانی ویوگ لاتا ہے:

درو حرم ویوگان و خسوران   عروسان دختران داماد پوران

(ص ۳۸ بحوالۂ جہانگیری حاشیہ)

رہا غالب کا یہ قیاس کہ بہوَ اور بیوَ ہم ریشہ ہیں، قابلِ توجہ ہے، اس لیے کہ ہندستان میں بہو بیٹے کی بیوی کو کہتے ہیں، اس سے دلھن یعنی عروس مراد ہے۔

غالب کا ایک اعتراض پیوگ کے حرف ثانی کے فتحہ پر ہے، دراصل جب ان کے نزدیک بیوگ، بیوگ، بیوک، پیوگ کا الگ وجود نہیں تو پھر اس کے معنی اور تلفظ کی بحث تضاد کی مترادف ہے۔ بہر حال یہ اعتراض خاصا قابل ذکر ہے۔ اس کا عمومی تلفظ اوّل مفتوح اور ثانی مضموم کے ساتھ آیا ہے، البتہ بعض فرہنگوں میں اختلاف ہے۔

مثلاً موید (ج ۱ ص : ۲۱) میں پیوک بمعنی عروس ضمنین سے درج کیا ہے، یا ج ۱ ص ۲۲۹ میں پیوگانی کا تلفظ بالضم باواو وکاف فارسی ہے۔ اور پیوک کا بھی بعینہ اسی طرح لکھا ہے۔ (ج ۱ ص ۲۲۰) حالانکہ پیوگانی کا قافیہ یونانی سے آیا ہے اور اس سے واو معروف ثابت ہوتا ہے۔

گو میرے مطالعے کے نسخوں میں کسی سے برہان کے تلفظ کی تائید نہیں ہوتی، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ برہان میں ضمہ سے بھی لکھا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض باقی رہتا ہے کہ زیادہ مروج تلفظ جب ضمہ سے ہو تو پھر فتحہ کو ترجیح کیوں دی۔ عنصری کی نظم میں جو جہانگیری (ص ۲۲۳۲) میں منقول ہے، بیوگانی کا قافیہ یونانی کے ساتھ آیا ہے، اس سے بیو کے حرف ثانی کا مضموم ہونا ثابت ہے۔

نسخ برہان قاطع میں یہ لفظ اجہات کے وزن پر آیا ہے۔ اور اس کو عربی بتایا گیا ہے۔

غالب کے نزدیک ترہات فارسی لفظ ہے۔ اور ترہ+آت سے بنا ہے۔ آت بمعنی مثل ترہ پودینہ وگندنا وغیرہ کو کہتے ہیں جو تفنن کے طور پر کھاتے ہیں۔ پس کلمات نشاط انگیز کو ترہات کہتے ہیں۔ اس میں سوائے انبساط خاطر کوئی معنی مضمر نہیں۔

دراصل یہ لفظ عربی ہے اور ترّہ کی جمع ہے، دستور الاخوان (ص ۱۴۰) میں ہے:

الترھتہ : سخن بیہودہ، الترھات جماعہ، ھی البواطل من الامور۔

جار اللہ زمخشری نے مقدمۃ الادب میں ترھتہ (عربی) کے فارسی مترادفات یہ لکھے ہیں:

سخن بیہودہ، یاوہ، سخن ناسزا، سخنِ دروغین۔ اس کی جمع ترھات لکھی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ غالب کی جولانی ذہن کام نہ آئی، ان کے بیان کیے ہوئے معنی اور اشتقاق دونوں غلط ٹھہرے۔

تورا بضم اول وثانی مجہول، بروزن حورا بہ لغت زند و پازند گاو را گویند کہ بعربی بقر خوانند۔ (برہان)

غالب نے اس کے تلفظ پر اعتراض کیا ہے، حالاں کہ اصل اعتراض زند و پازند کے لغت پر تھا۔ دراصل فرہنگ جہانگیری کے ضمیمہ جات میں سے ایک ضمیمہ لغات زند و پازند کے نام سے ہے، یہ سارے لغات اصلی نہیں بلکہ ہزوارش شکلیں ہیں۔ یہی ہزوارش شکلیں برہان میں ترتیب تہجی کے ساتھ اصیل لفظوں کے دوش بدوش نقل ہوگئی ہیں، چنانچہ راقم نے "برہان قاطع" پر اپنے ایک مضمون شامل مجلۂ اسلامیہ (۱۹۶۹) میں ایسے سارے لفظ جمع کر دیے ہیں۔

غالب نے متعدد دساتیری الفاظ بھی اپنے کلام میں بے جھجک استعمال کیے ہیں۔ وہ ہزوارش شکلوں سے بھی نابلد تھے۔ بہرحال تورا دساتیری لفظ ہے۔ جو ثور (عربی) بمعنی گاو ہے۔ دساتیر جعلی کتاب ہے اور اس کے الفاظ عربی و فارسی کے متداول الفاظ میں تھوڑے سے تغیر و تبدل سے بنا لیے گئے ہیں۔ تورا کی بھی یہی حالت ہے۔ برہان میں اس کو مضموم غلط درج کر دیا ہے۔ یہ مفتوح ہے اور حورا ہی کے وزن پر ہے۔

اس کے بعد غالب نے اپنا نسب بیان کیا ہے کہ وہ سلجوقی ہیں۔ ان کا نسب نامہ ملک شاہ سلجوقی کے واسطے سے طغرل اور سلجوق تک پہنچتا ہے، اور اہلِ تاریخ سلجوقیوں کو افراسیاب و پشنگ و تور بن فریدوں کے نسل سے بتاتے ہیں۔ ان کی زبان توری تھی جو اب ترکی ہو گئی ہے۔ چنگیزی مغل کی بود و باش اسی خطے میں تھی، وہ ترکوں کے ہم وطن اور ہم شکل ہو گئے، اس جماعت کا لقب ترکمان دیا گیا یعنی مانا بہ ترک،

اس سلسلے میں چند امور قابلِ توجہ ہیں:

۱۔ محمود غزنوی کا معاصر بادشاہ ترکستان قدر خاں افراسیابی تھا۔

"قدر خاں برادر ایلک ماضی از دودمان افراسیابی"۔ (طبقات ناصری ج ا ص ۲۴۵)

۲۔ پسر سلجوقی کا تعلق افراسیابی ترکوں سے نہ تھا، ملاحظہ ہو یہ جملہ:

"دریں وقت پسر سلجوقی مردی رسیدہ بود، از جلادت و مبارزت و تیر و تیغ او ہمہ ملوکِ ترکستان و افراسیابیان مدام در خوف بودند (ایضاً)

۳۔ افراسیاب، پشنگ، تور بن فریدون: پشنگ افراسیاب کا باپ تھا۔ دونوں کا ذکر بے کار ہے تور بن فریدوں بعض اقوال میں افراسیاب کا مورثِ اعلیٰ بتایا گیا ہے۔ اس کی طرف نسبت کافی تھی۔ لیکن تاریخ بیہقی، زین الاخبار، طبقات ناصری میں سلجوق کی نسبت افراسیاب کی طرف نہیں بتائی گئی ہے۔

۴۔ جب قدیم زمانے سے ترک اور ترکستان کا لفظ موجود ہے تو زبان کا نام ترکی کے بجائے توری کا قیاس صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

۵۔ چنگیز سے بہت پہلے ترکمان کا لفظ موجود تھا۔ اس لیے چنگیزیوں کو ترکمان بتانا تاریخی سقم ہے۔

۶۔ ترکمان میں "مان" یا "مانا" کو لاحقۂ مشابہت قرار دینا میرے نزدیک درست نہیں۔ ڈاکٹر محمد معین کی تحقیق یہ ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں چینی دائرۃ المعارف میں یہ لفظ TO-KU-MONG کی صورت میں ہے۔ (فرہنگ معین ج ۵ ص ۳۸۷)

واضح ہے کہ غالب کا منصب تاریخی تحقیق نہ تھا، بہر حال سلجوق کا نسب نامہ قابلِ بحث موضوع ہے۔ اور اس بنا پر غالب کی افراسیابی نسبت آسانی سے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

اسی بیان میں آگے "ابن الخلف التبریزی" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مفہوم چیست، یعنی تبریزی کے خلف کا بیٹا، مگر خلف نام پدرش بودہ باشد و ایں نمی تواند بود" (ص ۶۲)

خلف عام نام ہے، امیر خلف سیستانی نہایت مشہور بادشاہ گزرا ہے، محمود غزنوی نے اس کو شکست دے کر ۳۹۹ھ میں سیستان پر قبضہ کیا تھا، پس اگر صاحبِ برہان کے باپ کا نام خلف تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ گیارہویں صدی ہجری میں دکن

میں خلف نام کی ایک تاریخی شخصیت تھی، جس کے ہاتھ کے کتبے ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی نے معلوم کرکے چھاپے ہیں۔ یہ بہت اچھا خطاط تھا، کیا عجب کہ اس میں اور محمد حسین تبریزی میں باپ بیٹے کا رشتہ رہا ہو، ابن خلف تبریزی کے معنی غالب نے لکھا ہے: تبریزی کے خلف کا بیٹا، دراصل اس کے معنی ہیں کہ خلف تبریزی کا بیٹا۔ تبریزی خلف کی وطنی نسبت ہے، اگر یہ کیفیت نہیں تو غالب نے صحیح لکھا ہے کہ نام محمد حسین پہلے ہونا چاہیے۔

لتومن برہان نے اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں:

"قصبہ را گویند کہ صد پارۂ دہ در تحت آن باشد"

غالب کا اعتراض "پارۂ دہ" پر بھی ہے:

"دیگر 'صد پارۂ دہ' منش فرزانگان را ہم می زند۔ پارہ دہ یعنی چہ (ص ۶۳)

پارہ یہاں عدد کے بجائے استعمال ہوا ہے، اور فارسی میں یہ متداول تھا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں (دیکھیے لغت نامہ ذیل پارہ)

خورد خلاص ایام مازیار بہ ہفتاد و دو پارۂ دیہ بود۔ (تاریخ طبرستان)

اسکندر دوازدہ پارۂ شہر بنا کرد۔ (مجمل التواریخ)

وی می بنشست صد پارۂ جامہ ہمہ قیمتی (تاریخ بیہقی)

بیست پارۂ لعل بغایت نیکو (")

و از آنجا بزمین فلسطین رفت ... و آنجا پنج پارہ دیہ بود (مجمل التواریخ)

تا خصیب دو پارۂ زمین بداد (")

گہرہای کانی زپا زہر و زہر
چہل پیل و منشور دہ پارہ شہر

(اسدی)

لتہم بفتح اول و ثانی و سکون میم، ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ بزرگی جثہ و ترکیب و قد و قامت و شجاعت و مردی و دلیری و دلاوری میں بی عدیل و نظیر ہو، تہمتن اسی سے

مرکب ہے۔ سکون ثانی سے بھی آیا ہے۔ (برہان)

تہمتن معنی ترکیبی بی ہمتاتن، اسم رستم، سپہدار و لشکر کش، بندگی و فرمان بری (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے:

۱۔ تہم تنہا مرد تنومند کے معنی میں نہیں۔

۲۔ سکون ثانی سے درست نہیں۔

۳۔ تہمتن کے معنی سرلشکر یا سپہبد نہیں۔

۴۔ بندگی اور فرمانبری کے معنی میں تہمتن نہیں آتا۔

۵۔ تہم بروزن بہم، فارسی قدیم میں فلک نہم کا نام ہے، اس کو عرش کہتے ہیں۔ اس صورت میں مرد قوی ہیکل کو تہمتن کہیں گے نہ تہم، تہمتن کے معنی لشکر کش کیونکر ہوں گے۔ رستم از روی خلقت جسیم بود، اس کو تہم تن کہتے ہیں یعنی اس کا تن فلک الافلاک کی طرح تھا۔

پہلے فرہنگ نویسوں کے اقوال درج کیے جاتے ہیں:

صحاح الفرس (۲۱۷): تہم: بی ہمتا بود در بزرگی وحشمت و مردی، دقیقی گفت:

کرا بخت و شمشیر و دینار باشد

و بالا و تن تہم و پشت کیانی

(ص ۲۳۸) تہمتن: بی ہمتا بود در بزرگی وحشمت و مردی وقامت۔

ادات الفضلا: تہم: بی ہمتا بہ بزرگی وقامت

تہمتن: رستم وخداوندِ سپہ گران

بحر الفضائل: تہمتن: سالار و گرزن و لقب رستم

زفان گویا: تہم: بی ہمتا بہ بزرگی وقامت

تہمتن: نام مردی، و گویند رستم است و بعضی گویند کہ آن تہمتن است

مدارالافاضل (۱: ص ۴۰۸) تهم بوزن سهم، در مؤید و ابراهیمی و تنجتری است بفتحتین نیز، بی همتا در بزرگی و قامت، و تهمتن مرکب از آنست، فردوسی:

به نزدیک شنگل فرستاده بود
همانا که شاه و تهم زاده بود

تهمتن: نام مردی که آنرا رستم نیز گویند و قیل بمعنی خداوند سپاه بسیار و قیل نام بهمن، و بمعنی فرمانبرداری کردن و بندگی کردن نیز آمده...
و در حل لغات است بمعنی بی همتا در بزرگی و حشمت و مردی و قامت الخ

جهانگیری (۲۱۶۲) تهم با اول و ثانی مفتوح دلاور و عظیم و بی همتا بود، حکیم فردوسی نظم نموده:

به نزدیک شنگل فرستاده بود   همانا که شاه و تهم زاده بود

هم او گوید:

تهم هست در پهلوانی زبان   بمردی فزون از دهای دمان

و تهمتن یکی از القاب رستم است، چون او عظیم جثه، و در مردانگی و دلاوری بی مثل و همتا بود او را بایں لقب ملقب ساختند. امیرخسرو گفته:

یکی تن که در پیش صد تن بود
اگر خود تهمتن بود زن بود   الخ

سروری (۱: ۳۱۵) تهم بوزن سهم، یعنی بی همتا در بزرگی و مردی و قامت، و تهمتن مرکب از نیست مثالش شهنامه:

یکی آفرین کرد سام دلیر
که تهما، هزبرا، بمان سال دیر

و بفتح ها نیز آمده، مثالش شمس فخری گوید:

نیست در بزم چون شهنشه راد
نیست در رزم همچو شاه تهم

وصاحب فرہنگ منظومہ بمعنی بزرگ آوردہ مطلقاً وگفتہ:

تہم باشد بزرگ و توف صدا
ہست تیرست اسم سیصد را

رشیدی (۱: ۴۶۱)، تہم: بفتحتین، دلاور، و بزرگ و بی ھمتا۔

تہمتن: لقب رستم زیرا کہ دلاور و بے ھمتا بود۔

فرہنگ معین (ج ۱ ص ۱۱۷۴) نے تہم (TAHM) بمعنی (۱) قوی و نیرومند (۲) شجاع و دلیر لکھا ہے اور اس کا ریشہ پہلوی کا TAHM بتایا ہے، اور تہمتن کے اوپر کے دو معنوں کے علاوہ دو معنی یہ اور دیے ہیں: (۱) لقب رستم (۲) بہمن بن گشتاسب گویا پہلے دو معنی کے اعتبار سے تہم اور تہمتن مترادف ہیں۔

اوپر کی مثالوں سے غالب کے چار اعتراض رفع ہو گئے، غالب نے سارے مآخذ کے خلاف اس کے معنی فلک نہم، عرش، فلک الافلاک لکھے، یہ دساتیری معنی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ برہان میں سکون ثانی سے (ایک بار) لکھنا درست نہیں اور اس سلسلے میں غالب کا اعتراض بجا ہے۔

ثغ بفارسی بت را گویند کہ عربان صنم خوانند (برہان)

دراصل قدیم فرہنگ نگاروں میں اسدی اور نخجوانی نے ثغ کو فارسی قرار دیا ہے۔ اسدی نے لکھا ہے کہ یہ تنہا فارسی لفظ ہے جس میں ث آیا ہے، ورنہ فارسی میں یہ حرف نہیں آتا۔ اسی طرح نخجوانی صحاح الفرس (ص ۱۶۲) میں لکھتا ہے۔

ثغ بت باشد۔

بہرحال یہ اقوال صاحب برہان کے لیے ثغ کے شمول کے کافی جواز رکھتے ہیں۔

جغد برہان میں چغد بھی ہے۔ اس طرح جغبوت، جغبت و جغنت و چغبوت وچغبت و چغنت چھے اور شکلیں نقل ہوئی ہے۔

جند اور چند دونوں طرح سے بعض لغات میں آیا ہے۔ مثلاً دیکھیے مدآرج ۲ ص ۱۹،
ص ۵۶ و مؤید ذیل ج د چ۔

صحاح الفرس (ص ۷۷) و سروری (ج ۱: ۳۴۸) میں جند ہے۔ چند نہیں۔
جہانگیری (ص ۱۴۲۷) اور رشیدی (ج ۱: ۵۱۸) چند ہے، جند نہیں، اس سے واضح ہے
کہ صاحب برہان کے لیے دونوں صورتوں کے درج کرنے کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہ
تھا۔ رہا جنبوت والا مسئلہ تو اس سلسلے میں فرہنگوں کے مندرجات کا خلاصہ یہ ہے:

چنبوت و چنبت : صحاح الفرس
جنبوت و جنبت : لغت فرس و فرہنگ قواس وغیرہ
چنغوت و چنغت : فرہنگ جہانگیری (۱۴۲۶)
چنبغوت : معیار جمالی
جنبوت و جنبت، جنغوت : سروری
جنغت و جنبغوت، چنغت و چنغوت : رشیدی (ص ۴۸۹، ۵۱۶)
چنبوت و چنبوب : شرفنامۂ منیری

ان تمام شکلوں کو جمع کریں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے:
جنبوت و چنبوت و چنبوب، جنبوت و جنبت و چنغوت و چنغت جہانگیری میں ہے کہ
اس نے ماوراء النہر کے لوگوں سے تصدیق کی تو معلوم ہوا کہ چنغوت و چنغت صحیح صورتیں ہیں۔
بہرحال برہان قاطع کی چنغوت والی قرأت نہیں ملی۔ لیکن کسی نہ کسی ماخذ سے لیا گیا ہوگا،
البتہ چنبوت و چنبت کی غیر حاضری قابلِ تعجب ہے۔ اگر غالب ان نو مختلف صورتوں کو دیکھتے
تو ان کو اور بھی تعجب ہوتا۔

جولاہ، جولہ، جولاہہ، جولہ صاحب برہان نے چاروں

کے معنی جولاہ یعنی کپڑا بننے والا لکھا ہے، اور جولہ کو جولاہ کا اور جولہہ کو جولاہہ کا مخفف قرار دیا ہے۔

غالب کا اعتراض ہے کہ جولاہہ جولاہ کا مزید علیہ ہے۔ جولاہہ ہماں جولاہ است کہ ہای ثانی در اصل افزودہ اند مثل میخوار و می خوارہ۔ جلہہ بجیم مضموم وفتحتین از تخفیف جولاہہ وجود نمی تواند گرفت، جولاہ لغت است، و جولاہہ مزید علیہ و جولہ مخفف۔

اصل فارسی الفاظ دو ہیں: جولاہہ اور جولاہک۔ آخر الذکر پہلوی میں بھی ہے۔ اس میں سے کاف کے حذف کے بعد ہائے مختفی کے اضافے سے پہلا لفظ بنا ہے، جیساکہ معلوم ہے کہ پہلوی کے آخری کاف کی جگہ فارسی میں ہائے مختفی آتی ہے، جیسے بندک سے بندہ اور نامک سے نامہ۔ اس سے بخوبی واضح ہے کہ جولاہہ اصلی لفظ ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو جولاہگان جمع کی صورت کیوں کر ہوتی؟ جولاہ، جولاہہ کی تخفیف ہے اور یہ مخفف بصورت جمع یعنی 'جولاہان' بھی مستعمل ہے۔ اسی جولاہ کا مزید مخفف جولہ ہے، اور جولاہہ کا مخفف جیساکہ برہان میں ہے جولہہ ہے۔ اس لفظ کا وجود فارسی میں ہے، جیساکہ مولانا روم کے اس شعر میں ہے:

چوں جولہۂ حرص دریں خانۂ ویراں
از آب و دہن دام مگس گیر تنیدم

جہانگیری (۱۹۶۱) میں جولاہ و جولاہک و جولاہہ و جولہہ بمعنی عنکبوت لکھا ہے اور جولاہ اور جولہہ کے لیے ابیات شاہد نقل کرنے کے بعد یہ عبارت ملتی ہے:

بافندہ جس کو عربی میں حائک کہتے ہیں۔ اسکی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں دو وجہ سمجھ میں آئی ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ مکڑی (عنکبوت) اور بافندہ (جولاہہ) کی مشابہت اس بنا پر ہے کہ دونوں تار کو ایک دوسرے میں ملاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ جلہ رسّی کے پنڈے کو کہتے ہیں اور جلہا اس کی جمع ہے۔ جولاہے کے نام سے موسوم ہونے کی یہی وجہ ہے۔ اور جاموس میں ہے۔ کہ "الجلاھق کعلابط البندق الذی یرمی بہ داصلہ بالفارسیہ حلہ وہی کتب غزل و الکثیر جلہاو بہاسمی الحائک"۔

اسی فرہنگ میں ص ۱۹۶۲ پر جولہ بمعنی جولاہ ہے، حکیم سنائی:

ہم ناکسند گرچہ بہم باکسان روند
ہم جولہ اند گرچہ ہمی بر فلک تنند

رشیدی (ج ۱ ص ۵۵۲) میں بھی جولاہ، جولاہہ، جولہہ، جولہ، جولاہک پانچوں شکلیں مندرج ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان امور کی روشنی میں غالب کا یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

خانہ گیر اس کے ذیل میں برہان میں ہفت بازی نرد کا اس طرح ذکر ہے:

فارد، زیاد، ستارہ، خانہ گیر، طویل، ہزاران، منصوبہ۔

غالب کے اعتراضات یہ ہیں:

۱۔ بازی اول کا نام زیاد ہے اور دوم فارد ہے۔

۲۔ ہزاران کے بجائے ہزار ہونا چاہیے۔

ہزاراں اور منصوبہ کے درمیان کی علامت فصل (،) برہان میں نہیں چھپی تھی تو غالب نے مزید اعتراض کیا کہ ہزاراں منصوبہ کلمۂ مرکبہ غلط ہے۔

لیکن فرہنگوں کے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کے دونوں اعتراض غلط ہیں۔ نرد کی ہفت بازی کا نام اس طرح پر ہے:

فارد بازی اول
زیاد " دوم
ستارہ " سوم
خانہ گیر " چہارم
طویل " پنجم
ہزاران جو دہ ہزار اور ہزاراں بھی کہلاتی ہے: بازی ششم
منصوبہ بازی ہفتم

سلمان ساوجی کا قطعہ ہے:

فادر زعقل ماند خصمت کہ کم زیاد — در معرفت ستارہ مقید بشش دراست
گور لخانہ گیر وحکایت مکن طویل — با آنکہ دہ ہزار کسش چون تو چاکر است
منصوبہ حیل نتواں باخت باکسی — با آنکہ کعبتین سپہر ش مسخر است

(مدار الافاضل ج ۲ ص ۱۱۱)

یہی ساتوں نام مدار (ج ۱ ص ۳۵۴) میں درج ہیں۔

فرہنگ معین (ج ۲ ص ۵۱۴۹) میں ہفت بازی کے درج ذیل نام ہیں:

فرد (فارد)، زیاد، ستارہ (= سرتا)، خانہ (= خانہ گیر)، طویل، ہزاران (= دہ ہزار)، منصوبہ۔

لیکن زمخشری کی کتاب مقدمۃ الادب (ص ۳۰۴) کے حاشیہ میں یہ فہرست ہے:

فارد، ستارہ، خانہ گیر، ہزاران، گود، زیاد، منصوبہ۔

اس میں طویل کے بجائے گود ہے اور زیاد دوسری بازی کے بجائے چھٹی بازی ہے۔

چغریدن و چغریدہ

"در دو فصل بمعنی التفات وخوف آوردہ التفات وخوف نہ مترادف یک دیگر نہ ضد ہمدگر۔ باز چون در دو فصل چغزیدن و چغزیدہ بجاے راے قرشت، زاے ہوز دار د آوردہ بمعنی التفات التفات نہ کرد۔ وہمان خوف وبیم نوشت وزای زاری کردن افزود گمراہی وآن نیز بصد رنگ زہی علم وخہی فرہنگ" (قاطع برہان ص ۷۱، ۷۲)

صاحب برہان نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ مختلف فرہنگوں میں اسے جو ملا اس نے درج کر دیا۔ البتہ اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ان میں سے ایک اصل ہے اور مصحف۔ بہرحال یہاں چند فرہنگوں کے اقوال درج کیے جاتے ہیں:

زفان گویا: چغزیدن: ترسیدن والتفات کردن۔

چغزیدہ، ترسیدہ۔

ادات الفضلا: چغزیدہ، ترسیدہ۔

سروری (ج ۱ ص ۳۹۹) چغزیدن بوزن ومعنی ترسیدن و نالیدن باشد، مثالش،

مولوی معنوی گوید :

ازفنا جلوه کند فائدۂ ھستیہا
پس نباید زبلاگریہ و در چغزیدن

ایضاً چغریدن بوزن ومعنی ترسیدن والتفات کردن باشد کذا فی الادات الفضلا
(سبھے ادات میں مصدر نہیں اسم مفعول ملا)

ص ۴۰۷ چغریدہ بوزن ومعنی ترسیدہ و التفات کردہ باشد وبمعنی اول بزای معجمہ نیز آمدہ۔

رشیدی (۱: ۵۱۶ - ۵۱۷) چغر بالفتح ورای مہملہ درآخر ترس وچغریدن یعنی ترسیدن وچغریدہ یعنی ترسیدہ۔ مولوی گوید :

چند گردید چو دولاب دریں بحر عذاب سرفروبردہ وچغریدہ چو بوتیمارید
ولہ: درفنا جلوہ شود فائدۂ ھستیہا پس نباید زبلاگریہ و در چغریدن

و در فرہنگ بمعنی نالہ گفتہ وہمیں بیت آوردہ۔

مدار الافاضل (ج ۲ ص ۵) میں چغریدن بمعنی پرسیدن (کذا) والتفات کردن اور چغرندہ بمعنی ترسندہ درج ہے، چغزیدن چغزیدہ درج نہیں ہے۔

لغت نامہ میں چغریدن وچغزیدن دونوں دیے ہیں اور تقریباً ہم معنی۔ لیکن فرہنگ معین میں محض چغزیدن ہے۔ لغت نامے میں چغزیدن کے ذیل میں مولوی معنوی کی "درفنا" والی بیت درج ہے۔ دراصل چغریدن اور چغزیدن کا معاملہ قدیم متن کی غلط خوانی کا نتیجہ ہے، اور بحالت موجودہ اصل کا متعین کرنا نہایت مشکل ہے۔ اگر غالب کے سامنے فرہنگیں ہوتیں تو وہ برہان پر اعتراض نہ کرتے، اور اگر اعتراض کرتے تو غصہ نہ دکھاتے۔

خرہ کے ذیل میں غالب نے لکھا ہے کہ " خرہ بخای مضموم ورای مفتوح وہای مختفی نور قاہر را گویند، وازیں جاست کہ خُر اسم آفتاب است و شید بشین مکسور و یای معروف، درآخر آں افزودہ اند مثل جم وجمشید، باید دانست کہ شید درمعنی بافروغ متحد است"

دراصل خرّہ پہلوی لفظ KHVARREH سے ماخوذ ہے جس کے چار معنی ہیں:

(۱) موہبتی ایزدی کہ بہ بادشاہان وروحانیان اختصاص داشت۔ (۲) نور وفروغ (۳) بخش یعنی حصہ (۴) قریہ یعنی دہ۔ فرہنگ معین (ص ۱۴۱۶) بمعنی آفتاب، پہلوی لفظ KHVAR سے نکلا ہے جس کے معنی پہلوی میں آفتاب ہی کے تھے، اور 'شید' کا مادہ پہلوی SHET (یائے مجہول سے) ہے اور اس کے معنی درخشاں ہیں، پس خورشید کے لفظی معنی آفتاب درخشاں کے ہوئے، (فرہنگ معین ۵۶-۱۴۵۵)۔

جمشید کا مادہ پہلوی YAMA اور SHET ہے، اور قدیم ایرانی روایت میں جم خورشید کا بیٹا ہے۔ اور پہلا شخص ہے جو مرا ہے۔ جمشید کے معنی ہوئے جم درخشاں۔ (فرہنگ معین ج ۵ ص ۴۲۲) اس تفصیل سے واضح ہے کہ غالب کی تشریح خورشید کے سلسلے میں غلط ہے۔ ایک چیز قابلِ ذکر یہ بھی ہے کہ خورشید میں غالب نے یائے معروف لکھی ہے لیکن پہلوی میں مجہول ہے اور اکثر خورشید اور جمشید میں جب وہ اسم علم ہوتے ہیں تو مجہول ہی کی آواز نکلتی ہے جو اپنے اصل سے قریب ہے۔

خشخانہ، غالب پہلے اس کو مصحف لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "خش خانہ مضحکہ بیش نیست، پھر اس کے وجود کے قائل ہوجاتے ہیں: خشخانہ خانۂ راگویند کہ بیا بانیاں از نمد و پلاس وگلیم سازند، خیشخانہ۔ آرامگاہ منعمان است وخشخانہ ماندن جای مفلسان۔

فرہنگ معین (ص ۱۴۲۵، ۱/۴) میں خشخانہ وخیشخانہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں مترادف ہیں۔

سروری (۴۹۵) خیش خانہ ہے اور خاقانی کی بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے، رشیدی (ص ۶۳۱) خیش خانہ ہے، خشخانہ دونوں میں نہیں۔

خویلہ غالب اسکو خویلہ کا مصحف قرار دیتے ہیں، سروری، (۱: ۴۸)

میں خویلہ ہے اور انوری کی بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے۔ اس میں فرہنگ کے حوالے سے خویلہ کی طرف اشارہ ہے۔ مگر رشیدی (۱: ۶۱۹) میں صرف خویلہ ہے، اور انوری کی وہی بیت نقل ہوئی ہے۔

جینوَر (بروزن کینہ ور) جنیوَر (بروزن ابی ذر) ، چینوَد (بروزن می روم) جنبور (بروزن طنبور) خنیور (بروزن علیگر) خینور (بروزن بی خبر) یہ چھے صورتیں برہان میں آئی ہیں۔ اور زبان زند و پازند میں اس کے معنی "پل صراط" لکھے ہیں۔

غالب نے پہلے فریاد و واویلا کیا ہے: "ہاں! دیدہ وران، انصاف مراخوی (پسینہ) از جبین فرو چکید تا این ہمہ خس و خار از راہ لغت فرو رُفتہ ام وجزآفرین مزدی دیگر نمی خواہم بلکہ ازاں نیز گذشتہ ہمی داد می خواہم و دیگر ہیچ۔"

پھر فرماتے ہیں کہ "پل صراط اسلامی عقیدہ ہے، زرتشی مذہب میں اس لیے لفظ کی ضرورت نہ تھی۔" پھر اپنی رائے تبدیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب زرتشیوں نے اہلِ اسلام سے یہ لفظ سنا تو اپنی زبان میں اس کے لیے لفظ تراشا، تو میں صاحب برہان سے پوچھتا ہوں کہ ان چھے میں سے کون سی صورت صحیح ہے۔

سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ یہ کہنا کہ زبان زند و پازند میں پل صراط کو جینور کہتے ہیں، درست نہیں۔ دراصل یہ فارسی کا لفظ ہے، البتہ اس کی اصل پہلوی زبان کا لفظ ہوگا، یہ اسی لفظ پر موقوف نہیں بلکہ تمام فارسی الاصل الفاظ قدیم ایران کی زبانوں سے لیے گئے ہیں، زند و پازند کوئی زبان نہیں۔ قدیم ایران کی زبانوں میں زبان اوستائی، فارسی باستان اور پہلوی ہیں۔ زند اوستا کا ترجمہ پہلوی زبان میں (ہزوارش کے ساتھ) ہے اور پازند، زند کی نئی صورت ہے جو ہزوارش سے پاک ہے۔ بہرحال یہ ہمارے بعض فرہنگ نویسوں خصوصاً جمال الدین انجوی شیرازی کی غلط فہمی ہے جو یہاں تک پہنچی ہے۔

"جنیور"... اور اس کی متبادل شکلوں کی قرأت کے بارے میں مدت سے اختلاف اور سخت اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض فارسی اشعار میں یہ لفظ آیا ہے اور وہاں بھی مختلف قرأتیں

ہیں۔ انھیں سے فرہنگ نگاروں کے یہاں یہ لفظ مختلف انداز میں نقل ہوا ہے، ان میں چند صورتیں یہ ہیں۔

چینود، چینور، چنبور، خنبور، خینور وغیرہ وغیرہ ان میں چار طرح کے اختلافات ہیں: پہلا اختلاف یہ ہے کہ اس لغت کا پہلا حرف چ ہے یا ج یا خ۔ دوسرا اختلاف "ی" اور "ن" کی تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے۔ تیسرا اختلاف "ن" اور "ب" کے حرف سے پیدا ہوا، اور آخری اختلاف واو مفتوح اور واو ساکن کی بنا پر ہوا ہے۔ ان وجوہ سے اس لفظ کی جو متعدد صورتیں وجود میں آئی ہیں اگر ان سب کا احاطہ کیا جائے تو ایک درجن کے قریب ہو جائینگی اگر غالب کو ان سب کا علم ہوتا تو ان کی فریاد کی لے اور تیز ہو جاتی۔

اس لفظ کے سلسلے میں ایک گزارش استاد پورداود کی ہے جو نشریۂ انجمن زرتشتیان ایرانی بمبئی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی اور دوسری ڈاکٹر محمد معین کی جو مقدمۂ برہان قاطع (ص ۴۶) میں درج ہوئی ہے۔ ان گزارشوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل لفظ پہلوی کلمہ chinvat سے مستفاد ہے۔ اس بنا پر فارسی لفظ کا صحیح تلفظ چینود (بروزن می رود) ہونا چاہیئے اور اس کے معنی پل صراط کے قرار دئے گئے ہیں، لیکن راقم کو تھوڑا سا تامل یہ ہے کہ فارسی کے جو اشعار موجود ہیں، اگرچہ ان کی قرأت میں اختلاف ہے، لیکن لفظ مذکور کے ساتھ کلمہ پل یا پول کا اضافہ ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ چینود "پل صراط" کے بجائے "صراط" کے معنی میں استعمال ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہی معنی صحاح الفرس میں درج ہے۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ فرہنگ قواس اور زفان گویا (جو قدیم ترین فارسی فرہنگوں میں ہیں۔) دونوں میں خینور کے معنی قیامت لکھے ہیں۔ قواس (ص ۷) میں اسدی طوسی کی یہ بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے:

سیہ روی خیزد ز شرم گناہ
بپول خینور نباشدش راہ

(یہی شعر اکثر فرہنگوں میں پل صراط کے معنی کی سند کے لیے آیا ہے۔)

زفان گویا میں ہے:

خنیور قیامت، قائل گوید:

بپول خنیور کہ چوں تیغ تیز
گذاراست ہم نام ہم رستخیز

یعنی قیامت، وآن صراط قیامت است کہ بروی دوزخ است۔

(اس فرہنگ کے جو مندرجات بایلفسکی نے ماسکو سے بنام فرہنگ زفان گویا و جہان پویا (۷۴، ۱۹) میں شائع کیے ہیں، اس میں خنیور کے بجاے خینور اور "گذارست" کے بجاے " کہ دانست" لکھا ہے۔ (ص ۴۷)۔)

بہرحال چینود یا خنیور وغیرہ کے سلسلے کے سارے مسائل ابھی خاطر خواہ طور پر حل نہیں ہوسکے ہیں، البتہ اتنی بات واضح ہے کہ غالب برہان پر اعتراض کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔

دالان و دالانہ، بالان و بالانہ بمعنی دہلیز خانہ۔

غالب کہتے ہیں کہ باے موحدہ واو میں تبدیل ہوتا ہے، اس لیے دالان و دالانہ کے بجاے والان و والانہ ہونا چاہیے، دالان و دالانہ غلط ہے۔ البتہ دالان ایوان کا ترجمہ ہندی ہے، بالان مرادف آستان، اور والان اس کا مبدل منہ۔

غالب نے برہان پر اکثر یہی اعتراض کیا ہے کہ اس کے مولف نے سند لانے کے بجاے قیاس سے کام لیا ہے، حالاں کہ فرہنگ نویسی کے معاملے میں انھوں نے خود سب سے زیادہ قیاس پر اعتماد کیا ہے۔ یہاں بھی وہی صورتِ حال ہے۔ 'ب' اور 'واو' کی تبدیلی مسلم لیکن اس قیاس پر فارسی کے سارے الفاظ جو 'ب' سے شروع ہوتے ہیں۔ واو سے بھی لکھے جاسکتے ہیں، صحیح نہیں بلکہ دراصل بات دیکھنے کی یہ ہے کہ متداول لفظ کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟ واو سے شروع ہونے والے سارے کے سارے الفاظ تبدیل شدہ صورت کے تو نہیں۔ والان کو لیجیے، یہ فارسی کا اصیل لفظ ہے۔ اس کے معنی بادیان کے ہیں۔ والانہ و ولانہ بمعنی جراحت کے ہیں، البتہ بادیان کا 'ب'، واو میں تبدیل

ہوتا ہے، چنانچہ وادیان بمعنی رازیانہ یعنی بادیان ہے۔

فارسی میں دالان و دالانہ اور بالان و بالانہ مترادف ہیں۔ فارسی کی قدیم ترین فرہنگوں میں قواس ہے، اس میں ہے:

دالان دہلیز باشد، عنصری گوید:

یکی راسدّ یاجوج است بنیاد
یکی را روضۂ خلد است دالان

اگرچہ شعر شاہد میں دالان کے بجائے بالان بھی ہے، چنانچہ صحاح الفرس میں یہی بیت بالان بمعنی دہلیز کے لیے آئی ہے، اور دیوانِ عنصری کے مطبوعہ نسخے میں بھی بالان ہی لکھا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ نہ بھولنا چاہیے کہ قواس کے زمانۂ تالیف یعنی ساتویں صدی ہجری میں یہ لفظ ہندوستان میں متداول تھا۔ اس کے وجود کا ثبوت اواخر آٹھویں صدی کی فرہنگیں، زفان گویا اور ادات الفضلا سے بھی فراہم ہوتا ہے۔ زفان میں ہے:

دالان، دہلیز و دالانہ بہ ہانیز گویند۔

ادات میں آیا ہے:

دالان: دہلیز

اسی طرح فرہنگ رشیدی (ص ۱۴۱۶) میں دالان و دالانہ دہلیز کے معنی میں درج ہے۔

سروری (ج ۲ ص ۵۵۴، ج ۱ ص ۱۷۹) میں دالان و دالانہ و بالان و بالانہ دونوں ہیں، اور دونوں ہم معنی ہیں۔ بالان کے لیے عنصری کا وہی شعر درج ہے جو قواس میں درج ہے۔ لیکن صحاح اور سروری میں بالان ہے۔ البتہ سروری میں دالان کے لیے سراج الدین راجی کی بیت نقل ہوئی ہے۔ جہانگیری میں بالان ہے، دالان نہیں، اور شمس فخری کا شعر بطور شاہد نقل ہوا ہے اور یہ شعر معیارِ جمالی کے مطبوعہ نسخے (ص ۳۳۷) میں موجود ہے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ قدیم فرہنگوں سے بالان، بالانہ اور دالان دالانہ کے

ہم معنی ہونے کا وافر ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ غالب کا یہ خیال غلط ہے کہ دالان ہندی لفظ ہے اور ایوان کے معنی میں ہے۔ غالب کا یہ قیاس بھی غلط ہے کہ دالان اور دالانہ، بالان و بالانہ کے مبدل منہ ہیں، یہ دو علحدہ مستقل لغت ہیں، دالان بمعنی بادیان اور دالانہ بمعنی زخم استعمال ہوتا ہے۔

دانش صاحب برہان نے اس لغت کے ذیل میں چھے لفظ لکھے ہیں۔ ان میں سے غالب دانش گر کو نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک یہ لفظ غریب ہے، خدا کی صفت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور یہ "دانش آفریں" کا مترادف ہے۔

لیکن غالب کا یہ قیاس غلط ہے، اس کے معنی 'دانش مندی' ہی ہیں جیسا کہ برہان میں پایا جاتا ہے۔ صحاح الفرس (ص ۱۰۴) میں آیا ہے:

دانشگر دانشمند باشد، ملپان گفت:

کہ دانشگر ایش قولہا بشنود
پس آنگہ زمانی فرو آرمد

جہانگیری، سروری، رشیدی تینوں میں یہ لفظ موجود ہے، اور اول الذکر میں ملپان ہی کی بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے۔

دانک بفتح ثالث، اسم جنس حبوب، بضم ثالث طعامی کہ از گندم و ماش و عدس و کلہ پاچۂ گوسفند پزند۔ در ملک دکن ہہترِ چاروا دار۔

غالب کہتے ہیں کہ میں خورش کے معنی میں اس وقت قبول کروں گا جب کہ میں خود دیکھ لوں یا کم از کم سن لوں کہ اگر دیو کی خوراک ہو تو کیا، ہمارا روے سخن انسان ہے۔ 'ہہتر چاروا دار' بھی غلط ہے۔ اس معنی کے لیے لفظ دھانک ہے، جہانگیری میں دانک ایک خورش کا نام ہے جو بچوں کے دانت نکلنے کے موقع پر پکاتے ہیں۔ عدس و ماش حکیم محمد حسین دکنی کا اضافہ ہے۔

غالب کے اس بیان میں تضاد ہے، انکار کے بعد اقرار، مگر 'دکنی' پر یہ اعتراض باقی رہ گیا کہ اس نے خورش میں عدس ماش کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے۔ جہانگیری اور پھر رشیدی میں غلّہ کے ہر جنس کا امتزاج ہے، غالب کو اضافے کی شکایت نہ ہونی چاہیے بلکہ تخفیف کی، اس لیے کہ گندم، عدس، ماش، ہر جنس "غلّہ" نہیں ہے۔

محمد حسین صاحب برہان دکنی زبان میں دانگ بمعنی حہتر چار وادار لکھتا ہے شمالی ہندوستان کی زبان کا نام نہیں لیتا، یہ بھی عجب بات ہے کہ غالب صاحب برہان کے زمانے کی دکنی زبان کے متخصص ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ صاحب برہان کے معاصر رشیدی نے فرہنگ رشیدی (ص ۶۴۴) میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ اس کے بارے میں غالب کیا فرمائیں گے؟

دژم کے متعدد معنی برہان میں درج ہیں:

۱۔ افسردہ، غمگین، اندوہناک

۲۔ رنجور و بیمار و آشفتہ

۳۔ سرمست و مخمور

۴۔ تیرہ و تاریک

غالب کے نزدیک دژم کے معنی زشت و بد و ناخوش ہیں۔

زفان گویا میں دژم بمعنی اندوہگین و سرحسرت فرو فگندہ، اندیشہ مند و مخمور آیا ہے' قواس (ص ۹۵) میں پژماں و دژم بمعنی مخمور لکھا ہے، لیکن بیت شاہد سے پریشان و اندوہناک کے معنی نکلتے ہیں۔ سروری (۲ : ۵۴۹) میں غمگین و اندوہناک؛ آشفتہ سر، اور سیاہ و تیرہ، تین معنی لکھے ہیں اور تینوں کے لیے بیت شاہد نقل کی ہے۔ بہر حال فرہنگوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ برہان میں منقول معنی درست ہیں، غالب نے جو معنی لکھے وہ بعینہ کسی فرہنگ میں نہیں ملے۔

دوسانیدن و دوسیدن کے بارے میں غالبؔ کا فیصلہ یہ ہے:

"دوسیدن بمعنی چسبیدن اگر غلط نہ کنم مصدرآفریدۂ صاحب برہان است، تا درکلام سخنوران یا فرہنگ دیگران از نظر نہ گذرد، باور نتواں کرد۔"

زفان گویا میں دوسیدن مصدر موجود ہے۔ اوراس کے معنی چفسیدن لکھے ہیں اور دوسندہ بضم دال و بہ لغتی دال مفتوح زمین چرب ولخشان۔

قواس (ص ۲۹) دوسندہ؛ زمین چرب وچفسان۔

سروری (۲: ۵۵۹) دوسیدن یعنی چسبیدن، عطار:

چند پای ہر کسی بوسیدنت
از طمع در ہر خسی دوسیدنت

سروری (۲: ۵۶۵) دوسیدہ، چسبیدہ۔ اوحدی:

آب کمندیدہ خاک بوسیدہ
توئی چوں نفس و روح دوسیدہ

رشیدی (ص ۱۰) دوس، بضم دال و واو مجہول، چسپندہ، و دوسیدن چسپیدن وبریں قیاس دوسندہ، دوسیدہ، دوسند، دوسانید و دوسانندہ۔

دیماس بروزن ریواس، ترجمۂ توضیح باشد کہ عبارت از واضح شدن و ظاہر گردیدن باشد۔ (برہان)

یہی ایک دساتیری لفظ ہے جس میں غالبؔ صاحب برہان کے ہمخیال ہیں، دراصل حاشیہ نگاروں نے اس لفظ کے سلسلے میں صاحب برہان پر اعتراض کیا تھا، غالبؔ پہلے تو صاحب برہان کے جہل کا ذکر کرتے ہیں اور اس لفظ کے معنی کی حد تک اس کے ہم خیال ہیں، کیوں نہ ہوں، دونوں طلسم دساتیر کے اسیر تھے۔

"چوں صاحب برہان چنانکہ در فارسی کوراست در عربی نیز اعمی است، لاجرم اغلاط بیشتر بجاست، کس چہ کند؟ صاحب برہان ہمہ جا کج

می رود، ذہنی دارد معوج، قیاس دارد نادرست، وفکری دارد نارسا، اما حاشیۂ کہ در توضیح لغت دیماس رقم زدہ اند بیجاست. گوئی دریں جا ریں بیچارہ ستم رفت و ناوک اندیشۂ حاشیہ طرازان خطا کرد۔ دیماس لغتی است دری و پہلوی، بمعنی توضیح و تصریح، در کتب لغت عربی چرا یافتہ شود؟ ایں کہ در دیگر فرہنگہای فارسی نشان ندارد، صحت لفظ را زیان ندارد، تیمسار ساسان پنجم کہ ترجمہ دساتیر رقم کردہ اند دیماس را بمعنی توضیح چند جا آوردہ، حسنِ اتفاق را نازم کہ مرا نیز در شرح یک لغت با شارح دکنی ہم زبان ساخت۔" (ص ۸۳)

اس سلسلے میں صرف یہ اضافہ کروں گا کہ ساسان پنجم فرضی شخصیت ہے اور دساتیر جعلی کتاب۔ دیماس کا فارسی سے کوئی تعلق نہیں، نہ پہلوی میں اس کا وجود ہے اور نہ دری میں۔

راستاد بروزن بامداد، وظیفہ وراتب را گویند۔ (برہان)

غالب فرماتے ہیں راستاد غلط ہے، صحیح رستاد ہے جو رستی اور داد سے مرکب ہے رستی بمعنی ماحضر اور داد دادن سے ماضی ہے۔ کثرت استعمال سے رستاد ہوا، دو حرف قریب المخرج ہوں تو ایک گر جاتا ہے، (دال اول گر گیا تو) رستاد رہا۔

فارسی فرہنگوں میں یہ لفظ موجود ہے، غالب کی دور از کار توجیہات کی ضرورت نہیں۔ جہانگیری میں ہے: راستاد، وظیفہ وراتبہ را خوانند۔ حکیم فردوسی فرماید:

خدایا بخواہم ز تو راستاد

جو دست ہمہ را وظیفہ بداد

رشیدی (۱: ۲۰۷) میں فردوسی کی بیت سے راستاد کی توثیق کے بعد لکھا ہے:

لیکن ورستاد بدیں معنی خواہد آمد در واو،

ورستاد (۲: ۱۴۵۶) بفتحتین وظیفۂ مقرر کہ بدان اوقات گذر کنند، عسجدی گوید:

خدایا تو این جملہ را دستگیر
ورستاد جودت زما وا گیر

سروری (۳ : ۱۴۸۲) میں ہے : بتازیش وظیفہ گویند و ورستاد نیز، پھر اوپر والی بیت ابوشکور کے نام سے نقل ہے۔

زفان گویا : ورستاد وظیفہ، وراستاد نیز گویند۔

اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ راستاد بھی اس معنی میں ہے، مگر قواس (ص ۱۴۳) میں وراستاد ہے، یعنی اس سے یہ بھی قیاس ہوسکتا ہے کہ زفان گویا میں وراستاد میں واو عطف نہیں بلکہ کلمہ کا پہلا حرف ہے۔

بہر حال اگر شاہنامہ میں راستاد صحیح قرأت ہے تو اس لفظ کے وجود پر کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا، اس صورت میں ورستاد تو صحیح لفظ ہوگا مگر وراستاد صحیح شکل نہیں سمجھی جاسکتی، اس میں واو عطف ہوگا، لفظ کا جز نہیں۔

راوش بفتح ثالث بروزن آتش، کوکب مشتری را گویند۔ (برہان)

غالب کے نزدیک صحیح لفظ زاوش بروزن طاؤس ہے۔

اس کے وزن کے بارے میں دو رائیں ہیں۔ یعنی گازر اور کاؤس کے وزن پر زاوش ہے، برہان میں فتح ثالث غلط ہے۔ البتہ راوش کے وجود پر ایک شہادت دستور الافاضل (ص ۱۴۱) کی ہے۔ اس قدیم فرہنگ کے علاوہ رای مہملہ سے یہ لفظ کہیں اور نظر نہیں آیا۔ زفان گویا میں ہے کہ سین مہملہ سے بھی آیا ہے۔ سروری میں زوش بھی اسی معنی میں مع شعری سند کے درج ہے۔

راہ خفتہ کنایہ از راہی است کہ بسیار دور و دراز و ہموار باشد (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ دور و دراز اور ہموار مرادف نہیں، راہ خفتہ و راہ خوابیدہ ایسی راہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ نہ چلتے ہوں، لفظ سے یہی معنی نکلتے ہیں۔

غالبؔ کا پہلا اعتراض صحیح ہے کہ دُور دراز اور ہموار مترادف نہیں، البتہ جو معنی انھوں نے لکھے اس کی تصدیق لغات سے نہیں ہوتی۔

سروری (ج ۳ ص ۱۶۱۸) میں ہے:

راہ خفتہ کنایہ از راہ بسیار دور و دراز باشد۔ سراج الدین راجی:

رہِ خفتہ دپای سعیت بخواب
تو خود یکدم از خواب بیدار شو

رشیدی (ج ۱ ص ۷۲۹) میں ہے:

راہ خفتہ راہی کہ درازی داشتہ باشد، ظہوری:

راہ ملک عشق راہ خفتہ ایست
صد درازی خفتہ در پہنای او

رکیدن و رگیدن و زکیدن و ژکیدن

صاحبِ برہان نے اس کے معنی حالتِ خشم میں آہستہ آہستہ بات کہنا لکھا ہے۔ غالبؔ کا اعتراض یہ ہے کہ صحیح لغت ژکیدن ہے بمعنی بُڑبُڑانا۔ "سخنہای زیرلبی کہ از روی خشم باشد":

زفان گویا میں ہے: رکیدن خشم آلودگی نرم نرم باخود سخن گفتن۔

سروری: رکید یعنی بخود از اندوہ آہستہ آہستہ سخن گفت، شاہنامہ:

بگفت این و تیغ از میان برکشید
زخونِ سیاوش فراوان رکید

و بہ زای فارسی نیز آمدہ۔

ص ۶۳۱ پر اسی لغت میں رکیدن (مصدر) اور رکان (اسم حالیہ) آئے ہیں، اس کے بعد اضافہ ہے:

ایں ہر دو لغت بہ زای فارسی نیز آمدہ۔

ص ۷۰۴: ژکان بکاف تازی آں را گویند کہ از غایت خشم خود بخود سخن گوید فردوسی:

برفتند زاولیان ژکان و دژم
دہان پُر ز باد و روان پر ز غم

ص ۶۰۰: ژکندہ ہمان ژکان مرقوم:

رشیدی (۴۵، ۷) میں رکیدن و رکان کے ذیل میں لکھا ہے کہ زای فارسی سے ہے۔

نیز (ص ۸۹، ۷): ژکیدن، از غایت غضب خود بخود سخن کردن، و ژکان خود بخود سخن گوینده؛ فردوسی:

بگفت این و تیغ از میان بر کشید
زخون سیاوش فراوان ژکید

سروری اسی بیت سے رکیدن کے لیے شاہد لایا ہے۔

لغت فرس اسدی اور صحاح الفرس نخجوانی میں ژکان ہے۔

لغت فرس اسدی میں آیا ہے: درحال ژکیدن، آنکہ ژکد، کسی باخود دمدمہ کند از دل تنگی۔

صحاح الفرس (ص ۲۴۴) ژکان بمعنی کسی کہ از غایت خشم سخن نرم نرم گوید الخ۔

اور دونوں میں مثالیں درج ہیں۔ اسی طرح لغت نامۂ دہخدا میں فردوسی کی متعدد ابیات سے ژکیدن اور ژکان کی توثیق کی گئی ہے، لیکن فرہنگ شاہنامہ میں ژکان اور زکان دونوں صورتیں درج ہیں۔

ان بیانات سے واضح ہے کہ ژکیدن (زاے فارسی) سے جیسا کہ غالب نے لکھا ہے زیادہ مستعمل ہے۔ لیکن رکیدن کی بھی مثالیں مل جاتی ہیں ___ اور شاید یہ متن میں تصحیف کا نتیجہ ہو ___ اس بنا پر صاحب برہان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ جو صورتیں فرہنگوں میں آتی ہیں، ان کو درج کرے۔

ساتگین، ساتگنی، ساتگی، ساتگینی بمعنی پیالۂ شراب۔
(برہان)

غالب ساتگین کو صحیح شکل جانتے ہیں اور اس کا مخفف ساتگن بتاتے ہیں، بقیہ تین شکلیں ان کے نزدیک غلط ہیں۔ "این جا نیز سہ خطا و یک صواب"۔ (ص ۸۸)

لغت فرس اسدی (۵۲۷ اور صحاح الفرس (۳۰۳) : ساتگنی بمعنی پیالۂ شراب، عمارۂ مروزی :

چوں می خورم بہ ساتگنی یاد او خورم
و ز یاد او نباشد خالی مرا ضمیر

لغت نامہ میں منوچہری اور ناصر خسرو کی ابیات نقل ہیں جن میں ساتگنی بمعنی پیالۂ شراب آیا ہے۔

ساتگینی کے لیے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں :

ساقیا ساتگنی اندر دہ مطربا رود زن نرم و خوش بنواز

——— فرخی

چو وام ایزدی بنہادہ باشم مرادہ ساتگینی بر تو وام است

——— منوچہری

ہر دو خواجہ خدمت کردند و ساتگینی آوردند و نشاط تمام رفت و آن شراب خوردن بیان آمد۔

——— بیہقی

شراب لعل بدہ اندکی بدور و بدہ میاں دور درون ساتگینی گہ گاہ

——— ازرقی

ساتگین کے لیے منوچہری (دیوان : ص ۲۲۱) کی یہ بیت ملاحظہ ہو :

چہار شنبہ کہ روز بلاست بادہ بخور
بہ ساتگین می خور تا بہ عافیت گذرد

لیکن لغت نامۂ دہخدا میں دوسرا مصرع اس طرح نقل ہے، بہ ساتگینی خور الخ

ساتگی کے لیے کوئی بیت شاہد نہیں ملی، البتہ سروری (۸۲۱) میں ہے کہ " در نسخۂ میرزا ساتگی و ساتگی آمدہ"۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ ساتگی واضحاً مصحف ہے، البتہ

شرف نامہ منیری میں ساتگی موجود ہے۔ بعض لغت میں کاف فارسی سے اصح بتایا گیا ہے، اسی وجہ سے لغت نامہ دہخدا میں ان چار صورتوں کے علاوہ ساتکن، ساتگن، ساتکی اور بھی درج ہے۔

اوپر کی تشریح سے واضح ہے کہ سب سے زیادہ متداول شکل ساتگنی اور ساتگینی بقیہ کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ بہرحال غالبؔ کا اعتراض بے بنیاد ہے۔

سرپرست بمعنی خادم و خدمت گار باشد (برہان)

غالبؔ فرماتے ہیں: "خادم اور خدمت گار کے معنی میں بے سند ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، اردو میں سرپرست مربی و غمخوار کو کہتے ہیں، اگر کہا جائے کہ یہ لغت اضداد میں سے ہے جیسا کہ عربی میں مولی ہے، تو جواب یہ ہے کہ ہم نے خود اہلِ زبان کے کلام میں مربی و محسن کے معنی میں نہیں دیکھا ہے، اس کو اردو کا روزمرّہ جانتے ہیں، یہ لفظ خادم و پرستار کے معنی میں کسی نظم و نثر میں میری نظر سے نہیں گزرا، اس کے معنی کے لیے سند درکار ہے۔"

برہان کا ماخذ فرہنگ جہانگیری (ص ۱۰۱۵) ہے، اس میں آیا ہے:

سرپرست خادم باشد۔ فردوسی:

بدستوری سرپرستان سہ روز
مرا اورا بخوردن نیم دلفروز

اسی معنی میں نظامی نے بھی استعمال کیا ہے:

سروری بہ کہ یار من باشد
سرپرستی چہ کار من باشد

(گنجینۂ گنجوی ص ۸۶)

غیاث اللغات میں خادم و خدمت گار کے معنی میں ہے اور لغت نامۂ دہخدا میں بیمار دار و پرستار بیمار کے معنی میں مع فردوسی کی مذکورہ بالا بیت (بحوالۂ انجمن آرا) نقل ہوئی ہے۔ ڈاکٹر معین نے اپنی فرہنگ میں سرپرست کے یہ معنی درج کیے ہیں: (۱) کسی شخص،

چیز یا ادارے کی نگرانی کا ذمہ دار۔ (۲) حکومت کا کارندہ جو کسی دستے کا نگراں ہو۔ (۳) سردار، بزرگ (۴) پرستار، نگہبان۔

لیکن سرپرستی کے دو ہی معنی درج ہوئے ہیں:

(۱) نگہبانی۔ (۲) ریاست، سرداری۔

لغت نامہ میں سرپرستی کے تین معنی درج ہوئے ہیں:

(۱) کسی کی تیمارداری کرنا (۲) ریاست، بزرگی (۳) وزارت فرہنگ میں ایک عہدہ جس کے ذریعے دوسرے ممالک میں طالب علموں کی نگرانی ہوتی ہے۔ سرپرستی دانشجویان۔

دوسرے معنی کے لیے حسب ذیل دو شعر لغت نامے میں آئے ہیں:

سرپرستی رنج و خدمت آفت است　　من فراق این و آن خواہم گزید

——— خاقانی

بخورسندی برآور سر کہ رستی　　بلاے محکم آمد سرپرستی

بہرحال سرپرست اور سرپرستی فارسی میں متداول ہے، برہان کا بیان بے بنیاد نہیں۔ غالب کے معروضات کمیِ مطالعہ پر دلالت کرتے ہیں۔

سرخاریدن اس لغت کے بہت سے معنی برہان میں درج ہیں۔ غالب کہتے ہیں کہ وہ سب معنی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس کے ایک ہی معنی ہیں وہ یہ کہ انسان ایسی حالت میں کہ عاجز ہو اور کوئی کام نہ کرسکتا ہو، یہ کام شروع کرے۔ پھر عرفی کا یہ شعر سند میں پیش کیا ہے:

مرا زمانۂ طنّاز دست بستہ و تیغ
زند بفرقم و گوید کہ ہاں سری میخار

فرہنگوں میں اس کے متعدد معنی درج ہیں، مثلاً موید الفضلا (ص ۵۰۲) میں بمعنی نومید شدن، عاجز شدن، شرمندہ شدن کے ہیں۔

جہانگیری میں ہے :

سرخاریدن ، کنایہ از چار چیز است : اوّل کنایہ از نگاہ داشتن باشد۔ مولوی معنوی فرماید :

عشرتی ہست دریں گوشہ غنیمت دارید　　دولتی ہست حریفان سرِ دولت خارید

دوم کنایہ از لطف نمودن و تسلی کردن است ، ہم او گوید :

من سر و پا گم کنم دل ز جہان برکنم

گر نفسی او بلطف سر نخارد مرا

سوم تعلیر ... را اہمال کردن بود ، حکیم فردوسی گفتہ :

اگر ہیچ سر خار ... از آمدن الخ

چہارم کنایہ از حیلہ و مکر و بہانہ آمدہ ، امیر خسرو بنظم آوردہ :

از تنزہ پیشہ کن در گنج یابی خوش مشو

با قضا تسلیم شو ور تیغ بارد سر مخار

حکیم فردوسی راست :

بدستاں بگو آنچہ دیدی بکار

بگویش کہ از آمدن سر مخار

سروری (۲ : ۶۲۴) میں حسب ذیل بیان ہے : سرخاریدن یعنی نومید شدن ونیز کنایہ از عاجز شدن در جواب خصم و شرمندہ شدن و نیز راغب کردن و تملق نمودن مر دیگری را و لطف نمودن و تسلی ساختن ، مثال اول و دوم ، شیخ سعدی گوید :

خاری چہ بود بپائے عشاق

تیغش بزنی کہ سر نخارد

مثال سوم و چہارم ، مولوی معنوی :

من سر و پا گم کنم ، دل ز جہان برکنم

گر نفسی او بلطف سر نخارد مرا

و در فرہنگ جہانگیری بمعنی نگاہ داشتن و مکر و حیلہ و بہانہ نیز آمدہ و بمعنی تعلل کردن واہمال نمودن نیز آمدہ، چنانچہ فردوسی گوید:

اگر ہیچ سرخاری از آمدن
سپہبد ہمی زود خواہد شدن

رشیدی (ص ۸۶۰) میں اس کے معنی نگاہ داشتن، لطف کردن، تسلی نمودن وحیلہ و مکر و بہانہ واہمال کردن وتعلل نمودن، وہی سب ہے جو جہانگیری اور برہان میں ہے۔ اور چند مثالیں بھی بغیر تعین معنی کے درج ہوئی ہیں۔ لغت نامے میں متعدد معانی درج ہیں، ان میں سے نومید ہونے کی یہ دو مثالیں ہیں:

درست ناید زان مدعی حکایت عشق   کہ در مواجہہ تیغش زنند و سر خارد

—— سعدی

مباد آں روز کز درگاہ لطفت   بدست ناامیدی سر بخارم

—— سعدی

بہانہ کرنا، سستی کرنا، تعلل کرنا، کے لیے یہ مثالیں ہیں:

نامۂ دیگری بنوشت وگفت: آنچہ من ترا گفتم باید سرنخاری وحرب دشمن پیش گیری۔

اگر ہیچ سرخاری از آمدن   سپہبد ہمی زود خواہد شدن

—— فردوسی

بدستان بگوی آنچہ دیدی زکار   بگویش کہ از آمدن سر مخار

"

ہیونی تگاور بر افگند شاہ   بہ بہرام تا سر نخارد براہ

"

مشغول عشق جانان گر عاشق است صادق   در روز تیر باران باید کہ سر نخارد

"

ڈاکٹر معین نے لغوی معنی کے علاوہ چھے معانی دئے ہیں:

۱۔ نومید شدن ۲۔ اہمال کردن ۳۔ عاجز شدن ۴۔ خجل شدن

۵۔ حیلہ و مکر کردن　　۶۔ بہانہ آوردن

(ان میں پانچویں اور چھٹے معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔)

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ برہان میں اپنی طرف سے کوئی معنی نہیں لکھے گئے ہیں، اس میں قدیم فرہنگوں کے مطالب درج ہوئے ہیں۔ غالب نے سر خاریدن کے محض ایک معنی درج کئے ہیں جو یقیناً ان کے مطالعے کی کمی کا نتیجہ ہے۔

سکالش و سگالش برہان میں دونوں شکلیں درج ہیں۔ غالب نے لکھا ہے کہ "یہ گاف سے درست ہے، کاف سے نہیں۔" اگرچہ گاف ہی سے اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔ لیکن کاف سے بھی صحیح ہے۔ جہانگیری میں سگال، سگالش، سگالیدن گاف ہی سے ہے۔ اور ڈاکٹر عفیفی نے حاشیہ (ص ۱۵۶۸) میں متعدد مثالیں درج کی ہیں جن میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات گاف ہی سے درج ہیں۔

ڈاکٹر معین نے سکالش کے علاوہ اسکالش بھی لکھا ہے، فرہنگ معین میں اسکالش، سکالش، اسگالش، سگالش چاروں شکلیں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر معین نے حاشیۂ برہان میں سگالیدن مصدر سے سگالش اسم مصدر بتایا ہے۔

شاخل بکسر ثالث بروزن داخل نوعی از غلہ کہ نان ازان پزند (برہان)

غالب نے اعتراض کیا ہے کہ شاخل بروزن داخل نہیں، خے پر پیش ہے۔ چنانچہ شاخول نتیجۂ اشباع ضمہ ہے۔ برہان میں زیر اور پیش دونوں حرکت ہے، مگر غالب نے صرف زیر کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ شاخل کے حرف سوم پر اکثر فرہنگوں میں فتحہ ملتا ہے۔ مثلاً جہانگیری (۳۸۰) سروری، موید الفضلا البتہ رشیدی میں شاخل کے خے پر پیش ہی بتایا گیا ہے۔ سروری نے موید الفضلا کی روایت میں پیش لکھا ہے۔ لیکن مطبوعہ نسخے میں زیر ہی ہے۔ البتہ غیاث اللغات میں برہان کی طرح زیر اور پیش دونوں ملتا ہے۔ فرہنگ معین میں کسرہ اور ضمہ سے ہے جب کہ لغت نامہ میں تینوں حرکتوں سے درج ہے۔

غالب نے مزید یہ لکھا ہے۔ "اس کو ارہر کہتے ہیں، اور ارہر کی روٹی نہیں پکتی، دکن میں یعنی صاحب برہان قاطع کے خطے میں پکتی ہوگی۔"

شمالی ہند میں ارہر کی دال کھائی جاتی ہے، لیکن کبھی کبھی روٹی بھی پکاتے ہیں اور ایران میں غالباً یہ غلہ روٹی کے لیے مخصوص تھا، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی روٹی گیہوں سے بہت کم تر درجے کی ہوتی ہے، اور غریبوں کی خوراک ہے، خاقانی کی یہ بیت جہانگیری، سروری وغیرہ فرہنگوں میں نقل ہے:

می خوری توگرچہ ایوان نعمت اندر خوانِ کس
نانِ شاخل خوشتر آید گر خوری بر خوانِ خویش

شاب ود، شاب ورد، شادورد، شارود، شاہ ورد، شای ورد بمعنی ہالۂ ماہ (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ "ان چھوں کے معنی ہالۂ ماہ ہے۔ معلوم نہیں صحیح کون سا ہے۔

جہانگیری میں چار صورتیں ہیں: شابورد (ص ۳۷۷)، شادورد (ص ۳۸۵)، شاہ ورد (۴۰۲) اور شایورد (۴۰۶) اور سروری میں تین ہیں یعنی شادورد، شاہ ورد، شای ورد اور تیسرے اور پہلے معنی کے لیے شاہد نقل کیے ہیں:

یکے ہمچون پرن در اوج خورشید
یکی چون شایورد از دور مہتاب (فیروز مشرقی)

لغت فرس (ص ۸۷) میں یہی بیت مع ایک اور بیت کے قطعہ نما درج ہے۔

دل گشتہ از علامت خطت امیدوار
چون برزگر کہ می شود از شادورد شاہ

دکتر معین کے نزدیک یہی تینوں شکلیں صحیح ہیں، بقیہ مصحف، شابود اور شابورد دونوں شایورد کی اور شارود شادورد کی تصحیف ہے۔ (رک حاشیہ برہان قاطع، ذیل شارود) شادورد ذیل شارود، شادورد کی مثالیں لغت نامۂ دہخدا میں درج ہیں۔

برہان کی چھے صورتوں میں دو کا ماخذ مجھے نہیں مل سکا ہے۔ بقیہ چار شکلیں جہانگیری

میں موجود ہیں۔

سرخ شبان باھودار اسم حضرت موسیٰ علیہ السلام است بزبان پہلوی (برہان)

غالب نے باہو کو یاہو پڑھا ہے، اور پھر صاحب برہان کی وہ کھنچائی کی کہ خدا کی پناہ: "اس کی وجہ تسمیہ دل میں نہیں بیٹھتی، سوائے لفظ شبان کے (چرواہا) جو حضرت موسیٰ سے مناسبت رکھتا ہے، کوئی دوسرا لفظ اس موقع کے مناسب نہیں، سُرخ یعنی چہ؟ یاہو کے کیا معنی؟ اس زمانے میں یاہو کبوتر کی ایک قسم ہے، لیکن یہ لغت نیا بنا ہے، اس زمانے کی فارسی نہیں، آخر حضرت موسیٰ کون سا جانور یا کون سی چیز اپنے ساتھ رکھتے تھے کہ یاہو کے لقب سے ملقب ہوئے، عصا یاہو نہیں، ید بیضا یاہو نہیں، توریت یاہو نہیں، طور یاہو نہیں، مطالعہ کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ اگر ان کے خیال میں کوئی بات آئے تو مجھے مطلع فرمائیں، اور اگر میں زندہ نہ رہوں تو اس کتاب کے حاشیے میں لکھ دیں تاکہ دکنی کی بات مسلم ہو جائے، اور جو اس رسالہ کو نقل کرے، اس عبارت کو حاشیہ پر لکھ لے۔" اس تحریر کے بعد یاد آیا کہ ماہو چرواہوں کی لاٹھی کو کہتے ہیں "میاں (صاحب برہان قاطع) نے ماہو کو یاہو پڑھا اور 'م' کے بجائے 'ی' لکھا۔"

اگر غالب ذرا سی توجہ فرماتے تو چھاپے کی اس غلطی کا ازالہ کر لیتے اور ان کو خواہ مخواہ کی اتنی طویل گفتگو کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی، لیکن ان کی طبیعت ہنگامہ خیز تھی، اس املاکی غلطی کو انھوں نے مصنف کے سر باندھ کر لطفِ سخن کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ روز کا مشاہدہ ہے کہ لفظوں کا فرق کس طرح ہماری تحریروں میں بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے، لیکن جو املائی تسامح واضح ہو اس پر اتنا استہزا کس شریعت میں روا ہوگا۔

بہرحال یاہو غلط ہے، صحیح لفظ باہو ہے جس کے معنی 'چرواہے کی لاٹھی' ہے، لیکن غالب نے اس باہو کو ماہو پڑھا اور املائی غلطی کے امکان کو یقین میں بدل دیا۔ کیونکہ لکھتے ہیں کہ صاحب برہان نے 'م' کو 'ی' میں تبدیل کر دیا ہے۔

باہو اکثر فارسی لغات میں موجود ہے، مثلاً صحاح الفرس میں جو اوائل آٹھویں صدی کی فرہنگ ہے یہ لفظ آیا ہے: فصل با، باہو، چوبدستی باشد کہ شبانان و مسافران دارند (ص ۲۹۲)
جہانگیری میں فصل با کے تحت آیا ہے:
باہو باہای مضموم و واو معروف، دو معنی دارد: اوّل چوبدستی باشد، استاد فرخی فرماید:

من چون چنان بدیدم جستم ز جای خواب
باہو بدست کردہ بہ اشتر شدم فراز

سروری (۱: ۱۸۹): باہو بضم ہا، چوبدستی کہ شتربانان بدست گیرند، حکیم سوزنی فرماید:

ہر کہ از پشت دلش بارِ ولای تو فگند
زخم باہو خورد از حادثۂ چرخ بلند

استاد فرخی: من چون چنان بدیدم الخ
سرخ شبان باہودار کے سلسلے میں عرض ہے کہ بعض فرہنگوں میں یہ کنایہ موجود ہے، مثلاً موید الفضلا (ص ۴۸۴) میں آیا ہے:
نام حضرت موسیٰ علیہ السلام بزبان پہلوی۔
بعینہٖ یہی عبارت جہانگیری (ص ۱۰۲۰) میں ہے، ملاحظہ ہو: سرخ شبان باہو دار، نام حضرت موسیٰ پیغمبر است علیٰ نبینا و علیہ السلام بزبان پہلوی۔
میرے خیال میں پہلوی کا اضافہ بے سود ہے۔ خود ترکیب فارسی اور اس کے سارے اجزا فارسی، تو پہلوی کا اضافہ بے معنی ہے۔ ڈاکٹر معین حاشیہ میں لکھتے ہیں: یہوہ بعبری خدای بنی اسرائیل، یا "یہودا" یا "یہودان" در ہر حال پہلوی نیست۔

سیاوش

غالب فرماتے ہیں:
"بر سیاوش تہمت می نہد کہ عاشق سودابہ بود، مگر این بی ہنر ازا مت آن زن دروغگو است کہ قول او را راست می پندارد و سیاوش را دلدادۂ او می نگارد[۹۲] در پایان ص ۹۴ ہر ہفت فاضل صدر بر مفتری کاذب کہ سیاوش را عاشق سودابہ وامی نماید، نفرین می کنند"

برہان قاطع کے بیان میں تسامح ہے، سیاوش سودابہ پر عاشق نہیں ہوا تھا بلکہ سودابہ سیاوش پر عاشق تھی، سیاوش کیکاوس بادشاہ کیانی کا بیٹا تھا، کیکاوس کی دوسری بیوی سودابہ اس پر عاشق ہوگئی، لیکن سیاوش سودابہ کے چکر میں نہیں آیا اس پر سودابہ نے کیکاوس سے شکایت کی کہ سیاوش نے اس کی بے عزتی کی۔ سیاوش نے اپنی برائت ظاہر کی، کیکاوس نے آزمائش کے لیے اس کو آگ پر چلنے کے لیے کہا، چنانچہ وہ دہکتی آگ سے صحیح وسالم گذر گیا، پھر وہ توران میں افراسیاب کے پاس چلا گیا، اور اس کی بیٹی فرنگیس سے شادی کرلی۔ لیکن اپنے بھائی گرسیوز کی تحریک پر افراسیاب نے اسے قتل کر ڈالا، مشہور کیانی بادشاہ کیخسرو، سیاوش اور فرنگیس کا بیٹا ہے، سیاوش کی داستان شاہنامہ کی مشہور داستانوں میں سے ہے جو طبع بروخیم کے ص ۴۱۱ سے ۵۱۹ تک پھیلی ہوئی ہے۔

شاوور اسم پادشاہ و شخصی کہ میانِ عاشق و معشوق میانجیگری کند (برہان)

غالب کا بیان یہ ہے کہ" بادشاہ کا نام شاپور ہے۔ شاوور نہیں، شاوور خسرو پرویز کے مصوّر کا نام ہے۔ شاوور ہی نے شیریں کی شکارگاہ میں خسرو کی تصویر کھینچی تھی، اور شیریں کا پیغام خسرو کے پاس لایا تھا۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاوور اسے کہتے ہیں جو زن و مرد کے درمیان واسطہ ہوتا ہے، کاتبوں کی بے توجہی سے شاوور شاپور ہوگیا۔

اس سلسلے میں میرے معروضات یہ ہیں:

(۱) بعض فرہنگوں میں شاوور شاپور کی دوسری شکل بتائی گئی، مثلاً جہانگیری (ص ۳۹۶) شاوور بمعنی شاپور است، امیر خسرو فرماید:

برفتن ہمرکاب شاہ شاوور
ہمی کرد از سخن کوتہ رہ دور

لیکن سروری میں ہے کہ شاپور خسرو پرویز اور شیریں کے درمیان واسطہ تھا جو شاوور بھی کہلاتا تھا۔ چنانچہ نظامی لکھتے ہیں:

ندیمی خاص بودش نام شاپور — جہان گشتہ زمغرب تا لہاوور

زنقاشی بہ مانی مژدہ دادہ برسامی در اقلیدس کشادہ
قلم را چابکی صورت گری چست
کہ بی کلک از خیالش نقش می رست

(خسرو شیریں چاپ دوم وحید دستگیری ص ۴۸)

سروری میں پہلی بیت شاپور کی شاہد نقل ہوئی ہے۔ جو خسرو کا ندیم تھا۔ گویا سروری کے بیان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شاپور بادشاہ بھی شاد ور کہلاتا تھا، گو جہانگیری نے شاد ور اور شاپور کو ایک دوسرے کا مبدل منہ قرار دیا ہے، اسی وجہ سے صاحب برہان نے شاپور بادشاہ کو شاد ور کہا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شاپور کا نام شاد ور نہ تھا۔

(۲) غالب کا یہ خیال ہے کہ شاد ور کا نام شاپور کاتبوں کی بے احتیاطی کا نتیجہ ہے، لیکن صورت ایسی نہیں کیونکہ خسرو شیریں میں جو اس لفظ کا قدیم ترین ماخذ ہے، مصوّر کا نام شاپور ہی دیا ہے۔

(۳) بعض فرہنگوں میں شاد ور کو اسم صفاتی قرار دے کر اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جو عاشق معشوق کے درمیان میانجیگری کرے۔ مثلاً موید الفضلا (ص ۵۲۷) میں ہے: "شاد ور بروزن ساطور، آنکہ میان عاشق و معشوق میانجی بود و پیغام بریکدیگر می رساند"۔

(۴) شاپور ساسانی خاندان کے دو جلیل القدر بادشاہوں کے علاوہ کئی اور شخصیات کا نام ہے، اسی طرح شاد ور نام کے متعدد اشخاص ایران کی تاریخ میں مذکور ہیں۔ اس سلسلے میں لغت نامۂ دہخدا کا مطالعہ مفید ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگرچہ صاحب برہان کا یہ قیاس کہ شاد ور بادشاہ کا نام تھا، درست نہیں، اس کو جہانگیری کے عام بیان سے سہو ہوا، لیکن غالب کا اعتراض پوری طرح درست نہیں۔

شب دوان کنایہ از شب زندہ داران و سالکان باشد، وکنایہ از عسس و دزد و عیار ہم ہست (برہان)

غالب کے دو اعتراضات ہیں: (۱) شب رو کے معنی چور کے ہیں، سالک و شب زندہ دار کو شب رو کوئی نہیں کہے گا۔ (۲) شب روان جمع ہے اور اس کے معنی "عسس دزد عیار است" واحد لکھے ہیں۔

دوسرا اعتراض صحیح ہے، بلطف کی بات یہ ہے کہ برہان میں اصل لغت جمع اور معنی صیغۂ واحد میں بیان ہوا ہے۔ لیکن جہانگیری میں لغت واحد اور معنی صیغۂ جمع میں اس طرح ملتا ہے:

شب رو و شب روان کنایہ از دو چیز است: اوّل از شب زندہ داران و سالکان، دوم کنایہ از دزدان و عیاران۔

اس سے غالب کا پہلا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔ موید الفضلا (ص ۵۴۴) میں شب رو بمعنی عاشق و شب بیدار و سالک لکھا ہے۔ اور ص ۵۴۰ میں شب روان بمعنی شب بیداران از صلحا و عشاق و عیاران آیا ہے۔

اگرچہ عام فرہنگوں میں شب رو عسس کے معنی میں نہیں آیا لیکن زمخشری نے مقدمۃ الادب (جلد ۲ ص ۲۵۶) میں عاس کے ذیل میں لکھا ہے:

پاسبانِ شب، شبگرد، شب رو، شب نگہ دار، نگہبانِ شب، یک تن از پاسداران درشب۔

یہاں ایک بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ غالب نے شب روان کے معنی کے ذیل میں عسسان و دزدان و عیاران لکھا ہے، اور عسس کو دزد و عیار کی طرح واحد بتایا ہے، یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔ عسس خود جمع ہے اور عاس واحد، البتہ فارسی میں واحد لفظ کا استعمال شاذ ہے۔ عربی میں عاس اسم فاعل ہے۔ دستور الاخوان (ص ۴۲۱) میں ہے:
العاس: آنکہ شب گردد از بہر احتراس از دزدان العسس جماعہ (جمع)۔ اسی لغت (ص ۴۲۴) میں ہے: العاس: بہ شب گشتن برای احتراس از دزدان۔ ایضاً العسس: بہ شب گشتن برای احتراس از دزدان۔ پاسبانان کہ بشب گردند۔

بہر حال زمخشری کے بیان سے واضح ہو گیا کہ شب رو کے معنی پاسبانِ شب کے

ہیں جیسا کہ برہان میں موجود ہے۔

شرک برہان میں اس کے متعدد معانی درج ہیں، اور غالب معترض ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: "شرک بفتح اوّل بروزن فلک لکھتا ہے۔ حالانکہ فلک فتحتین سے ہے اس کے بعد اس کے معنی شرا کہتا ہے جس کو عربی میں حصبہ کہتے ہیں، پھر اضافہ ہے کہ عربی میں ریسمان گرہ در گرہ ہے۔ جو فارسی میں بلغشنہ ہے، اس کے بعد راہ بزرگ و وسیع کے معنی میں لکھتا ہے۔ پھر راہ کے درمیان کو کہا ہے، اس زمانے میں انگریزی حکومت نہ تھی، مجھے حیرت ہے کہ اس بندۂ خدا نے لفظ شرک کہاں سے سنا کہ ازروی تفریس شرک لکھا ہے، اس کے فتح اوّل اور سکون ثانی سے بمعنی کپڑے کا ٹکڑا جس میں دوا باندھتے ہیں، لکھا ہے، اور کسر اوّل اور سکون ثانی سے بمعنی جدری تحریر کیا ہے۔ اور عربی میں خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اور خود ظاہر ہے کہ شرک عربی کا لفظ ہے۔ جو تصریف پذیر ہے، لیکن حصبہ[1] جدری[2] (بتغییر حرکات) و راہ بزرگ و میان و وسط راہ، پارچہ و جامہ جس میں دوا باندھی جائے جو عربی[3] میں بلغشنہ، یہ پیچ در پیچ بیابان برہان سے ہے یا بحران کی وجہ سے۔"

صاحب برہان نے یہ ساری تفصیل جہانگیری سے لی ہے جس میں یہ مندرجات ہیں: شرک باول و ثانی مفتوح، جوشش کا نام ہے جو خون میں صفرا کی زیادتی سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو شرا[4] کہتے ہیں۔ عربی میں تین معنی میں استعمال ہوا ہے: اوّل یہ کہ رسّی کے ایک سرے پر حلقہ بنا کر اس میں گرہ لگاتے ہیں اور دوسرے سرے کو اس میں ڈال کر نکالتے

۱؎ بمعنی سرخچہ (مقدمۃ الادب ص ۳۳۲ و دستور الاخوان ص ۲۲۴) اخوینی نے چیچک کی ایک قسم سرخجہ بتائی ہے۔ (ہدایہ ص ۷۳۶)

۲؎ جدری آبلہ یعنی چیچک، اخوینی یعنی آبلہ (چیچک) کا بیان جدری اور حصبہ کے ذیل میں کرتا ہے۔ (ہدایہ ص ۷۳۵)، اس سے دونوں کا مترادف ہونا یقینی ہے۔

۳؎ یہ غلط ہے، فارسی ہونا چاہیئے۔

۴؎ شرٰی کے معنی سرخجہ (دستور الاخوان ص ۳۶۵) اس سے واضح ہے کہ شرٰی اور حصبہ و جدری

(صفحہ ۱۱۶ دیکھئے)

ہیں اس طرح کہ محض رسّی کے کھینچتے ہی حلقہ تنگ ہو جاتا ہے، اس کو فارسی میں بلغشنہ کہتے ہیں۔ دوم راہ بزرگ۔ سوم میانہ راہ۔

اور اوّل مفتوح و سکون ثانی بمعنی کپڑا جس میں دوا باندھتے ہیں۔ اور اوّل مفتوح و سکون ثانی اس دمیدگی (دانوں) کو کہتے ہیں جو اکثر بچوں کو ہوتی ہے جس کو عربی میں جدری کہتے ہیں، اور عربی میں شرک۔

اگرچہ اتنی تفصیل کسی فرہنگ میں نہیں ملتی پھر بھی بعض کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔

فرہنگ قواس (ص ۱۵۷) میں ہے:

شرک جامۂ دارو۔

زفان گویا میں یہی معنی ہے، مدار الافاضل (ج ۲ ص ۵۵۸) میں ہے کہ شرک (عربی) بگفتۂ پنج بخشی (یعنی زفان گویا) بمعنی جامۂ دارو نوشتہ و حال آنکہ پنج بخشی فارسی بفارسی است۔

موید الفضلا (ص ۵۳۵): بالفتح و قیل بالکسر، نوعی از دمیدگی کہ بیشتر کودکان را بود کہ ہندش بودری نامند و سبیل نیز گویند، و قیل شرک بفتحتین دام و راہہای بزرگ و میان راہہای بزرگ، (اطلاعاً عرض ہے کہ موید انگریزی عملداری سے بہت قبل ۹۲۵ھ میں لکھی گئی اور اس میں شرک بمعنی (سڑک) راہ بزرگ موجود ہے۔

سروری (ص ۷۶۷) میں ہے: شرک (بکسر و فتح شین و سکون را) در نسخۂ میرزا بمعنی حصبہ باشد و بمعنی خرقہ کہ دارو دران بندند نیز آمدہ، و در شرف نامہ بمعنی دوم آمدہ و بس،

حاشیہ صفحہ ۱۱۵ سے آگے

ایک ہی چیز ہے۔ یعنی آبلہ (چیچک) لیکن جہانگیری میں شرا کو جدری سے الگ بتایا گیا ہے۔ شَرَی (= سرا) دستور الاخوان (ص ۳۶۵) میں سرخچہ ہے جو عربی حصبہ اور جدری کے مترادف ہے۔ اس بنا پر یہ معنی وہی ہے جو جہانگیری میں آخر سے پہلے ایک الگ معنی کی صورت میں درج ہے، البتہ ہدایۃ المتعلمین ص ۵۹۸ میں اس کا فارسی مترادف شیرہ ہے۔ اس میں یہ سرخچہ سے الگ بیماری قرار دی گئی ہے کہ دانے اس میں بھی نکلتے ہیں۔ نیز دیکھئے ذخیرہ خوارزمشاہی ۴۲/۲

و در فرہنگ جہانگیری بمعنی جوششی کہ بعربی شرا گویند، شرک بفتحتین آمدہ۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ سرک اور شرک حصبہ و جدری (چیچک) کے معنی کے لحاظ سے مترادف ہیں، مثلاً موید (ص ۴۹۳): سرک بالضم علتی است کہ بتازی حصبہ و اہل ہند بودری۔

(ص ۵۳۵) شرک بالفتح وقیل بالکسر، نوعی از دمیدگی ... ہندش بودری نامند۔
جہانگیری، سرک، با اول مضموم بثانی زدہ، جوششی ... و آنرا حصبہ خوانند۔
〃 شرک، نوعی از دمیدگی باشد کہ آنرا بتازی جدری خوانند۔
سروری (۶۴۷) سرک، مرضی است کہ آنرا حصبہ گویند بعربی و بفارسی سرخچہ۔
〃 (۶۶۷) شرک در نسخۂ میرزا مرض حصبہ باشد الخ

شش ضرب نتیجۂ خوب

شش ضرب نتیجۂ خوب کنایہ از گوہر و زر باشد و کنایہ از مشک و کنایہ از شکر و عسل و اقسام میوہ ہا ہم است و بحذف ضرب ہم آمدہ۔ (برہان)

ادات الفضلا میں ہے: شش نتیجۂ خوب بمعنی گوہر و زر و مشک و انگبین و (شکر) و اقسام میوہ۔

موید الفضلا (ص ۵۲۰) میں شش نتیجۂ خوب بحذف ضرب ہے: شش نتیجہ خوب یعنی گوہر و زر و مشک و انگبین و شکر و اجناس میوہ، بنا بریں واضح ہے کہ برہان میں جو کچھ لکھا ہے اس کے ماخذ موجود ہیں۔ پس غالب کا ایراد ختم ہو جاتا ہے۔

شرنگ

شرنگ زہر و نام خربزۂ تلخ (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ "شرنگ کے معنی زہر کے ہیں اور یہ خربزۂ تلخ نہیں ہے، بلکہ ایک نہایت کڑوا پھل ہے، جس کی شکل خربزے کی طرح ہوتی ہے۔ عربی میں اس کو حنظل، فارسی میں شرنگ اور ہندی میں اندرائن کہتے ہیں۔

ذیل میں شرنگ کے جو معانی فارسی فرہنگوں میں ملتے ہیں، درج کیے جاتے ہیں:

لغت فرس اسدی (ص ۷۵)، شرنگ گیاہی تلخ است چون زہر، رودکی:

ہمہ بتنبل و بنداست بازگشتنِ او
شرنگ نوش امیغست و روی زرد اندود

صحاح الفرس (ص ۱۹۸) شرنگ گیاہی تلخ باشد، آں را کبست خوانند، فردوسی:

نیارد بیک کار کردن درنگ
گہی نوش باد آورد گہہ شرنگ

ظہیر فاریابی:

ابای شعر مرا بین و چاشنی مطلب
کہ در مذاقِ زمانہ یکی است شہد و شرنگ

فرہنگ قواس (ص ۴۰): شرنگ نیز زہر است، فرخی گوید:

شاد باش اے ملکِ شہر گشایندہ کہ شد
در دہانِ عدو از ہیبتِ تو شہد شرنگ

لیکن یہ واضح رہے کہ یہ لغت نبات کے ذیل میں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کا دوسرا معنی قواس کے موجودہ نسخے سے خارج ہے۔

دستورالافاضل (ص ۱۶۵) شرنگ، زہر۔

ادات الفضلا: شرنگ، زہر

بحر الفضائل: شرنگ، زہر

زفان گویا: شرنگ، زہر و گویند گیاہ خربزہ و تلخک، بفتح شین۔

موید الفضلا (ص ۵۳۶): شرنگ بالفتح و الکسر، زہر و قیل خربزۂ تلخ الخ

۱؎ دکتر معین نے لغت فرس (ص ۲۸۱) کے حوالے سے یہ بیت مطلق زہر کے معنی کے لیے نقل کی ہے:

شاد باش اے ملک شہر گشایندہ کہ شد
در دہانِ ہمہ از ہیبتِ تو شہد شرنگ

(حاشیہ برہان ذیل شرنگ)

مدار (ج ۲ ص ۵۵۹): شرنگ بفتحتین و کاف فارسی، زہر و گیاہ خربزہ و تلخک، بکسر سین نیز، استاد:

تیر فلکِ ستم خدنگ است　　شہد و شکر جہاں شرنگ است۔

جہانگیری (ص ۱۰۴۲) میں ہے کہ شرنگ خربزۂ تلخ ہے جو جنگل میں ہوتا ہے اور عربی میں اس کو حنظل کہتے ہیں۔ خاقانی:

ہر کہ بایاد تو شرنگ خورد
ہمچنان دان کہ نیشکر خورد ست

انوری: تیر ستم فلک خدنگ است الخ

عمید لویکی: بنگِ سگ سراز سر وحشت زبان گشاد
کای نزد اہلِ عقل یکی شکر و شرنگ

وآن را کبست نیز نامند۔

سروری (ص ۸۷۰) شرنگ (بفتح شین و رای مہملہ) زہر باشد۔

تیرِ ستم فلک خدنگ است
شہد شرہٗ جہان شرنگ است

رشیدی (ص ۹۳۱): شرنگ بفتحتین و سکون نون، حنظل و در تحفہ خرزہرہ۔

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ اس کے اصلی معنی تو حنظل کے ہیں جس کو خربزۂ تلخ کہا گیا ہے، لیکن مجازی معنی زہر کے ہیں، اور یہ معنی اتنی کثرت سے متداول ہے کہ اکثر فرہنگوں میں صرف یہی ایک معنی درج ہے۔ بہر حال غالب کی گرفت میں وزن ہونے کے باوجود بالکلیہ درست نہیں، اور جب برہان کے ماخذ میں دونوں معنی ملتے ہیں تو صاحب برہان کے لیے دونوں کے درج کرنے کے علاوہ چارہ بھی نہ تھا۔

شب گرد ماہ را گویند و بعربی قمر خوانند و عسس و شبرو را نیز گفتہ اند (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ ماہ کو شب گرد کے بجائے شب افروز کہنا زیادہ مناسب ہے، عسس و

شبرو کے ایک معنی نہیں ہو سکتے، "شب گرد شحنہ و عسس را گویند نہ قمر و دزد و عیار را و شبرو دزد را خوانند، نہ عسس و عابد و شب زندہ دار را"

شب رو کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ اس کے معنی عابد شب زندہ دار، شحنہ اور دزد و عیار کے ہوتے ہیں، اس لیے غالب کا دوسرا قیاس سرتاسر بے بنیاد ہے، البتہ ان کا قیاس اس حد تک صحیح ہے کہ شب گرد کے معنی نگہبانِ شب شحنہ و عسس کے ہیں، جیسا کہ مقدمۃ الادب زمخشری (ص ۲۵۶) سے ظاہر ہے۔ لیکن دوسرے اور معانی کی تصدیق فرہنگ معین سے ہو جاتی ہے، اس میں شب گرد کے حسب ذیل معانی دیے ہیں:

۱۔ شب رو، ۲۔ ماہ۔ قمر ۳۔ عسس، پاسبانِ شب، ۴۔ دزد، راہزن۔

شکوہ بضم اول بمعنی ہیکل باقوت و مہابت، وبکسرہ اول بمعنی ترس و بیم (برہان)

غالب ایراد فرماتے ہیں: "معلوم نہیں کہ یہ فرق (ضمہ و کسرہ) کس سے سیکھا ہے اور ہیکل باقوت کہاں سے لایا ہے، شکوہ بضم شین سے ہرگز نہیں، کسرہ سین و ضمۂ کاف و واو مجہول سے ہے، اس کے معنی مہابت و عظمت سے متاثر ہونا، اس کا ترجمہ ہندی میں رعب میں آنا ہے۔"

لغت فرس چاپ تہران (ص ۴۵۳) شکوہ بمعنی حشمت، لیکن یورپی ایڈیشن (ص ۱۱۷) میں شکہ بمعنی حشمت ہے اور عنصری کی بیت شاہد نقل ہوئی ہے۔

صحاح الفرس (ص ۲۸۲): شکوہ و شکہ حشمت باشد، (حاشیہ میں شعر شاہد وفائی سے درج ہوا ہے) حکیم انوری:

آب و آتش را اگر در مجلست حاضر کنند　　از میان ہر دو بردارد شکوہت داوری

قواس (ص ۸۵): شکوہ ہیکل و حشمت را گویند، نظامی گوید:

شکوہش چتر بر گردون رساند
سمندش کوہ بر جیحون رساند

دستور الافاضل (ص ۱۴۹) شکوہ ہیبت۔

ادات الفضلا : شکوہ با واو فارسی، بزرگی کہ عرب آنرا حشمت خوانند با مہابت وقوت۔

زفان گویا : شکوہ، حشمت یعنی بزرگی بسیار، ہیکل وزیب وقوت و مہابت۔

موید الفضلا (ص ۵۴۸) شکوہ بالضم، با واو فارسی، ہیکل باقوت و مہابت وبزرگی بسیار کہ بتازیش حشمت گویند الخ

مدار (ج ۲ ص ۵۷۴) شکوہ بضم، بزرگی بسیار وقوت وہیکل و دریہ خرد الخ

سروری : شکہ (بفتحتین) وشکوہ حشمت باشد : مثال اوّل استاد عنصری :

پادشاہی کہ بر شکہ باشد

حلم او چون بلند کہ باشد

مثال دوم شیخ سعدی :

اگر پای در دامن آری چو کوہ

سرت ز آسماں بگذرد از شکوہ

وشکوہ بمعنی ترس وہیبت آمدہ، مثال این معنی مولوی معنوی :

گفت کرّہ می شخولند این گروہ

ز اتفاق بانگشان دارم شکوہ

جہانگیری (ص ۱۵۳۸) : شکوہ با اوّل وثانی مضموم و واو مجہول، دو معنی دارد : اوّل ہیکل باقوت و مہابت وبزرگی بسیار باشد الخ

رشیدی (۹۴۳) : شکوہ، ترس و مہابت و آنکہ گویند فلان شکوہ دارد یعنی مہابت دارد وشکوہیدن ترسیدن و مہابت نمودن وبرین قیاس شکوہد وشکوہیدہ وشکوہندہ و شکہ وشکہیدن وشکہد بحذف واو نیز آمدہ۔ مولوی گوید : گفت کرّہ می شخولند این گردہ الخ

زفان گویا میں شکوہیدن مصدر ہے اور اس کے معانی دیے ہیں :

زیبا شدن و بزرگ وترسیدن

تفصیلات بالا سے یہ بات واضح ہوئی کہ برہان میں جو معانی بیان ہوئے ہیں، ان سب کے مآخذ موجود ہیں۔ غالب کے اعتراضات زیادہ وزن نہیں رکھتے، البتہ اس بات کی فی الحال کوئی سند نہیں مل سکی کہ "ترس" کے معنی میں لفظ شکوہ میں شین مکسور ہے۔ عام فرہنگوں میں تو حرکات درج نہیں، صرف چند میں ضمہ سے لکھا ہے۔ البتہ مدار میں سکندری کے حوالے سے بکسر اوّل و سکون دوم "دیہ خرد" کے معنی میں ہے، یہ معنی زفان گویا میں بھی ہے، لیکن اس میں حرکت مذکور نہیں۔ بہر حال اگر تعقیب کی جائے تو برہان کی حرکت کسرہ کی بھی سند مل جائے گی۔

شگرد بروزن نگرد شکار کند؛ **شِکَرد** چارہ و علاج کند، **شِکردن** شکار کردن (برہان)

غالب کے اعتراضات یہ ہیں:

۱۔ شگرد صحیح نہیں، شکرد ہونا چاہیے بمعنی شکار کند۔

۲۔ شکرد کے معنی "چارہ و علاج کند" صحیح نہیں، "شکار کند" صحیح ہے۔

۳۔ مصدر شکریدن ہے شکردن نہیں۔

غالب نے یہ بھی کہا ہے کہ اصل لفظ شکار ہے، اس میں الف حذف کر کے شکریدن و شکرد وغیرہ بنا لیے گئے ہیں۔

غالب کا پہلا اعتراض صحیح ہے، اس لیے کہ شکردن مصدر (کاف عربی) سے لکھا ہے تو مضارع میں گاف[1] کیونکر ہوگا۔ جہانگیری (ص ۲، ۱۵) شکرد ہی ہے یعنی کاف کے بجائے گاف اور باب کاف عجمی اور فصل شین کے ذیل میں درج کیا ہے، کاف عربی کے ذیل میں اس لغت کا اندراج اس فرہنگ میں نہیں ہوا، صاحب برہان کو یہ اطلاع جہانگیری سے ملی ہوگی۔ جہانگیری میں متعدد اشعار ہیں اور ہر ایک میں گاف ہی آیا ہے۔ دوسرے اعتراض کے سلسلے میں صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ بعد کی

---

[1] ڈاکٹر معین نے لغت فرس (۱۵۴) کے حوالے سے یہ شعر شاہد درج کیا ہے: فردوسی گوید:

جہانا ندانم چرا پروری
چو پروردہ خویش را بشکری

(برہان حاشیہ ذیل شکردن)

بعض فرہنگوں مثلاً آنند راج میں چارہ و علاج کرنے کے معنی میں ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کسی قدیم ماخذ میں یہ معنی درج ہوں گے تیسرا اعتراض غلط ہے اس لیے کہ اصل مصدر شکردن ہے اور شکریدن طریقۂ تعدیہ ہے۔ زفان گویا، موید (ص ۵۴۵) فرہنگ سروری (۸۸۷) میں یہ دونوں مصادر موجود ہیں اوران کے معنی شکار کردن اور شکستن درج ہیں، بلکہ اس سے دوسرے مشتقات بھی پائے جاتے ہیں۔

زفان گویا میں ہے: شِکَرَدْ شکست گویند شِکَرَد یعنی شکند، شِکَر یعنی بشکن۔ اور اسی فرہنگ میں شکر کے ذیل میں آیا ہے:

شِکَر شکن یعنی شکننده، گویند دل شکر است یعنی دل شکننده، وازیں جاست کہ پرندۂ درندہ راشکرہ گویند وصید راشکار۔ موید میں شکرد (ص ۵۲۴) شکردن وشکریدن (ص ۵۴۱، بحوالۂ زفان)، شکر (امر) (ص ۵۲۸) آئے ہیں۔ سروری اور مدار الافاضل وغیرہ میں انھیں کی پیری ملتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ شکردن مصدر اصلی ہے مصدر جعلی نہیں اور شکار، اسی سے اسم مصدر ہے۔ بلکہ فارسی لفظ شکرہ کی اصل بھی یہی مصدر ہے جیسا کہ زفان گویا میں درج ہے، البتہ شکاریدن، شکار سے بنایا گیا ہے، یہ مصدر فرہنگ معین میں موجود ہے، اس بنا پر واضح ہے کہ غالب کا شکردن کے وجود سے انکار اور شکار کو اسم غیر منصرف قرار دینا اور اسی سے شکریدن کا بننا سب بے بنیاد ہے۔

شید اسپہبد

بمعنی رواں بخش است کہ بعربی روح القدس خوانند (برہان)

غالب فرماتے ہیں کہ علم عربی میں نہ صاحب برہان قاطع کو درک ہے اور نہ قاطع برہان کے مولف کو، عربی علما روان بخش کو روح القدس کا ترجمہ نہ مانیں گے، میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ شید سپہبد و اسپہبدی شید نفس ناطقہ ہے جس کو پارسی 'روان گویا' کہتے ہیں۔"

شید اسپہبد فارسی لفظ نہیں بلکہ آذر کیوانی فرقے کا بنایا ہوا جعلی لفظ ہے۔ (حاشیۂ برہان قاطع (ج ۲ ص ۱۳۲۰) ملاحظہ ہو۔)

صاحب برہان اور غالب، دونوں دساتیری اور آذر کیوانی فریب کے شکار تھے، اس سلسلے

میں راقم کا وہ مضمون قابلِ ملاحظہ ہے جو غالب صدی نمبر میں شامل ہے۔

غفودہ بروزن گشودہ، بمعنی ہفتہ (برہان)

غالب کہتے ہیں: "غفودہ مگر زبان دیو و پری است، البتہ دریک فرہنگ غفودہ بی توضیح اعراب بمعنی ہفدہ کہ عددیست مرکب از دہ و ہفت دیدہ ام، پندارم کہ این مرد دانشمند ہفدہ را ہفتہ پنداشت، زہی قیاس۔"

فرہنگ سروری (ص ۹۴۵) میں آیا ہے:

غفودہ بوزن غنودہ، در تحفہ بمعنی ہفتہ باشد۔

دراصل یہ لفظ شفودہ کی تصحیف ہے جس کے معنی ہفتہ کے ہیں، برہان (ج ۲ ص ۱۲۳۷) میں یہ لفظ آیا ہے۔ جہانگیری (ص ۱۴۸۸) میں یہ بیت شاہد ہے:

بود ورد و حرزِ رہی وصفِ خُلقت ؛ بماہ و بسال و بروز و شفودہ

(از افادات دکتر معین)

غوش، غوشا، غوشاد، غوشاک، غوشای برہان میں ان پانچوں کے معنی سرگینِ خشک حیوانات درج ہیں۔

غالب کہتے ہیں مجھے ان پانچوں کی حقیقت نہیں معلوم صرف غوشاک کے معنی پاچک یعنی اوپلا ہے۔ یہاں چند فرہنگوں کے مندرجات نقل کیے جاتے ہیں:

جہانگیری (۲۰۴۳): غوش باوّل مضموم و واو مجہول پنج معنی دارد؛...

دوم سرگین سایر حیوانات را نامند و آنرا غوشا ہم گویند: یوسف عروضی:

آن روی او (نگر) چو یک آغوش غوش خشک

آن موی او (نگر) چو یک آغوش غوشتہ

غوشا دو معنی دارد: اوّل سرگین حیوانات را گویند و آنرا غوش نیز خوانند:

ناصر خسرو: بہ پیش ناکسی نہہم بخواری تن چو نادانان

نہد کس نافۂ مشکیں بہ پیش گندہ غوشائی

" (ص ۴۴-۲۰۴) غوشاد دو معنی دارد ؛ اوّل سرگینِ حیوانات ، دوم چار دیواری را گویند کہ شب ہنگام گاوان و گوسفندان و شتران وامثال آن در آنجا باشند الخ

" غوشاک بمعنی غوشاست کہ مرقوم شد۔

اس فرہنگ میں غوشای کا الگ اندراج نہیں ہے۔

جہانگیری (ص ۹۳۵) : غوشاد جایگاہ گاوان و گوسفندان باشد وصاحب ادات الفضلا بمعنی جایگاہ دیوان و کاروان نیز آوردہ وگفتہ درخت بلند را نیز گویند، ودر فرہنگ بمعنی چار دیواری کہ شبہا گاوان و گوسفندان دران باشد وبمعنی سرگین حیوانات نیز آوردہ۔

(ص ۹۳۹) : غوش ... وبمعنی سرگین حیوانات نیز آوردہ مثال ایں معنی یوسف عروضی گوید :

آن روی او نگر چو یک آغوش غوش خشک
آن موی او نگر چو یک آغوش غوشتہ

" (ص ۹۳۱) : غوشاک ، سرگین ستور کہ آن را خشک کنند وغوشای نیز گویند۔

" (ص ۹۴۵) : غوشای سرگین گاو باشد کہ در صحرا خشک شدہ۔

رشیدی (ص ۱۰۱۶) : غوش ، غوشاک ، غوشاد ، غوشای ، سرگین حیوانات خشک۔

فرہنگ معین میں غوش ، غوشا ، غوشاد ، غوشاک ، غوشای پانچوں کا اندراج ہے۔ سروری اور رشیدی میں غوشا نہیں ، غوشای مزید علیہ موجود ہے ، جو اس کے وجود پر دلالت کرتا ہے فرہنگ معین و جہانگیری کے علاوہ موید میں بھی غوشا کا الگ اندراج ہے : غوشا (ج ۲ ص ۳۴) پاچک دشتی۔

(ص ۴۷) غوشای ، سرگین ستور کہ در دشت خشک شود۔

خلاصۂ کلام یہ کہ برہان میں درج پانچوں شکلیں فرہنگوں میں موجود ہیں۔

فراخ رو مردم گشادہ رو وشگفتہ وخندان ، کسے کہ پیوستہ بہ عیش وعشرت

گذراند، آنکہ با مردم خوش روئی و خوش خلقی کند۔ (برہان)

غالب فرماتے ہیں: "در تحت شرح معنی فراخ رَو (برای مفتوح)

فراخ رُو (بہ رای مضموم) بمعنی شگفتہ رومی نوید و گمان من آنست کہ فراخ صفت

دہان است نہ صفت رخ، چون مسکین دہان و رخ رایکے می داند از روی قیاس

فراخ رُو آوردہ است۔"

اس بیان میں غالب نے مطالعے کی کمی کی بنا پر زبان کے بارے میں استعمال عام کے بجائے قیاس کو دخل دیا ہے، فراخ نہ صرف رُخ کی صفت ہے بلکہ متعدد ترکیبوں میں آیا ہے، مثلاً لغت نامۂ دہخدا میں حسب ذیل مثالیں ہیں:

فراخ آبرو، فراخ ابرو، فراخ آہنگ، فراخ بال، فراخ چشم، فراخ حال، فراخ حوصلہ، فراخ خو، فراخ درم، فراخ دیدہ، فراخ رو و روی، فراخ روزی، فراخ زیست، فراخ سال، فراخ سخن، فراخ عنان، فراخ عیش، فراخ مایہ، فراخ مزاج، فراخ نان و نمک، فراخ نعمت۔

ان میں وہ مثالیں نہیں ہیں جن کے معنی میں کشادگی ظاہراً ممکن ہے، جیسے:

فراخ آستین، فراخ بر، فراخ بوم، فراخ پیشانی، فراخ جای، فراخ چشمہ، فراخ دامن، فراخ دست و دستی، فراخ دل، فراخ دوش، فراخ دہان، فراخ دہانہ، فراخ شکاف، فراخ شکم، فراخ شلوار، فراخ قدم، فراخ کام، فراخ کندوری، فراخ گام، فراخ گلو، فراخ میان۔

علاوہ ازیں جب کشادہ رو ممکن ہے تو فراخ رو پر اعتراض کیوں؟ بہرحال فراخ رو کے جو معنی برہان میں درج ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ غالب کے ایرادات بے معنی ہیں۔ فراخ روی کے لیے فرہنگ آنندراج کی یہ بیت شاہد قابلِ ذکر ہے:

دریا کہ چنیں فراخ روی است
بالائش قطرہ ہاے جوی است (نظامی)

فراز از اضداد است، ہم بستن در مراد است و ہم کشودن ... (برہان)

غالب نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک طویل بیان دیا ہے، فرماتے ہیں: "صرف برہان کا مولف ایسا نہیں کہتا، بلکہ دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال ہے، اور اس پر اجماع ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ اجماع ایسا ہی ہے جیسے اہل شام کا اجماع خلافت یزید پر، جاننا چاہیے کہ فراز نشیب کی ضد ہے، چونکہ دروازہ بند کرتے وقت دروازے کے تختے دونوں طرف سے دکھائی پڑتے ہیں، یہ بلندی کی صورت ہے پس دروازہ بند کرنے کو فراز کرنا کہتے ہیں۔ جیسا کہ سعدی کہتے ہیں:

بروی خود در طماع باز نتوان کرد
چو باز شد بدرشتی فراز نتوان کرد

باز کردن بمعنی کھولنا اور فراز کردن بمعنی بند کرنا ہے، یعنی طمّاع کو اپنے پاس نہ آنے دو (دروازہ نہ کھولو) اور اگر آ ہی گیا تو پھر اس پر دروازہ بند نہ کرو، اس مغالطے کا بنیاد حافظ کے شعر سے استناد ہے:

حضورِ مجلسِ انس است و دوستان جمعند
وان یکاد بخوانید و در فراز کنید

اوّل مجلس انس و مجمع احباب و بے تکلف دوستوں کی حرکتیں خاص کر بزم شراب میں، یہ سب باتیں دل میں رکھنی چاہئیں، اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ مجلس انس خلوت ہے جو اغیار سے خالی ہے۔ اگر ناگاہ کوئی بیگانہ داخل ہو جاتا ہے تو سب کا عیش مکدر ہو جاتا ہے۔ ہجوم عام میں نظر بد کے علاوہ کسی دوسری پریشانی کا اندیشہ نہیں۔ جس کو 'ان یکاد' پڑھ کر رفع کیا جائے اور دروازہ کھول دیا جائے تاکہ پڑوسی اور شہری داخل ہو جائیں اور اہلِ مجلس کی رسوائی کا تماشا کریں بلکہ محتسب اور کوتوال بھی آجائیں اور مستوں کو گرفتار کر لیں۔ اگر لوگ کہیں کہ اس صورت میں "ان یکاد" کی پڑھنے کی ضرورت کیا ہوگی۔ عرض ہے کہ ایک دوسرے کی نظر بد سے بچانے کی غرض سے جو بیگانوں کی نظر بد سے زیادہ خطرناک ہے۔ ایک جہاں دیدہ شخص فرماتے ہیں کہ اغیار کی آفت دروازہ بند کر کے اور نظر بد کا اثر "ان یکاد" پڑھ کر رفع کریں، سیف الحق میاں داد سیاح لطائف غیبی میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ فراز کردن در سے سوائے بند کرنے کے

کچھ مراد نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب تک دروازہ بند نہ ہوگا اس کے کھولنے کا حکم کیونکر دیا جاسکتا ہے، جب دروازہ بند تھا تو اہلِ مجلس کیوں کر داخل ہوئے کہ مجلس انس کے انعقاد کے بعد درواز کھولنے کا حکم دیا جاتا ہے۔"

اگرچہ مرزا صاحب فرما چکے ہیں کہ در فراز کردن کے معنی بند کرنے پر جو اجماع ہے وہ یزید کی بیعت کے اجماع کی طرح ہے۔ (ظاہر ہے یہ مثال نہایت ہی کریہ اور سخت ہے اور غالب کی سیرت کا بڑا نقص) پھر بھی چند فرہنگوں کے اقوال ذیلاً نقل کیے جاتے ہیں:

زفان گویا: فراز، بلند و نشیب، گشادن و گستردن، بالا چیزی و نزدیک۔

ادات الفضلا: فراز، بالا و بلندی و پیش گشادن و گستردن و نزدیک۔

بحر الفضائل: فراز، بلندی و گشادن و بستہ کردن و پیش آمدن۔

موید الفضلا: (۲: ۵۴) فراز، بالفتح گستردن و بستن و گشادن و نزدیک و پیش و بالا و بلندی و فراہم۔

جہانگیری (ص ۱۰۵۴): میں بارہ معانی درج ہیں:

۱۔ گشادہ و پہن، اس کے لیے حافظ کی وہ بیت درج ہے جس کا مطلب غالب نے بیان کیا ہے۔ پھر کمال اسماعیل کی یہ بیت:

چو مطرح ارچہ کہ افگندہ ایم و بی سپریم
بہ پشتی تو چو مسند شویم و سینہ فراز

۲۔ بستہ، اس کے لیے حافظ اور کمال اسماعیل کی یہ ابیات ہیں:

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت — عشقش بروی دل درِ معنی فراز کرد (حافظ)

جہاں پناہا، ازامنِ دولتت امروز — دہانِ عافیہ بازاست و چشمِ فتنہ فراز (کمال)

۳۔ قریب و نزدیک، ۴۔ جمع، ۵۔ پیش، ۶۔ اس وقت سے کھلا ہوا، ۷۔ فرون و فروزاں، ۸۔ زیر و بالا، ۹۔ بلند، ۱۰۔ سرکش، ۱۱۔ خرزہ، ۱۲۔ نشیب۔ (آخری تین معانی کی ابیات شاہد درج نہیں ہیں۔)

سروری (ص ۹۶۵ - ۹۶۶): چند معنی دارد: (۱) باز باشد گویند از ری باز

فرخی گوید :

بمرادِ دلِ او بودم من دی و پری
بمرادِ دلِ خود باشم ازامروز فراز

۲۔ فرازفتن و درآمدن۔ سعدی :

درین امید بسر شد دریغ عمرِ عزیز
کہ ہر چہ در دلم است ازدرم فراز آید

(۳) عکس نشیب (۴) درِ پوشیدہ وبستہ، حافظ :

صنعت مکن کہ ہر کہ محبت نہ راست باخت   عشقش بروی دل در معنی فراز کرد

(۵) بازکردہ وکشودہ (۶) خون (۷) بالا (۸) نزدیک وقریب (ان میں سب کے شعر شاہد درج ہیں)

رشیدی (ص ۱۰۲۵): فراز ہمان افراز بجمیع معانی (۱) باز باشد چنانکہ گویدازدی فراز یعنی ازدی باز (۲) نزدیک (۳) بالا وبلند (۴) پوشیدہ وبستہ (۵) بازکردہ شد (درین تامل) (۶) جمع (معنی نزدیک مناسب) (۷) خون۔

فرہنگ معین (ص ۲۵۰): (۱) بالا (۲) باز، کشادہ (۳) بستہ کے لیے فرخی کا یہ قطعہ نقل ہوا ہے:

کس نہ بیند فروشدہ بہ نشیب   ہر کرا خواجہ بر کشد بفراز
مہر وکینش مثل دو دربانند   درِ دولت کنند باز و فراز
بر بداندیشِ او فراز کنند
باز دارند بر موافق باز

فراز بمعنی بستہ کے لیے چند مثالیں اور درج کی جاتی ہیں:

زستن و مردنت یکی است مرا   غلبکن درچہ باز یا چہ فراز
——— ابوشکور

ہر یکی، ہمچو نہنگی وز بس جہل و طمع دہنِ علم فراز و دہنِ رشوت باز

ـــــــ ناصر خسرو

رہِ بیرون شد از مشقت ندانم درِ ہر دو جہاں گوئی فراز است

ـــــــ انوری

غالب آمد خندۂ زن شد دراز جہد می کرد و نمی شد لب فراز

ـــــــ مولوی

درِ معرفت بر کسانی است باز کہ درہاست بر روی ایشان فراز

ـــــــ سعدی

درِ جنگِ ہر دو سپہ شد فراز بسوی سپہ پہلوان گشت باز

ـــــــ اسدی

گر گنہ کردی درِ او ہست باز توبہ کن کایں در نخواہد شد فراز

ـــــــ عطار

فراشو چو بینی درِ صلح باز کہ ناگہ درِ توبہ گردد فراز

ـــــــ سعدی

ان مثالوں کے بعد اس بات میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہ جاتا کہ فراز کے معنی کھلا ہوا اور بند دونوں کے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ لفظ اضداد میں سے ہے، غالب نے حافظ کے شعر کی جو تشریح کی وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتی، اور سعدی کی یہ بیت تو کسی توجیہ کی متحمل نہیں ہو سکتی:

بروی خود در طماع باز نتوان کرد
چو باز شد بدرشتی فراز نتوان کرد

آخر میں منوچہری کی دو بیت فراز بمعنی بستہ نقل کی جاتی ہیں:

کفِ رادِ تو باز است و فراز است ایں ہمہ کفہا
در بارت گشادہ است و بستہ است ایں ہمہ دربا (دیوان ص ۴)

ہمچنان سنگی کہ سیل او را بگرداند زکوہ
گاہ زان سو گاہ زین سو گہ فراز و گاہ باز (ص ۴۲)

فرجد بوزن امجد، پدر جد را گویند الخ (برہان)

غالب قاطع برہان میں لکھتے ہیں:

"سبحان اللہ، فر فارسی اور جد عربی بمعنی پدرِ پدر سمجھنا مضحکہ خیز ہے۔ میں یہ پسند کروں گا کہ چونکہ 'فے'، 'بے'، میں تبدیل ہوتا ہے اس کو پرجد کہنا چاہیے جیسا کہ ہندی میں پردادا کہتے ہیں۔ قران السعدین کا ایک مصرع ہے: فرجد از فرجد خود یافتہ،

اس کے شارحین نے فرجد بمعنی پدر سوم سمجھا ہے اور اس مصرعے کو شہادت میں پیش کیا ہے۔ گویا ممدوح امیر خسرو نے سلطنتِ جد خود اپنے جد کے پدر سے پائی ہے حالانکہ یہ خیال غلط ہے، اس بادشاہ نے اپنے دادا کی سلطنت اپنے باپ سے پائی ہے، مصرع کے معنی سنیے، فرجود ایک پہلوی لغت ہے جس کے معنی کرامت کے ہیں اور فرجُد (بضم جیم) اس کا مخفف، اس مصرعے میں یہی فرجُد ہے بضمۂ جیم، نہ فرجد بجیم مفتوح، معنی یہ ہوئے: میرے ممدوح نے اپنے جد کی سلطنت کرامت اور اقبال کی یاوری سے پائی ہے۔ چونکہ فرجُد سے واقف نہ تھے اس لیے اس کا ترجمہ پردادا کیا، اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے کہ فلاں شخص اپنے دادا کے تخت پر بیٹھا ہے نہ اپنے پردادا کے بجائے، اس کے برعکس لوگوں نے قیاس سے کام لیا، مجھے اس دکنی پر ناز ہے کہ فرجود بروزن مقصود بمعنی معجزہ لکھتا ہے اور فرجد کو اس کا مخفف نہیں جانتا، اور قران السعدین کی اتباع میں فرجد کے معنی پدرجد لکھتا ہے، حالانکہ عربی و فارسی میں پدرِ جد کے لیے خاص کلمے متعین نہیں۔ عربی میں جد کی جمع اجداد اور فارسی میں نیا یعنی نیاگان لکھتے ہیں۔"

فرجود دساتیری لفظ ہے (رک. فرہنگ دساتیر ص ۲۵۶) جو تمام تر ایک جعلی کتاب ہے اور اس میں مندرج تمام الفاظ جعلی و فرضی ہیں۔ یہی حال فرجد کا ہے، امیر خسرو سے سینکڑوں سال بعد دساتیری و آذر کیوانی تحریکیں وجود میں آئیں اس لیے خسرو کی تحریریں اس جعلی کتاب کے اثرات سے پاک ہیں۔ مگر غالب کے نزدیک دساتیر آسمانی کتاب ہے۔ جو کئی ہزار برس پہلے نازل ہوئی، اس کے الفاظ امیر خسرو سے پرانے ہیں، اس بنا پر ان کا امیر خسرو کی تحریر میں شمول بعید از قیاس نہیں، یہ خیالات بالکل بے بنیاد ہیں۔ اور غالب اور صاحب برہان دونوں اس کے اسیر ہیں۔

بہر حال امیر خسرو کے مصرعے کے معنی یہ ہیں:

'اس کو اپنے جد کی شان و شوکت اپنے پردادا سے وراثت میں ملی تھی۔"

دراصل فرجد کے معنی وہی ہیں جو برہان میں پائے جاتے ہیں۔

سروری (ص ۹۵۹) فرجد (بوزن سرمد) جد اعلیٰ را گویند، مثالش حکیم سنائی گوید:

داشت با فرجدش دہی روزی
در سر این فضول دہقانی

و امیر خسرو نیز گوید:

نور جد از چہرۂ او تافتہ
فرجد از فرجد خود یافتہ

لغت نامۂ دہخدا میں اس بیت کو نامر خسرو کا بتایا ہے

رشیدی (ص ۱۰۲۷): فرجد بفتح فا و جیم، جد اعلیٰ۔ اس کے بعد سنائی اور امیر خسرو کے شعر بطور شاہد نقل ہوئے ہیں۔

فرہ و فریہ برہان میں یہ دونوں لفظ بمعنی لعنت و نفرین آئے ہیں، غالب نے گرفت کی ہے کہ "ان دونوں میں سے ایک صحیح ہوگا، مگر معلوم نہیں صحیح لفظ کون سا ہے۔" اس سلسلے میں عرض ہے کہ غالب کا ایراد بجا ہے، لیکن اگر وہ ذرا سی کوشش کرتے تو صحیح

لفظ معلوم کرلیتے، دراصل فریہ صحیح ہے اور فرنہ اس کی تصحیف ہے، (دیکھئے برہان قاطع تصحیح دکتر معین ذیل فرنہ)۔

اکثر فرہنگوں میں فریہ بمعنی لعنت ہے، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

بہرۂ تو آفریں باشد ز سعدِ مشتری
قسمِ خصم از نحس کیوان فریہ و نفریں بود (معزی)

سروری (۹۹۲) میں یہ بیت فرخی کے نام سے نقل ہے یہی دونوں ابیات سروری (ص ۹۹۲) اور رشیدی (ص ۱۰۴۳) بطور شاہد نقل ہیں

دزدی طرّار ببردی ز راہ
فریہ بر آن خائنِ طرار کن (ناصر خسرو)

جہانگیری (ص ۱۰۹۲) میں فریہ با اوّل مکسور ثانی زدہ نفریں باشد، مختاری راست:

خواہی بمکہ باشد و خواہی بہ فلسطین
با دامنِ او فریہ گرہ کردم و پیوند

حکیم سوزنی نظم نمودہ:

باز درِ ہزل سر گشایم ازان تا
فریہ کنم بر عدوی جاہ تو انبار

و در عربی بمعنی دروغ آمدہ۔

فسوس بازی و ظرافت، سخر ولاغ، دریغ و حسرت و تأسف، (برہان)

فسوسیدن دریغ و تأسف و حسرت خوردن، مسخرگی و ظرافت کردن، از راہ بیرون شدن و بیراہی کردن۔ (برہان)

غالب نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپ باتیں نئے انداز میں لکھی ہیں:

"مسافروں کو اطلاع ہو کہ وادی گفتار کے بھوت نے عجیب و غریب بانگ لگائی ہے، عربی اور پہلوی کو ملا دیا ہے، اور نظارہ کے رہ گزر پر قابلِ دید

نقش چھوڑا ہے۔ میں اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا اور اس کی کوتاہیوں کا پردہ چاک کروں گا، افسوس (الف مفتوح اور واؤ مجہول سے[1]) عربی لفظ ہے، اس کے معنی دریغ ہیں اور تأسف، متأسف، واسفاہ سب افسوس سے مستخرج ہیں، فسوس (بہر دو ضمہ و واو معروف) فارسی لغت ہے جس کے معنی استہزا کے ہیں، یہ بے خرد افسوس اور فسوس کو ایک ہی جانتا ہے اور عربی میں جتنے معانی افسوس کے ہیں، وہی فسوس کے تحت ایک ایک کر کے درج کرتا ہے۔ مزید یہ بھی جاننے کی چیز ہے کہ شکار، شکوہ، خواب، آرام کی طرح جامد لفظ ہے۔ اس کا مصدر نہیں، لیکن اگر تفنن کے لیے اس کو منصرف بنالیں تو جائز ہے لیکن محض استہزا کے معنی کے لیے۔"

اس کے بعد اضافہ کرتے ہیں: "افسوس بالفتح اگر عربی نہیں ہے، نہو، فارسی میں حسرت وحیف و دریغ کا مترادف ہے، بکسرۂ ہمزہ غلط ہے اور بحذف الف لغو و نامستعمل، و بمعنی بازی و سخر و لاغ جھوٹ، فسوس (بضمتین و واو مجہول) (پہلے واو معروف سے لکھ چکے ہیں۔) بمعنی استہزا ہے، فسوس سے حسرت و افسوس مراد لینا اور اسی طرح بالعکس گمراہی ہے، اور فسوسیدن (بروزن نکوہیدن) بمعنی سخر و حیف مضحکہ خیز و تمسخر آمیز ہے۔ افسوس بالف مفتوح و فسوس بروزن عروس ایک نہیں، ہر ایک کا مفہوم جداگانہ ہے، افسوس کو اگر میں نے اشتباہاً عربی لکھ دیا تو یہ سہو طبیعی ہے، امید کرتا ہوں کہ صاحب برہان قاطع کے معتقد حضرات ان غلطیوں کی بنا پر جن کو اجمالاً میں نے لکھا ہے اور برہان میں مفصل طور پر موجود ہیں، جامع برہان کو اگر کم از کم کچھ نہ کہیں جیسا کہ میرے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ عربی نہیں جانتا، اس کے بارے میں یہ کہیں کہ فارسی نہیں جانتا تھا۔ ہاں، انصاف

---

[1] عربی میں مجہول آواز نہ ہونے کے باوجود غالب افسوس کو عربی لکھتے ہیں۔

کا یہی تقاضا ہے، اگر اس کا لحاظ نہ ہوگا تو افسوس کا موقع ہوگا۔"

اس طویل بیان میں جو باتیں نتیجے کے طور پر نکلتی ہیں وہ یہ ہیں :

۱۔ افسوس عربی ہے جس کے معنی تأسّف کے ہیں اور فسوس فارسی ہے جس کے معنی استہزا کے ہیں، (بعد کے بیان میں غالب افسوس کے عربی ہونے سے تائب ہو گئے)

۲۔ افسوس اور فسوس ہم معنی نہیں، فسوس کے معنی استہزا ہے اور افسوس کے معنی دریغ و تاسف ہے۔ افسوس میں حذف الف نامستعمل و غلط ہے۔

۳۔ فسوسیدن کوئی مصدر نہیں۔

افسوس اور فسوس دونوں معنی اور مادہ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، زمخشری نے مقدمۃ الادب (ص ۲۵۶) میں سخرۃ کا مترادف افسوس کردن لکھا ہے، اور اسی کتاب کی قسم ثانی (رک: حاشیہ ص ۲۵۶) میں رقم طراز ہے:

"استسخر منہ، خندید از و یا افسوس داشت او۔"

کلمۂ افسوس پہلوی لفظ اپسوس سے نکلا ہے جس کے معنی سُخر و استہزا کے ہیں، نامۂ پہلوی اندر ز آترپات مہراسپندان میں آیا ہے:

"بہ سالمند مرد اپسوس م کن"

مقدمۃ الادب کے مصحح جناب سید محمد کاظم امام نے اضافہ کیا ہے:

کلمۂ افسوس ادبیات فارسی میں عرصے تک اسی معنی (سخر و استہزا) میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فردوسی طوسی کہتا ہے:

بویژہ دلاور سپہدار طوس
کہ در جنگ بر شیر گیرد فسوس

بعد میں اس کے معنی میں تبدیلی ہوئی اور 'دریغ' کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ یہ رائے درست نہیں بلکہ قدیم زمانے ہی سے فسوس اور افسوس دونوں ہم معنی مستعمل ہوتے رہے ہیں۔ صحاح الفرس میں افسوس کے صرف ایک ہی معنی لکھے ہیں، صاحب صحاح رقم طراز ہے (ص ۱۴۰)

"افسوس کلمہ ایست کہ متحیر گوید وغالباً وقتی استعمال کنند کہ چیزی فوت شدہ باشد، شاعر گفت:

دی روز وصالِ یار جان افروزی امروز چنین فراقِ عالم سوزی
افسوس کہ بر دفترِ عمرم ایام این را روزی نویسد آنرا روزی

وشاید کہ فسوس گویند بحذفِ الف۔

زفان گویا میں ہے: فسوس سخرہ وحسرت، وبہمزۂ مفتوح نیز گویند افسوس۔

موید (ج ۲ ص ۵۵) میں ہے: فسوس با واو فارسی، حسرت وسخرہ در لغات شاہنامہ مسطور است از راہ بیراہ شدن۔

جہانگیری (ص ۱۳۱۵) فسوس با اوّل مکسور وثانی مضموم وواو مجہول، سہ معنی دارد: اوّل سخرہ ولاغ باشد وآنرا افسوس نیز گویند، عنصری راست۔

اگرچہ خویشتن اندر فسوس می آری
ہمی حسودِ تو بر خویشتن کند آوا

وفسوسیدن مصدر آن است، فردوسی:

رخش برمہ وخور فسوسد ہمی الخ

دوم از راہ بیرون شدن وبیراہی کردن امیر خسرو الخ

سوم دریغ وحسرت بود الخ

سروری (۹۷۰) فسوس بمعنی سخرہ ودریغ باشد، مثال ہر دو معنی، ابوشکور گوید:

دیو بگرفتہ مر ترا فسوس
تو خوری بر زیانِ مال فسوس

ودر فرہنگ بمعنی بیراہی کردن وبیراہ شدن وبابیت امیر خسرو متمسک شدہ۔

رشیدی (۱۰۴۸) فسوس بالضم مخفف افسوس مرقوم بہر سہ معنی یعنی دریغ واستہزا ونام شہر دقیانوس، وفسوسد یعنی استہزا کند الخ

یہ فرہنگوں کے اقوال تھے، ذیل میں ایسے اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا

کہ فسوس اور افسوس میں بلحاظ معنی اشتراک ہے۔

۱۔ فسوس بمعنی ہزل و سخر:

اندرین ایامِ ما بازارِ ہزل است و فسوس کار بوبکر ربابی دارد و طنزِ جحی

(دیوان منوچہری ص ۱۴۰)

یکی شاہ بدنام او بخلوس کہ باحیلہ و رنگ بود و فسوس

(عنصری بحوالہ لغت نامہ)

۲۔ فسوس بمعنی حسرت و دریغ و افسوس:

کہ این تخت شاہی فسوس است و باد بدو جاودان دل نباید نہاد (فردوسی)

کہ گیتی سراسر فسوس است و رنج سرایدہمی چون نمایدت گنج (؍؍)

بمرگ خداوندش آزار طوس تبہ کرد مر خویشتن بر فسوس (عنصری)

افسوس بمعنی ہزل و سخر و استہزا:

ایں جایگاہ نتوان تزویر شعر کردن افسوس کرد نتوان بر شعر مرغزاری

(دیوان منوچہری ص ۱۰۰)

برلالہ کند سرخ گل افسوس ہمی نرگس گل را دست دہد بوس ہمی

(ایضاً ص ۱۸۲)

افسوس بمعنی تاسف و حسرت:

آخر افسوستان نباید از انک ملک در دست مشتی افسوسی است

(انوری بحوالہ سروری و رشیدی)

افسوس اور فسوس کے ہم معنی ہونے سے غالب کے قول کی تردید ہوگئی۔ علاوہ بریں فسوسیدن مصدر کی تغلیط بھی ثابت نہیں ہے، فردوسی کہتا ہے:

رخش بر مہ و خور فسوسد ہمی پری خاک راہش ببوسد ہمی

ناصر خسرو: بدان سقا کہ خود خشک است کاسش

گہی بگری و گہ بفسوس و برخند

فرہنگ معین میں فسوسیدن کے علاوہ افسوسیدن بھی مصدر درج ہے۔

خلاصہ یہ کہ افسوس اور فسوس معانی کے اعتبار سے یکساں ہیں، اور افسوس پرانے زمانے سے حسرت و رنج کے علاوہ استہزا، ہزل، سخر کے معنی میں فسوس کی طرح استعمال ہوتا چلا آیا ہے، اس سلسلے میں غالب کی گرفت صحت سے دور ہے۔

فغ، فغستان، فغاک، فغفور، فغوارہ برہان میں فغ اور فغفور میں حرف اول مفتوح اور بقیہ تین یعنی فغستان، فغاک اور فغفورہ میں مضموم لکھا ہے، غالب نے گرفت کی کہ جب یہ سارے لفظ فغ سے مشتق ہیں تو حرف اول کے حرکت کی تبدیلی درست نہ ہوگی۔ یہ گرفت بالکل صحیح ہے۔ عقل و دانش کا فیصلہ اسی کے حق میں ہے لیکن صاحب برہان کے سامنے قدیم فرہنگوں کا اختلاف تھا، اسی لیے وہ کسی صحیح فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔ سروری میں فغ، فغفور، فغاک، فغوارہ چاروں میں حرف اول مضموم آیا ہے۔ رشیدی میں فغ کو دونوں حرکتوں سے بیان کیا ہے۔ اور باقی الفاظ کو قارئین کے صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ موید الفضلا میں فغ، فغاک، فغستان، تینوں میں حرف اول مضموم لکھا ہے۔ فغاک میں یہاں تک لکھا ہے کہ شرفنامہ میں بضم ہے اور ادات میں بالکسر۔ فغفور کی حرکت نہیں لکھی، جہانگیری میں فغ، فغستان، فغاک، فغنشور (جہاں کے لوگ، خوب صورت ہوتے ہیں) فغوارہ سب میں اوّل مضموم ہے، اس میں فغفور نہیں آیا ہے۔ بعض نسخوں میں فغستان اور بعض میں فغوارہ نہیں آیا ہے۔ (دیکھیے مطبوعہ مشہد ص ۴۲۔ ۱۴۴۱) اس بنا پر برہان میں اختلاف حرکت ہے۔ ورنہ درست بات وہی ہے جو غالب نے لکھی ہے۔

غالب نے یہ بات بھی درست لکھی ہے کہ فغفور فغ پور تھا، یعنی پسرِ بت، اس میں صرف ایک کمی رہ گئی ہے کہ جس طرح فور پور سے مستفاد ہے، اسی طرح فغ بغ ہے جس کے معنی خدا، بت وغیرہ ہیں۔۔ فارسی جدید میں بغ استعمال نہیں ہوا اور اسی طرح بغبور و بغپور بھی فارسی میں مستعمل نہیں معلوم ہوتے ۔۔ غالب نے فغفور کے سلسلے میں ایک کہانی لکھی ہے کہ بادشاہ کے لڑکا نہیں جیتا تھا۔ جب اس کی اولاد نرینہ ہوئی تو بت کے نام پر

اس کو وقف کر دیا، ہندوستان میں بھی مسیتا یا مسیتی مسجد کی طرف منسوب ہوتے ہیں، یہ نسبت تو درست ہے لیکن فغفور کے لیے اس قصّے کی کوئی سند نہیں، دراصل غالب نے اس قصّہ کو رشیدی سے لیا ہے جس میں یہ ہے :

"فغفور دراصل فغپور بودہ یعنی پسر بت زیراکہ پدر و مادرش نذر بت کردہ بودند۔"

یہ قصّہ من گڑھت ہے، فغفور اسی طرح کا نام ہے جیسے عطاء اللّٰہ، عطاء الرحمٰن، خداداد وغیرہ۔

غالب کے یہاں فغاک اور فغوارہ دونوں کے معنی مرد بی حس و حرکت ملتے ہیں۔ انھوں نے فغاک کے عام معنی 'حرامزادہ' کی نفی کی ہے، لیکن فرہنگوں سے برہان میں درج معانی کی تائید ہوتی ہے؛ مثلاً تین قدیم فرہنگوں لغت فرس، قواس اور صحاح میں فغاک بمعنی 'حرامزادہ وابلہ وقلتبان' ملتے ہیں اور بیت شاہد یہ ہے :

آن کت کلوخ روی لقب کرد خوب کرد
ایرا لقب گران نبود بر دلِ فغاک

(دیکھیے ص ۲۷۴ چاپ یورپ، ص ۱۰۴، ص ۱۸۴ بالترتیب)

جب کہ فغوارہ کے یہ معنی صحاح (ص ۲۸۵) میں درج ہیں (قواس سے یہ لفظ خارج ہے۔):

"فغوارہ کسی باشد کہ از خجالت یا از دلتنگی آواز ندہد و خاموش باشد، چون بت کہ او را فغ گویند و گویند "فغوارہ شدست" یعنی مانند فغ شدہ است۔"

لغت فرس کے یورپی ایڈیشن میں یہ لفظ شامل نہیں۔ البتہ بعد کے ایڈیشن (ص ۴۲۵) میں اس کے یہ معنی ہیں :

کسی کہ از غایت تکبر و غرور یا از بسیاری اندوہ و ملال ساکت باشد و سخن نگوید :

فغفور بودم و فغ پیشم
فغ رفت و من بماندم فغوارہ (فرہنگ معین ص ۲۵۵۸)

خلاصہ یہ کہ فغاک اور فغوارہ مترادف نہیں۔

قافلہ شد بمعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ کنایہ از فوت شدن پیغمبر باشد صلوات اللہ علیہ۔ (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ قافلہ شد کو لغت کیوں قرار دیا گیا، پھر شدن اور رفتن مترادف ہیں، اس کے معنی لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ تیسری بات یہ کہ قافلہ رفتن سے قافلہ سالار رفتن مراد لینا اور پھر کنایۃً سرورِ کائنات کی وفات فرض کرنا قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ ادات الفضلا میں قافلہ شد ایک اندراج ہے جو 'ق۔د' کے تحت درج ہوا ہے۔ شدن کے دو معنی 'ہونا' اور 'جانا' کے ہیں، برہان میں دوسرے معنی کی تخصیص غیر ضروری نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ اگرچہ ادات میں برہان کی تفصیل موجود نہیں، لیکن اس میں قافلہ شد کے یہ معنی درج ہیں:

"قافلہ شد ای انبیاء علیہ السلام رفتند و اصحاب و متابعان او رفتند۔"

قبچاق بکسر اوّل نام دشت و صحرائے از ترکستان، و طایفۂ از ترکانِ ہماں نواحی را قبچاقی می گویند (برہان)

غالب کا خیال ہے کہ نہ یہ لفظ کسرہ سے ہے اور نہ یہ دشت کا نام ہے، بلکہ اقوام مغول میں ایک گروہ کا نام ہے۔

دراصل قبچاق کی کئی اور صورتیں تاریخوں میں درج ہیں۔ مثلاً قفچاق، خفچاق، خفچاخ یہ ایک بڑا طویل خطّہ تھا، اس کا تفصیلی ذکر ڈاکٹر محمد معین نے فرہنگ معین (ج ۶) میں کیا ہے، ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

شمال بحرِ خزر میں ایک علاقہ کا نام اور وہاں کے ترک طایفہ کا نام قبچاقی تھا، سلجوقی ابتدا میں اسی علاقے میں اپنی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے، چنگیز کی مملکت جب تقسیم ہوئی تو دشت قبچاق جوجی کی اولاد کو ملا، اور خود جوجی اور اس کا بیٹا باتو اسی علاقے میں رہتے تھے، اور مورخوں کے بقول ۹۲۹ھ تک جوجی کی اولاد اسی علاقے پر حکمراں تھی۔ دشت قبچاق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، دشت قبچاق شرقی و دشت قبچاق غربی، شرقی قبچاق درۂ سقلای سیحون اور الغ طاغ

اور کوچک طاغ پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ اس کے مغرب میں قبائل گوگ اُردو کا مسکن تھا جو مطیع تھے باتو (پسر جوجی) کے شمال میں ازبک تھے جو شیبان کے تابع تھے، شرق میں الوس چغتائی کا مسکن تھا اور جنوب میں ریگستان قزل قوم اور پہاڑ ہیں، دشت قبچاق غربی کو دریائے ڈان اور والگا سیراب کرتے ہیں۔ اس کے مشرق میں کوہ اورال، مغرب میں ڈے نی بر، شمال میں بحر خزر اور جنوب میں بحر اسود ہے۔

ذیل میں حدود العالم تالیف ۳۷۲ھ سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوگا کہ قبچاق یا خفچاخ کا جائے وقوع کیا تھا:

۲۱۔ سخن اندر ناحیت خفچاخ

"خفچاخ را حد جنوبش بہ بجناک دارد و دیگر ہمہ باویرانی شمال دارد، کہ اندر وی ہیچ حیوان نیست و ایشان قومی آند از کیماک جدا شدہ و بدیں جای مقام کردہ ولکن بد خوتر انداز کیماکیان و ملک ایشان از دست ملک کیماک است۔"

خفچاخ کے قبل ناحیت بجناک، غوز، کیماک، تخس، چگل، خلخ، خرخیز وغیرہ کا بیان ہوا ہے، غرض واضح ہے کہ خفچاخ (قبچاق، قفچاق) ایک ناحیہ یا خطہ تھا جہاں کے باشندے خفچاخی (قبچاقی، قفچاقی) یا صرف خفچاچ کہلاتے تھے۔ بڑے بدخو مشہور تھے۔ اس لفظ کا تلفظ حرف اوّل کے کسرہ سے ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ برہان میں مندرج مطالب بالکل درست ہیں اور غالب کا اعتراض بے موقع ہے۔

کارگیا بکسر ثالث و کاف فارسی و تحتانی بالف کشیدہ، بمعنی پادشاہ و وزیر و کار فرما و کاردان باشد و ہر یک از عناصر اربع را نیز گویند (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ گیا غلط ہے، کیا ہونا چاہئے، نیز حرف سوم مکسور نہیں

۱؎ حدود العالم مطبوعۂ کابل، ص ۳۸۶۔ کتاب کے متن میں کئی جگہ اس ناحیت کا نام آیا ہے۔

ہوسکتا، بلکہ ساکن ہوگا، کیونکہ کار مضاف و گیا مضاف الیہ نہیں ہوسکتا۔ غالب کا مزید بیان ہے کہ کیا میں کاف مفتوح ہے۔

غالب کا اعتراض بجا ہے کہ گیا کے بجائے کیا ہونا چاہیے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ بعض قدیم فرہنگوں میں گیا واضح طور پر گاف سے ملتا ہے۔ مثلاً :

ادات الفضلا : گیا باکاف فارسی، گیاہ و خوطہ کہ اوراعرب مقدم خوانند و پہلوان ودہن۔

زفان گویا ذیل گ ۔۱ : گیا دہقان و خوطہ راگویند و بزبان دیلمیان پہلوان باشد و در پارسی گیاہ راگویند۔

موید الفضلا (ج ۲ ص ۹۲) میں کیا کاف سے ہے، اس کے ذیل میں لکھا ہے :

در ادات بکاف فارسی مذکور است و از لغت دہ گیا معلوم می شود کہ خوطہ و مقدم راگویند۔

" (ص ۹۰) کار گیا باکاف دوم فارسی کارفرما۔

" (ج ۱ ص ۳۸۴) دہ گیا دائہ کہ کم از رائی بود و خداوند دہ یعنی مقدم آن۔

اتنے مآخذ کی موجودگی میں صاحب برہان پر گیا کو گاف سے لکھنے کا اعتراض رفع ہوجاتا ہے، رہا حرف سوم کا کسرہ تو دراصل یہ سہو ہے، اس سے مراد گاف کے کسرہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے متعلق دو رائیں ہیں۔ بعض فرہنگوں میں اس کو زبر سے اور بعض میں زیر سے لکھا ہے۔ مثلاً رشیدی (ص ۱۲۵۹) میں زبر ہے، جہانگیری (ص ۲۳۲۵) اور فرہنگ معین میں کاف مکسور آیا ہے۔ برہان میں مذکور معنی دوم جہانگیری سے لیا گیا ہے۔ آخر الذکر میں اس معنی کے شاہد کے لیے منجملہ اور بیت کے مولوی روم کے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں :

جان چو شخص و ایں لباسِ تن برو — جنبش مارا از و دان ، نی زما
ہمچنیں ہستیِ عالم را ببیں — چون لباسی دان برآں چار ایں کیا

کشاورز بفتح واو، بروزن فرامرز بمعنی دہقان و برزیگر و زراعت کنندہ باشد

وزمینِ زراعت وکشتزار را نیز گویند۔ (برہان)

غالب نے اس میں متعدد غلطیاں بتائی ہیں :

۱۔ فتحۂ کاف[1] غلط ہے، (اصل میں واو کے فتحہ سے ہے، کاف کا ذکر نہیں) کشاورزمیں کاف مکسور ہے۔

۲۔ فرامرز میں 'م' مضموم ہے، اور کشاورز میں 'و' مفتوح۔

۳۔ برزیگر کے معنی مزارع نہیں، صحیح لفظ برزگر ہے۔

۴۔ کشاورز زمین زراعت کو نہیں کہتے بلکہ زمین جوتنے اور بونے والے کو کہتے ہیں۔

اگرچہ ازروی ماخذ کشاورز میں کاف مکسور ہونا چاہیے، اس لیے کہ اصل لفظ کشت ورز ہے، اور کشت میں حرف اول مکسور ہے۔ مگر بعض فرہنگوں میں کشاورز میں کاف مفتوح ہے، مثلاً بحر الفضائل، جہانگیری، رشیدی (ص ۱۱۵۴) لیکن فرہنگ معین میں حرف اوّل مکسور ہے۔

دوسرے اعتراض کے بارے میں عرض ہے کہ فرامرز کی میم کے مضموم ہونے کا کوئی ثبوت سوائے اس بیت کے جس میں 'فرامرز' 'البرز' کا ہم قافیہ ہے، نہیں ملا۔ اور یہ بیت اسکندرنامۂ نظامی کی ہے۔ علاوہ بریں فرہنگ شاہنامہ میں فرامرز میں 'میم' کو مفتوح لکھا ہے۔ اور فرہنگ معین میں بھی فرامرز کی میم پر واضح طور پر زبر لکھا گیا ہے، مزید آج کل ایران میں فرامرز کا تلفظ میم مفتوح کے ساتھ ملتا ہے، شاہنامہ میں ایک بیت یہ ہے :

غمی شد فرامرز در مرز بست

زبہر نیا دست کیں راہ بشست (چاپ رمضانی ج ۳ ص ۲۹۵)

فرامرز اور مرز میں ایک طرح کا جناس ہے اور مرز میں میم واضحاً مفتوح ہے، یہ بھی ایک قرینہ فرامرز میں میم کے فتحہ کا فراہم کرتا ہے۔

غالب کا تیسرا اعتراض کہ اصل لفظ برزگر ہے اور برزیگر غلط ہے، صحیح نہیں، دراصل یہ لفظ تین طرح پر لکھا جاتا ہے : برزگر، برزہ گر، برزیگر۔

---

[1] جہانگیری میں فتحۂ کاف سے ہے۔

جہانگیری : برز با اوّل مفتوح بثانی زدہ سہ معنی دارد۔ اوّل زراعت راگویند وآن را ورز نیز خوانند و مزارع را برزگر و برزیگر ہم گویند الخ

جہانگیری : برزکار و برزہ کار و برزگر و برزہ گر و برزیگر بمعنی مزارع الخ

سروری (۱۰۵۹) کشاورز، برزیگر باشد الخ

سروری (ص ۱۳۶) : برزگر، برزہ گر، برزیگر بمعنی مزارع است الخ موید الفضلا (ج ۱ ص ۱۳۳) میں بذرگر کے ذیل میں لکھا ہے: "بذرگر با کاف فارسی کشاورز و کدیور، و در شرفنامہ بدیں معنی برزگر آوردہ، و این غلط است، زیراچہ برز معنی ندارد اما بذر بمعنی تخم عربی است و آن مناسب است۔" تعجب ہے کہ خود اسی فرہنگ میں برز بمعنی کشاورزی (ص ۱۲۸) اور برزہ گر بمعنی مزارع آیا ہے (ص ۱۳۳)۔

چوتھے اعتراض کے بارے میں عرض ہے کہ بعض فرہنگوں میں کشاورز کے معنی زراعت کے دئے ہیں۔

سروری (ص ۱۰۵۹) میں آیا ہے : کشاورز بمعنی کشتزار نیز آوردہ چنانچہ ناصر خسرو فرماید :

در کشاورزِ دینِ پیغمبر ایں فرومایگان خس و خارند

ہم او فرماید :

چون کشاورز خوہ و خار گرفت تخم اگر افگنی بود تاوان

جہانگیری (۱۳۸۶-۸۷) اور رشیدی (ص ۱۱۵۴) میں کشاورز بمعنی زمین زراعت لکھا ہوا ہے اور ناصر خسرو کی دونوں مندرجہ بالا ابیات سے استشہاد ہوا ہے۔

اس گزارش سے ظاہر ہے کہ برہان میں کشاورز کے سلسلے میں جو تفصیلات درج ہیں، وہ قابلِ توجہ ہیں، اور غالب کے اعتراض اکثر بے بنیاد ہیں۔

کشکول

بروزن مقبول بمعنی گدا و کاسۂ گدائی۔ (برہان)

غالب کو اس بیان پر کئی اعتراضات ہیں :

۱۔ کشکول میں واو مجہول ہے اور مقبول میں واو معروف، دونوں ہموزن نہیں۔
۲۔ کشکول کو کچکول کہتے ہیں، اس کے معنی کاسۂ گدائی ہیں گدا نہیں۔
۳۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ کش کشیدن سے امر ہے اور کول بمعنی دوش۔ غالب کہتے ہیں کہ اسم پر امر لگاتے ہیں، یہاں امر اسم کے پہلے آیا ہے۔

برہان میں یہ مطالب جہانگیری سے نقل ہوئے اور آخر الذکر لغت میں کشکول (۱۳۹۳) کچکول اور خچکول (۲۵) کو مترادف قرار دیا ہے۔ اور خچکول کو واو معروف سے لکھا ہے۔ اس کے باوجود ہندوستان میں واو مجہول سے بولا جاتا ہے۔

جہانگیری اور اس کی پیروی میں رشیدی (۱: ۵۷۲، ۲: ۱۱۵۹) میں خچکول، کجلول اور کشکول کے ایک ہی معنی دئے ہیں: گدا کاسۂ خچکول کاسۂ گدا و آنرا کچکول و کشکول نیز گویند۔

جہانگیری (ص ۲۵، ۷) میں انوری کے ایک قطعہ اور سیف اسفرنگ کی ایک بیت سے اس معنی کا استشہاد ہوا ہے:

بروزگار ملک شہ ءابیٔ خچکول — مگر بیار گہش رفت از قضا گہ بار
سؤال کرد کہ امسال عزم حج دارم — مرا اگر بدہد پادشاہ صد دینار
چو حلقۂ درِ کعبہ بگیرم از رہ صدق — برای دولت و عمرش دعا کنم بسیار

——— انوری

کعبہ روان صفا پلاس بسازند — اشترِ خچکول را ز جامۂ احرام

——— سیف اسفرنگی

رشیدی نے خچکول کے معنی گدا نقل کرنے کے بعد انوری کے قطعہ کا پہلا شعر اور سیف اسفرنگی کی بیت بطور شاہد نقل کی ہے۔ اس کے بعد یہ اضافہ کیا ہے: وفی السامی: "المعافر والحاج حجکول، و در صراح معافر بمعنی پیادہ ای کہ حج رود وطفیلی باشد۔ پس ظاہر شد کہ ایں لفظ حجکول است بحای مہملہ، نہ خچکول بخای معجمہ، اما معنی ترکیبی خچکول معلوم نشد۔"

لغت نامۂ دہخدا میں ایک نئی توجیہ پیش کی ہے جو کچھ زیادہ قرین قیاس نہیں، پھر کتابت کی غلطیاں مفہوم کو مشتبہ بنا رہی ہیں۔ بہر حال انوری اور سیف کے اشعار سے یہ بات واضح

ہے کہ کجکول کی جج سے کوئی نسبت ہے، اس بنا پر کجکول کے بجائے کجکول زیادہ مناسب قرأت ہوگی۔

اگرچہ برہان کے مندرجات کے لیے سند موجود ہے اور اس بنا پر غالب کے اعتراضات ہلکے ہو جاتے ہیں لیکن بظاہر کشکول اور کجکول دو الگ الگ لفظ ہیں۔ کجکول اور کشکول کے معنی کاسۂ گدائی کے زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ فرہنگ معین میں یہی معنی درج ہیں اور جہانگیری اور رشیدی میں مندرج معنی دوم سے صرف نظر ہوا ہے۔

کفانہ بروزن بہانہ، بچہ را گویند کہ نارس از شکم بیفتد۔ (برہان)

غالب نے اس بیان کی تحسین کی ہے:

" آفریں صد آفریں، ای فرزانۂ دکنی، لغتی صحیح آوردی وایں قلب فکانہ است، مثل نیام و میان و کنار و کران، ایں قدر من در آگہی می افزایم کہ کفانہ و فکانہ ہر دو لغت بکاف عربی است و درہر دو لفظ حرف نخستین مکسور"

کفانہ زیادہ متداول لفظ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر فرہنگوں میں شامل نہ ہو سکا مگر چند فرہنگوں میں آیا ہے جیسے فرہنگ سروری آنند راج، ناظم الاطبا وغیرہ، دراصل یہ مقلوب و محرف فگانہ کا ہے۔ فرہنگ معین سے بھی خارج ہے۔ غالب اس کو کاف سے بتاتے ہیں اور یہی سارے منابع بین ہے، البتہ غالب کا یہ دعویٰ کہ کفانہ میں کاف مکسور ہے صحیح نہیں، سروری (ص ۱۱۵۶) میں کفانہ بوزن زمانہ لکھا ہے، تعجب ہے کہ اس لغت میں اس کے محرف ہونے کی طرف ادنیٰ اشارہ نہیں بلکہ یہ لکھا ہے کہ "و افگانہ نیز گویند"۔ جہانگیری اور رشیدی دونوں میں کفانہ کا اندراج نہیں ہے۔

غالب کا خیال ہے کہ فگانہ میں حرف دوم گاف کے بجائے کاف ہے، لیکن اکثر فرہنگوں میں یہ فگانہ کی صورت میں ملتا ہے۔ فرہنگ معین میں بھی گاف ہی سے ہے اور کاف والی شکل سے اس میں درج نہیں ہے۔ سروری میں البتہ کاف یا گاف کی تخصیص بیان نہیں ہوئی ہے۔ فگانہ اور افگانہ دونوں ہیں اور دونوں بالفتح ہیں، موید الفضلا (ج ۲ ص ۶۷)

میں بھی گاف ہے۔ سروری، رشیدی، فرہنگ معین وغیرہ میں وگانہ کو زبر سے لکھا گیا ہے البتہ مویدالفضلا میں بالکسر ملتا ہے۔ پس غالب کا یہ خیال کہ حرف اوّل مکسور ہے، اشتباہ سے خالی نہیں اس لیے کہ اکثر فرہنگوں کا بیان اس کے خلاف ہے۔

کیان خرہ 'نور قاہر، کیان خورہ نیز بہمین معنی (برہان)

غالب کیان خورہ کو غلط جانتے ہیں، خرہ بمعنی نور قاہر وصوبہ وضلع ہے۔ اور خورہ بیماری ہے جس میں بال جھڑ جاتے ہیں اور عربی میں داء الثعلب کہتے ہیں۔

دراصل غالب کا قیاس غلط ہے۔ خرہ اور خورہ دونوں کے معنی موہبت خداوندی ہے جو بادشاہوں وغیرہ سے مخصوص ہوتی ہے اور عوام سے ان کے امتیاز کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اسی کو کیان خرہ و کیان خورہ، کیا خرہ و کیا خورہ کہتے ہیں۔ خرہ اور خورہ دونوں کے معنی کسی ملک کا ایک حصہ ضلع یا قسمت کے بھی ہیں۔ خرہ کی اصل پہلوی XVRREH ہے۔ (رک فرہنگ معین و لغت نامہ) انجوی شیرازی، جہانگیری (۹۶۹) میں خرہ کے ذیل میں لکھتا ہے:

> "با اوّل مضموم وثانی مفتوح و اخفای ہا، چہار معنی دارد: اوّل آں کہ علامہ دوانی در شرح ہیاکل آوردہ کہ خرہ نوریست از اللہ تعالیٰ کہ فایز می شود در خلق وخلایق بدان نور ریاست کنند بعضی بر دیگران وبوسیلۂ آن نور قادر شوند بر صنعتہا و حرفتہا، وآن را خورہ با واو معدولہ نیز گویند، وازین نور آنچہ خاص باشد بپادشاہان بزرگ عالم عادل، آنرا کیا خرہ و کیان خرہ و کیا خورہ خوانند"

باقی تین معنی یہ ہیں: (۱) ایران کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ (۲) ایک جانور کا نام (۳) بیماری جس میں بال جھڑتے ہیں۔ اول وثانی مضموم کے معنی مرغ کے ہیں جس کو خروہ بھی کہتے ہیں۔ یہی مصنف ص ۱۹۸۰ پر خورہ کے ذیل میں لکھتا ہے:

با اوّل مفتوح و واو معدولہ ورای مفتوح، سہ معنی دارد: اوّل آنکہ علامہ دوانی در شرح

ہیاکل آوردہ الخ، بقیہ دو معنی یہ ہیں: (۱) ایران کے پانچ حصّوں میں کا ایک حصّہ (۲) نام مرض جس کو جذام کہتے ہیں۔

تقریباً اسی طرح کی تفصیل حکمتِ اشراق اور ریشتہا (۲/۲۱۴) میں ملتی ہے۔ (دیکھئے جہانگیری حاشیہ ص ۹۷۰)

بہرحال کیان خورہ اور کیان خرہ کے بارے میں برہان میں جو کچھ ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ غالبؔ کا اعتراض بے بنیاد ہے۔

کرگدن برہان میں اس لغت کے مختلف معنی پائے جاتے ہیں، غالبؔ ان پر حیرت کرتے ہیں۔ پھر کاف اوّل کو گاف بتاتے ہیں۔ پھر کرگزن کے معرب ہونے پر معترض ہیں۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ اگر فارسی فرہنگیں ان کے زیر مطالعہ ہوتیں تو ان کے سارے شبہات اور اعتراضات رفع ہو جاتے۔ مویدالفضلا (ج ۲ ص ۱۱۹۔ ۱۲۰) میں وہ سب معانی مل جائیں گے جو برہان میں آئے ہیں۔ اگرچہ ان میں بعض معانی خرافات محض ہیں جیسا کہ غیاث اللغات میں تحریر ہے۔

دوسرے اعتراض یعنی حرف اوّل کے کاف کے بجائے گاف ہونے کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ لفظ صحاح الفرس، زفان گویا، مویدالفضلا سے لے کر جدید فرہنگوں تک میں کرگدن ہی ہے، اور اس کے وہی معنی ہیں جو کرگ کے ہیں۔ کسی ایک فرہنگ میں بھی جو میرے زیر مطالعہ رہی ہے، گرگدن نہیں۔ غالبؔ سے سہو ہوا ہے۔

تیسرا اعتراض کرگزن کے معرب کے سلسلے کا ہے۔ جس کو غالبؔ ماجرائے خندہ آور کہتے ہیں، اس ضمن میں عرض ہے کہ مویدالفضلا (ج ۲ ص ۱۱۷) باب النون، فصل فی العربی میں کرکزن بضم اوّل و فتح ثانی ... در بعضی نسخ کرکدن با دال و ایں معرب کرگدن است۔

دستورالاخوان (ص ۵۱۷) میں الکرکدن بمعنی کرگ ہے۔ اس کے مولّف کے نزدیک کرگدن کا معرب کرکدن ہی ہے۔

فرہنگ معین اور لغت نامۂ دہخدا میں کرگزن کو کرگدن سے معرب بتایا ہے۔

گذاردن اور گزاردن

دو مصدر **گذارش وگزارش** دو حاصل مصدر، اور **گزاردن** سے کئی اور مشتقات، برہان میں درج ہیں۔ غالبؔ نے اعتراض کیا ہے کہ ان میں کسی میں ذال شخذ نہیں ہے۔

دراصل غالبؔ ذال فارسی کے وجود کے منکر ہیں۔ اس وجہ سے بعض پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر یہاں ان کا موقف صحیح ہے۔ اس لیے کہ گزاردن بمعنی پیش کرنا، عرض کرنا، زے سے ہے، اور گذاشتن جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں، اس میں ذال فارسی ہے۔ اتفاق سے ان سے مضارع اور امر بالترتیب گزارد، گذارد، گزار، اور گذار ہیں۔ گذاشتن سے اسم مصدر گذارش نہیں، البتہ گزاردن سے گزارش ہے۔ اسم فاعل کی صورت میں التباس ہوتا ہے، مثلاً نماز گزار درست ہے، لیکن نماز گذار درست نہ ہوگا۔ موخرالذکر کے معنی ہوں گے "نماز چھوڑنے والا" البتہ بنیان گذار صحیح ہے۔ اس لیے اس کے معنی ہیں 'بنیاد ڈالنے والا' امید ہے اس مختصر گزارش سے گذاشتن اور گزاردن کے سلسلے کے بعض مسائل صاف ہو جائیں گے۔

گل شدن

برہان میں اس کے دو معنی ہیں: ایک ظاہر ہونا اور دوسرے عظمت و بزرگی ملنا۔ پھر گل کردن کے معنی ظاہر ہونا لکھا ہے۔

غالبؔ کا اعتراض ہے کہ جب گل کردن بمعنی ظاہر شدن ہے، تو گل شدن بمعنی ظاہر ہونا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ شدن لازم ہے اور کردن متعدی ہے، دوسری بات ان کی یہ ہے کہ عظمت و بزرگی ملنے کے معنی اگر دوسری فرہنگوں میں ہوں تو ان کو اس کے ماننے میں تامل نہ ہوگا۔

پہلے اعتراض کے سلسلے میں عرض ہے کہ گل شدن بمعنی ظاہر ہونا موید الفضلا (ج ۲ ص ۱۴۹) میں موجود ہے، اور گل کردن بمعنی ظاہر ہونا رشیدی (ص ۱۱۹۴) میں آیا ہے۔ اور ظہوری کا یہ مصرع تائید میں نقل ہوا ہے:

عاقبت راز بلبلان گل کرد

یعنی بالآخر بلبلوں کا راز ظاہر ہو گیا۔ واضحاً یہ لازم صورت ہے اور گل شدن تو لفظاً ومعاً لازم ہے۔

گل شدن کے دوسرے معنی فرہنگ معین میں درج ہیں۔ غالب کے اعتراض کے لیے فی الحال ایک شہادت کافی ہوگی۔

لگام برہان میں ضمہ سے درج ہے۔

غالب معترض ہیں کہ اس کو فتحہ سے ہونا چاہیے۔ فرہنگ معین میں پیش سے ہے۔ اسی طرح جہانگیری میں ہے: لگام بااوّل مضموم، دو معنی دارد: اوّل گنگ و بی حیا (شعر شاہد) دوم نام کوہیست کہ در محاذی کوہ حیات وشیراز و قامیہ واقع است الخ لیکن رشیدی میں زیر سے ہے۔ ایسا خیال ہوتا ہے کہ دونوں طرح پر اس کا تلفظ رہا ہے، فرہنگ معین میں جدید ایرانی تلفظ ہوتا ہے۔ اس لیے بخوبی ممکن ہے کہ ایران میں اس کا تلفظ لِگام ہو۔

مابون بابای ابجد، نام علتی است وحیز ومخنث راہم می گویند، ودر عربی نیز ہمین معنی دارد چہ اسم مفعول ابنہ و ابنہ علتی است در موضع مخصوص۔ (برہان)

غالب لکھتے ہیں کہ برہان میں ہے کہ عربی میں بھی یہی معنی، تو کیا یہ فارسی ہے؟"

بعض فارسی فرہنگوں میں یہ لفظ موجود ہے، مثلاً زفان گویا میں ہے: مابون نام علتی است۔

موید الفضلا (۲ : ۲۰۰) مابون نام مردی و نام علتی است کذا فی زفان گویا۔

معیار جمالی مولف شمس فخری (ص ۳۵۲): مابون حیز را گویند۔ اس میں حسب ذیل دو شعر بطور شاہد نقل ہوئے ہیں:

بہ لفظ یکسون پیوستہ تا بود یکساں — ہمارہ تا کہ نیاید حمیت از مابون

مخالف تو کہ کمتر ز حیز و مابون است — ز دستبرد فنا باد بازمین یکسون (ص ۳۵۰)

سروری (ص ۱۳۵۲) : مابون بضم با، بمعنی حیز باشد، شمس فخری گوید:

بہ لفظ یکسوں پیوستہ الخ

ایں لغت را شمس فخری و اکثر مولفان بفرس آوردہ اند، اما بعد از تحقیق ظاہر شد کہ عربی است۔

مابون کے عربی ہونے میں شبہہ نہیں اور جیسا کہ برہان میں ہے کہ ابنہ سے اسم مفعول ہے، مقدمۃ الادب (ص ۲۲۱) مأبون بمعنی آنکہ مردی ندارد، پلوج۔ دراصل عربی میں "ابنہ بشئ" ابنا متہم کرد اورا بچیزی، مأبون مُتَّہم، وصاحب قاموس گفتہ کہ لفظ مابون در خیر و شر ہر دو مستعمل می شود... لیکن اگر آن را مطلق استعمال کنند مراد از آن متہم بشر باشد فقط (منتہی الارب) واضحاً فارسی میں معنی میں کچھ تبدیلی کرلی گئی ہے۔ (رک: برہان قاطع حاشیہ ذیل مابون) اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی ہے، لیکن فارسی میں بھی مستعمل ہے اور اس کے معنی میں تھوڑا سا تغیر بھی ملتا ہے۔

مارافسا، مارافسار، مارافساں، مارافسای سانپ کاٹے کا جھاڑ پھونک سے علاج کرنے والا۔ برہان میں اس کے لیے چار لفظ آئے ہیں۔ غالب کے نزدیک مارافسا اور مارافسای جو دونوں ایک ہی ہیں، صحیح شکلیں ہیں۔ مارافساں کے بارے میں وہ مذبذب ہیں اور مارافسار کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ غالب کا خیال درست ہے، اس لیے کہ یہ لفظ مار + افسای سے بنا ہے، اور مارافسا یا مارافسای افسائیدن بمعنی سحر کرنا، رام کرنا سے امر ہے، اور مارافسا یا مارافسای اسم فاعل ہے۔

جہانگیری اور سروری میں مارافساں بھی اسی معنی میں اور ادات میں مارافسار ہے' م۔ ر' کے تحت۔ صاحب موید الفضلا (۲ : ۱۸۲) اس (کو قیاساً غلط لکھتا ہے، موید (۲ : ۲۰۰) میں مارافساں بھی اسی معنی میں ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ برہان کے چاروں اندراج کے لیے وجہ جواز موجود ہے۔

مادرندر و مادندر اور **مارندر** بمعنی زن دوم پدر (برہان)

غالب کا خیال ہے کہ تیسری صورت صاحب برہان کا قیاس ہے۔

جہانگیری میں اس معنی کے لیے حسب ذیل صورتیں آئی ہیں:

مادرندر، مادندر، مارندر، مایندر۔ بعض کے لیے فرخی کا یہ قطعہ درج ہے:

مہر فرزندی بر خواجہ فگندست جہاں　　راست چون مادراندر پراندر براوست

دشمن از مہر طمع دارد از و بیہودگی است　　کایں جہان مادر اونیست مادندر اوست

سروری اور رشیدی میں مادندر کے لیے رودکی کی بیت درج ہے:

جہانا چہ بینی تو از بچگان

کہ گہ مادری گاہ مادندری

سامی فی الاسامی میں صرف مادراندر ہے۔ فرہنگ معین میں چار صورتیں ہیں:

یعنی مادراندر، مادرندر، مادندر اور مایندر۔ گویا جہانگیری میں مندرج مارندر نہیں ہے۔ اس طرح کل پانچ شکلیں ہوئیں اور غالب صرف تین صورتوں کے تصور سے پریشان ہوگئے۔

مارسان بکسر ثالث و سین بے نقطہ بروزن عاشقان بمعنی مارستان کہ بیمارستان و دارالشفا باشد۔ (برہان)

غالب فرماتے ہیں کہ مارسان بغیر سند قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

مارستان بیمارستان کے معنی میں آیا ہے اور جہانگیری اور سروری میں اس کے لیے شعر شاہد بھی نقل ہیں:

بردش از قصر چون نگارستان

ہمچو دیوانگان بہ مارستان　　(جہانگیری ۴۹۱)

لیکن مارسان سوائے فرہنگ جہانگیری کے مجھے کسی اور قدیم فرہنگ میں نظر نہیں آیا۔

جہانگیری (ج ۲ ص ۲۲۳۱) میں ذیل بیمارسان یہ آیا ہے: بیمارستان بود و آں را مارسان نیز گویند و بتازی دارالشفا، حکیم فردوسی:

بدو گفت گودرز بیمارسان　　ترا جای زیباتر از شارسان

اور حاشیے میں فردوسی کے ایک اور شعر کا اضافہ ہے :

زاہو از تا پارس یک شارسان
بکرد و بیاورد بیمارسان

البتہ فرہنگ معین میں مارسان ایک لفظ کی حیثیت سے الگ اندراج ہے اور اس کے معنی بیمارستان لکھے ہیں۔ لغت نامہ میں اس لغت کے معنی برہان قاطع اور آنندراج کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔

ضمناً ذکر ہے کہ رشیدی (ص ۱۳۱۲) نے مارستان کو بفتح را لکھا ہے۔ اور بیمارستان کا معرب بتایا ہے۔ یہ قیاس درست ہے اس لیے کہ دستور الاخوان جو عربی فارسی لغت ہے، اس میں المارستان بمعنی بیمارستان لکھا ہے، لیکن رشیدی کے برخلاف اس میں "ر" مکسور ہے۔ (ج ا ص ۵۴۸)

ماھر بروزن ظاہر بلغت زند و پازند بمعنی فردا باشد کہ بعربی غدمی گویند و در عربی بمعنی استاد است (برہان)

فردا کی پہلوی اصل فراتک (FRATAK) ہے، اس کا ہزوارش MAHER ہے، (حاشیۂ برہان ص ۱۹۵۸ از دکتر معین) غالب پہلوی اور ہزوارش دونوں کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔ اس لیے وہ اس طرح رقم طراز ہیں :

"چون زند و پازند کس میا بست ہر آئینہ اگر در فرہنگہای دیگر نیز آوردہ باشد نتوان بتواتر استناد کرد، ما ایں مقدمہ را در ذیل فوائد کہ انجام ایں نگارش بدانست آشکارا نگاشتہ ایم" (قاطع برہان)

ماہی چشمہ خضر کنایہ از زبان و دہان معشوق است (برہان)

غالب فرماتے ہیں کہ میں نے برہان قاطع کے مطبوعہ نسخے میں ایسا ہی دیکھا ہے، پھر اضافہ کرتے ہیں کہ "ماہی چشمہ خضر" ہوگا۔ لیکن برہان قاطع کے نسخہ مطبوعہ تہران (ص ۱۹۶۳)

میں ماہی وچشمۂ خضر ہے، البتہ مویدالفضلا (ج ۲ ص ۱۸۳) میں یہ فقرہ ہے:

ماہی گویا میان چشمۂ خضر یعنی زبان در دہان۔

شیر شرزۂ غاب اسم حضرت امیر علیہ السلام (برہان)

آب دہِ دست اسم حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (برہان)

غالبؔ معترض ہیں کہ اس طرح کے فقرات جو ادب کے منافی ہیں لغت میں جگہ پانے کے مستحق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحبِ برہان نے یہ فقرات قدیم فرہنگوں سے نقل کیے ہیں، مثلاً ادات الفضلا میں ہے: شیر شرزۂ غاب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔ نیز صاحبِ موید (ج ۲ ص ۵۲۱) رقم طراز ہے:

شیر شرزۂ غاب یعنی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔

اسی طرح آب دہِ دست کی تشریح ادات الفضلا میں اس طرح ملتی ہے:

آب دہِ دست: یعنی حضرت محمد علیہ السلام وہرکہ آرایش صدر ازو باشد۔

مویدالفضلا (ج ۱ ص ۱۴) میں یہ الفاظ ملتے ہیں:

آب دہِ دست: باضافت بمعنی حضرت رسالت ونیز آنکہ آرایش صدر ازو باشد۔ کذافی الادات، والقنیتہ ونیز آنکہ جاہ صدر ازو بیفزاید ونیز رونق دہ وسخاوت ہ۔

جہانگیری: آب دہِ دست، کنایہ از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً و شخصی راگویند کہ بزرگ مجلس بود و آرایش صدر ازو باشد عموماً۔

مذ بضم اوّل وسکون ثانی بمعنی صاحب وخداوند باشد ومرکب می آید ہمچو اسفندارمذ (برہان)

غالبؔ فرماتے ہیں: "میم کی بحث میں مذ ذال سے اور میم کے پیش سے لکھتے ہو۔

اور اس کے معنی "خداوند" قرار دیتے ہو اور اس طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہو۔ نہ نذ ذال سے ہے، اور نہ اس کے معنی خداوند کے ہیں۔ پارس کے اہلِ خرد نے اس کا یہ نام کس بنیاد پر رکھا ہے؟ اورمزد، ارمزد، ہرمزد و ہرمز چاروں لفظ زاے ہوز سے ہیں۔ ان کے معنی مشتری ہے، جو کوکبِ علم ہے۔ اسفندارمزد و اسفندارمز بھی نام ماہ، نام روز اور نام سروش ہے۔ یہ امور بھی مولانا عبدالصمد رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے مستفاد ہیں۔"

(قاطع برہان)

دراصل مؤلف برہان و غالب دونوں قدیم ایران کی زبانوں سے ناواقف تھے اس لئے بعض اوقات وہ بڑی غلط فہمی کے شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اس جگہ ہے۔ صاحب برہان سے نذ کے معنی بیان کرنے میں غلطی سرزد ہوئی ہے۔ دراصل نذ کے معنی خداوند و صاحب کے نہیں، اسفندارمذ یا اسپندارمذ دو سے مرکب ہے (اسپند + ارمند) اوستا میں سپنت آرمئتی اور پہلوی میں اسپندارمت ہے۔ سپنت بمعنی مقدس ہے، اور آرمئتی پھر دو جز سے مرکب ہے یعنی آرم بمعنی "درست، ٹھیک ٹھیک، جیسا چاہیئے" اور دوسرا جز متی ہے جس کے معنی فکر، فکر کردن ہے۔ ارمتی بمعنی فروتنی و بردباری ہے۔ اور پہلوی میں اس کا ترجمہ خردِ کامل سے کیا گیا ہے۔ (لغت نامۂ دہخدا ملخصاً)

دراصل صاحب برہان کی غلطی کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے اسپہبد وغیرہ کے جز دوم بذ بمعنی سردار، خداوند کو نذ پر اطلاق کر دیا۔ (رک حاشیہ برہان ص ۱۹۸، ذیل کلمۂ نذ از دکتر محمد معین)

اب ہم غالب کی غلطیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں، غالب کا یہ خیال کہ نذ میں ذال نہیں "زے" ہے، اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ فارسی میں ذال نہیں۔ بہر حال نذ میں ذال ہے، اور اس لفظ یا اس جز کا کوئی تعلق اورمزد، ارمزد، ہرمزد اور ہرمز سے نہیں، ان سارے لفظوں کا ریشہ اہورامزد ہے، جو زرتشتی مذہب میں خدائے برتر کا نام ہے۔ غالب نے اسپندارمزد اور اسفندارمز کو اسفندارمذ کی صحیح شکلیں بتائی ہیں، یہ دونوں غلط ہیں، اور فارسی میں عدم ذال کے نظریہ پر مبنی ہیں۔ اس کلمہ کی دو شکلیں ہیں: ایک اسپندارمذ

اور دوسری اسفندار مذ۔

مشمشا بفتح اول ومیم وسکون ثانی وشین نقطہ دار بالف کشیدہ بلغت زند وپازند نوعی از زرد آلو وقیسی باشد (برہان)

غالب فرماتے ہیں کہ جاننے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ دکنی کا قول پوچ اور بے سند ہے، یہ وہی مشتمش بروزن کشمش ہے، جس کے معنی خوبانی ہے جو زرد آلو کی قسم ہے۔

غالب کے بیان سے ظاہر ہے کہ دراصل لفظ مشمش ہونا چاہیے، مشمشا غلط ہے۔ لیکن بات ایسی نہیں۔ پہلوی حروف تہجی کے اعتبار سے لفظ مشمشا لکھا جاتا ہے لیکن یہ صورت ہزوارش ہے، اصل لفظ آلوچک ہے۔ یہی آلوچہ ہے، بالفاظِ دیگر مشمشا لکھا جائے گا۔ لیکن پڑھا جائے گا آلوچک۔ پس آلوچک پہلوی لفظ ہے نہ مشمشا۔ یہ لفظ لکھتے وقت عربی لفظ مشمش کاتب کے تحت الشعور میں تھا، عربی اور فارسی لفظ کی یکسانی کی یہ عجیب و غریب نوعیت جو ہزوارش سے ناواقفیت کا نتیجہ تھی۔ بعض فارسی کے عالموں کی طرف سے اس دعوے کا موجب ہوئی کہ فارسی اور عربی ایک ہی خاندان کی زبانیں ہیں۔ اس سلسلے میں سراج الدین علی خاں آرزو سب سے زیادہ ممتاز ہیں، جنھوں نے اپنی مشہور کتاب مثمر میں "توافق لسانین" کا نظریہ پیش کیا ہے۔

مکس، مکاس، مکیس ان تینوں لفظوں کے بارے میں غالب فرماتے ہیں کہ "مکاس میم مفتوح سے بمعنی ابرام است، ضمہ میم سے لکھا ہے۔ (رک: حاشیہ برہان ص ۱۳۴۶) دوسری فصل میں مکس کو فتحۂ اوّل وکسرۂ ثانی سے لکھا اور کہا کہ مکیس بھی کہتے ہیں، حق یہ ہے کہ مکاس بروزن حواس لغت اصلی ہے اور مکیس اس کا امالہ ہے۔ مکس اگر اصل زبان کے اشعار میں آیا ہو تو اس کو مخفف مکیس کہیں گے۔" تقریباً یہی بات ذرا آگے بڑھ کر لکھتے ہیں۔ وہاں مکس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لغت اس نے تراشا ہے، آخر میں نہایت حسرت سے یہ خوبصورت جملہ اضافہ کیا ہے۔ " دائم ہا این ہمہ سودا زدگی مقبول است"

دراصل یہ تینوں لغات عربی ہیں، اور مختلف حرکتوں سے آئے ہیں۔ مِکاس ' چانہ زدن ' وغیرہ کے معنی میں آتا ہے، اس میں میم مکسور ہے۔

مکّاس: باج گیرندہ کے معنی میں ہے، اس میں میم مفتوح اور کاف مشدد ہے۔

مکس: چانہ زدن، باج لینا، باج کے معانی میں ہے۔ میم مفتوح اور کاف موقوف (بروزن عکس) (رشیدی ۱۳۴۶)

مکیس: مکاس کے معنی میں ہے، اور میم مکسور ہے۔ بیت شاہد بھی ہے:

درآں آرزوگاہ فرخار دیس
نکرد آرزو با معامل مکیس

پہلے تینوں لغات دستورالاخوان میں اور چاروں الفاظ (نظامی گنجینۂ گنجوی) فرہنگ معین میں آئے ہیں، بہرحال ان کے وجود پر کسی کو شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ غالب نے خواہ مخواہ صاحبِ برہان پر لفظ تراشی کا الزام لگایا ہے۔

منقارقار و منقارگل

منقارقار بمعنی زبانۂ قلم و منقارگل بمعنی زبان (برہان)

غالب کہتے ہیں کہ " میں اپنی نارسائی اندیشہ کی وجہ سے نہیں سمجھ سکا کہ 'زبانۂ قلم' کیا ہے اور منقارقار کنایہ از زبانۂ قلم و منقارگل کنایہ از زبان، کس کی تجویز ہے۔"

زبانہ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو زبان کی مانند ہو، زبانۂ قلم سے مراد قلم کی زبان، قلم کی نوک، لوہے کے قلم کا نب ہے۔

منقارقار اداتُ الفضلا میں بمعنی زبانۂ قلم ہے۔ جہانگیری میں ہے، منقارقار یعنی زبانۂ قلم چہ قار بترکی سیاہ را گویند (نیز رک: سروری ص ۱۳۵۷ و رشیدی)

منقارگل کے بارے میں موید الفضلا (ج ۲ ص ۱۹۶) میں ہے:

منقارگل باکاف فارسی مذکور، زبان کذافی شرح المخزن۔

بظاہر شرح مخزن اسرار کا نویسندہ بحرالفضائل کا مولف کرکی بلخی ہے۔ جہانگیری

میں منقارِ گل کنایہ از زبان لکھا ہے، شعر شاہد نقل نہیں۔ رشیدی (ص ۱۳۵۷) میں اس کی تشریح یوں ملتی ہے:

منقارِ گل یعنی زبان، نظامی گوید:

جان تراشیدہ بمنقارِ گل
فکرت خاییدہ بدندانِ دل

بہ ظاہر اس تفصیل سے غالب کا شبہہ رفع ہو جائے گا۔

مہر خم، مہر جم، مہر فم

مہر خم بضم اوّل و رابع، کنایہ از سکوت و خاموشی است، و باین معنی بجاے حرف رابع جیم مفتوح ہم گفتہ اند۔ و بجاے جیم فا ہم بہ نظر آمدہ، واضح اینست۔ (برہان)

غالب کو اس بیان پر اعتراض ہے، اور یہ اعتراض بجا ہے۔ اس لیے کہ صاحبِ برہان کا بیان ناقص ہے۔

بظاہر آخری قرأت یعنی مہر خم کی ترجیح کی وجہ یہ ہوگی کہ فم بمعنی دہان ہے اور مُہرِ دہان کنایہ از سکوت ہے۔ لیکن اس بات کی کیا دلیل کہ مہر فم استعمام عام میں ہے بھی یا نہیں، اور جب تک اس کا ثبوت ہم نہ پہنچے مہر دہان میں دہان کو عربی میں ترجمہ کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ مہر جم کی روایت کچھ پرانی ہے۔ موید الفضلا (ج ۲ ص ۱۹۸) میں واضحاً مہر جم کنایہ از خاموشی درج ہے، بلکہ اس سے بھی پرانی روایت ادات الفضلا کی ہے جہاں میرے زیرِ مطالعہ نسخے میں یہ فقرہ مہر جم ذرا دِقت سے پڑھا جاتا ہے۔ جبکہ جہانگیری میں مہر خم ہے

مہلند بروزن فرزند، تیغ و شمشیر ہندی را گویند۔ (برہان)

غالب تحریر فرماتے ہیں کہ "لغت لکھ دیا۔ لیکن توضیح نہ کی کہ کس زبان میں تیغِ ہندی کو مہلند کہتے ہیں۔ تیغِ ہندی وہی سروہی ہے۔ لیکن نہ ہندوستان میں مہلند کہتے

ہیں نہ فارسی نہ عربی میں، نہ ترکی میں، اس طرح کے الفاظ اس کتاب میں فراواں ہیں۔"

مہلند معنی دار لفظ ہے، چنانچہ جہانگیری (ص ۲۲۰۲) اور رشیدی (ص ۱۳۶۷) میں اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے: مہلند بفتح میم و لام، تیغ ہندی راگویند نجم الدین سمنانی گوید:

مرا کہ صورتِ فضلم جگر پر از خون کرد
دگر کہ ہیکل مہلند داد در آبِ زلال

میامار بروزن میازار، منع از حساب کردن و شمردن باشد یعنی مشمار وحساب مکن، زیرا کہ امار و امارہ حساب و شمارہ را گویند۔ (برہان)

غالب اس کی گرفت اس طرح کرتے ہیں:

"ہم کہتے ہیں کہ ادار و اوارجہ بمعنی دفترِ حساب آمدہ است و ابار و ابارجہ اس کے مبدل ہو سکتے ہیں۔ یہ آمار و آمارجہ اور پھر میامار بمعنی نہی و منع حساب کہاں سے آگیا؟ پہلے مصدر ہونا چاہیے، پھر اس مصدر کے مضارع بنے، اور اس مضارع سے امر بنائیں، پھر میم نہی اس پر اضافہ کریں۔ اس طرح میامار کی شکل پیدا ہوگی، اور یہ خود نہیں ہے، اوار اور اوارجہ مزید علیہ ہے۔ یہ لفظ غیر منصرف ہے بمعنی دفترِ حساب، واو کو میم کی صورت میں کیوں مسخ کیا اور یہ ساز و سامان کہاں سے لایا گیا کہ امار، امر اور میامار نہی کی صورت وجود پذیر ہوئی۔"

غالب کا مطالعہ اتنا کم ہے کہ بعض اوقات پڑھنے والوں کو شرمندگی ہوتی ہے، پھر ہر جگہ قیاس کا گھوڑا بہت تیز دوڑاتے ہیں۔ اوار سے ابار کا قیاس کر لیا، استعمال عام میں ہو یا نہ ہو۔ بہر حال اصل لفظ آمار، آمارہ، امار، امارہ ہیں۔ ان سے آوار، آوارہ، اوار، اوارہ اوارچہ بمعنی حساب بنے۔ دراصل آمار، امار کا مادہ پہلوی لفظ امار بمعنی حساب ہے۔ اور اس کے حسب ذیل معنی ہیں: ۱۔ حساب، شمار۔ ۲۔ استقصا، تتبع، ۳۔ علمی کہ موضوعِ آن طبقہ بندیِ علمیِ وقایعِ اجتماعی و بنای آن محاسبہ و نشان دادن نتیجہ بصورت ارقام

واعداد (Statistics)

آمار سے مصدر آماردن، و آماریدن آتا ہے۔ سوزنی کہتا ہے:

ساعتکی روی پیش دار و بہش باش
کار بمن مان و بر نگرد و میامار
تو از سر نغزی و لطیفی و ظریفی
می دان ہمی افعال من و ہیچ میامار

میامار بمعنی حساب نکن یا نہ گن۔

جدید ایران میں آمار سے خاصی اصطلاحیں بنائی گئی ہیں۔

آمارشناسی (علم) Statistics

آمارشناس Statistitian

آمارگر Statistical Official

آمارہ گیر
آمارہ گیرہ Accountant
آمارگیر

خلاصہ یہ کہ غالب کا برہان پر اعتراض درست نہیں، لیکن یہ بات یقیناً قابل توجہ ہے کہ فعل کے صیغۂ نہی کا بطور ایک لغت کے اندراج یقیناً کھٹکتا ہے۔

میو بر وزن دیو، بمعنی موے باشد الخ (برہان)

غالب کا اعتراض صرف اس قدر ہے کہ میو کے معنی موی کے نہیں بلکہ موی کا قلب ہے لیکن اس کو کیا کیجئے ساری فرہنگوں میں اسی طرح ہے۔

مثلاً رشیدی (۱۳۰۴) میں ہے:

میو بالکسر دیاے مجہول، مورا گویند، بیت:

دو دستِ تو شل بہ دو گوشِ تو کر   دو چشمِ تو بی نور و پُر میو بہ

جہانگیری (ص ۲۳۴۸) میں یہ آیا ہے:

میو با اوّل مکسور و یای مجہول، موی را گویند، پور بہای جامی گفتہ:

دو دست توشل الخ

واضح اً رشیدی کا بیان بدون حوالہ جہانگیری سے ماخوذ ہے۔

نابسود ہر چیز کہ آن نو باشد و دست زدہ و دست خوردہ نشدہ باشد (برہان) غالب فرماتے ہیں:

(برہان)

"نابسودہ (کذا) ببای ابجدی نوید، گوئی لفظ جامداست؛ نی نی، پسودن ببای فارسی ترجمہ لمس ومساس است و پسود (صحیح پسودہ) مفعول آن، ونا پسودہ نقیضِ آن یعنی اچھوتا۔"

دراصل مصدر لبسودن بای ابجد سے ہے، مثلاً زفان گویا میں 'ب' کے ذیل میں نقل ہوا ہے:

بسودن، دست زدن، لبسودہ بمعنی دست زدہ (رک: موید الفضلا ج ا ص ۱۸۲)

جہانگیری (ص ۵۱۳) نابسود: چیزی نو را گویند کہ دست زدہ نباشد حکیم فردوسی گوید:

بہ ہیشوی داد آن دگر ہر چہ بود زدیبا و از جامۂ نابسود

مرا دو رایکی گاو با بچہ بود ہنوزش بچہ خرد بُد نابسود

رشیدی میں جہانگیری کے تتبع میں نابسود کے وہی معنی دیے گئے ہیں اور فردوسی کی پہلی بیت کے دوسرے مصرعے سے استشہاد کیا گیا ہے۔

بطور نتیجہ عرض ہے کہ برہان میں نابسود ہے۔ گو اسم مفعول کی اصل صورت نابسودہ ہونا چاہیے۔ غالب نے برہان کی رو سے نابسود ہی لکھا ہے جو اشتباہ ہے۔ میرزا نے پسودن ('پ') سے لکھا ہے۔ لیکن میرے ماخذ میں بسودن باۓ عربی ہی سے ہے۔

نابہرہ بفتحِ ثالث وسکونِ ہا و راے بے نقطہ مفتوح، معنی بزرگ

وعظیم باشد۔ وفرومایہ و دون وخسیس رانیزگویند و بمعنی نبہرہ نیز ہست کہ زرِ قلب ناسرہ باشد۔ وبمعنی پوشیدہ و پنہان ہم آمدہ است۔" (برہان)

قاطع برہان: "ناہبرہ راہم بمعنی بزرگ وعظیم وہم بمعنی خسیس وفرومایہ آوردہ است گوئی این لغت از اضداد شمردہ است وچنین نیست۔ بہرہ زرِ قالب وکاسد راگویند۔ وبدین علاقہ اگر فرومایہ رانیزگویند، گفتہ باشند۔ بمعنیِ بزرگ وعظیم زنہار نیست۔ والف بعدازنون اگر بضرورتِ شعرروا دارند، روا باشد؛ ورنہ اصل لغت بی الف است۔"

غالب کے اعتراضات کے سلسلے میں عرض ہے کہ برہان سے قبل کے فرہنگ نویسوں کے یہاں ناہبرہ سوائے آخری معنی کے برہان میں دیے ہوئے معنوں میں استعمال ہوا ہے، مثلاً جہانگیری (ج ۱ ص ۵۱۳) میں ہے:

ناہبرہ سہ معنی دارد: اوّل بزرگ وعظیم راگویند۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ فرماید:

کہ واویلا عجب کاریم افتاد
بسر ناہبرہ دیواریم افتاد

دوم، دون وفرومایہ بود۔ سوم بمعنی قلب وناسرہ آمدہ۔ وآں را نبہرہ نیز خوانند۔"

رشیدی (ج ۲ ص ۱۳۷۷) میں آیا ہے: "ناہبرہ زرِ قلب کہ نبہرہ نیزگویند۔ ودرفرہنگ بمعنی بزرگ نیز آمد۔ جامی گوید: کہ واویلا عجب کاریم الخ"

سروری (ج ۳ ص ۱۴۵۶) میں یہ درج ہے: "ناہبرہ ہمان نبہرہ مرقوم بمعنی اوّل و دوم وبمعنی بزرگ وعظیم آوردہ، نیز درفرہنگ و باین بیت مولانا جامی متمسک شدہ: کہ واویلا الخ"

ان تینوں کے علاوہ فرہنگ نظام، آنندراج، کشوری، غیاث اللغات، انجمن آرا، سب میں یہی معانی درج ہیں۔ لغت نامہ میں مختلف لغات کے حوالے سے انھیں معانی کی تکرار ہے۔ آخر میں جامی کی بیت بھی درج ہے۔ فرہنگ معین میں ناہبرہ کے ذیل میں وہی تین معنی درج ہیں، جو برہان میں ملتے ہیں، اور جامی ہی کی بیت بطور شاہد نقل ہوتی ہے۔ ایک ہی شعر سے سب فرہنگ نویسوں کا استشہاد ظاہر کرتا ہے کہ یہ لغت

قلیل الاستعمال ہے۔ اس کے برخلاف نبہرہ کے استعمال کی متعدد مثالیں فرہنگوں میں آئی ہیں۔ ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ پوشیدہ اور پنہاں کے معنی میں ناہبرہ کے استعمال کی نہ کوئی مثال ہے اور نہ سوائے برہان کے کسی لغت میں یہ معنی ملتے ہیں۔ البتہ نبہرہ اس معنی میں آیا ہے، اور اس کے لیے سند بھی ہے:

"وایشان را از راہ ہای نبہرہ نزدیک وی بردندی" (بیہقی ص ۱۱۶)

درود گر بیگاہی از راہ نبہرہ درآمد" (کلیلہ و دمنہ)

واضح ہے کہ صاحبِ برہان نے نبہرہ کے یہ معنی بھی ناہبرہ کے ذیل میں تمام فرہنگوں کے مندرجات کے برعکس درج کر دیے ہیں۔

خلاصۂ گفتگو یہ کہ غالب کے اعتراض دو اعتبار سے بے معنی ہیں: اوّل یہ کہ صاحبِ برہان نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی، اس نے اپنے سے متقدم فرہنگ نویسوں کے قول نقل کر دیے ہیں۔ دوم یہ کہ غالب کے سارے اعتراض غلط ثابت ہوتے ہیں۔

ناغوش

ناغوش بروزنِ آغوش، چیزی را باآب فرو بردن باشد۔ سربہ آب فرو بُردن و غوطہ خوردن را نیز گویند۔" (برہان)

قاطع برہان: "در بای فارسی پاغوش بمعنی غوطہ نوشت و باز در بابِ نون ناغوش ہم بدین معنی می نویسد، داد ازین تصحیف خوانی۔"

اس میں شبہہ نہیں کہ پاغوش اور ناغوش دونوں میں ایک ہی صحیح ہے، لیکن برہان سے قبل کے لغات اور ادب میں دونوں صورتیں ملتی ہیں۔ پاغوش کے لیے رودکی کا یہ شعر نقل ہوا ہے:

بود زودا کہ آئی نیک خاموش
چو مرغابی زنی در آب پاغوش

ناغوش کے لیے لبیبی کا یہ شعر بطور شاہد آیا ہے:

گردِ گرداب مگر دای کہ ندانی تو شنا کہ شوی غرقہ چو ناگاہی ناغوش خوری

ذیل میں فرہنگوں کے بیانات نقل کیے جاتے ہیں:

لغتِ فرس (ص ۲۲۰) ناغوش، سر بآب فرو بردن بود از مردم، و مرغ را نیز گویند۔ لبیبی گوید:

گرد گرداب مگر دارت نیاموخت شنا — کہ شوی غرقہ چو ناگاہی ناغوش خوری

صحاح الفرس (ص ۱۵۴): "ناغوش لبیبی راست: گرد گرداب" الخ

جہانگیری (۲۳۵/۱): پاغوش غوطہ باشد یعنی سر بآب فرو بردن۔ رودکی فرماید:

بود زودا کہ آئی نیک خاموش
چو مرغابی زنی در آب پاغوش

رشیدی (۲۳۲/۱): "پاغوش سر بآب فرو بردن و غوطہ زدن۔ رودکی گوید:
بود زودا الخ"

سروری (۲۳۳/۱-۲۳۴): پاغوش بوزن خاموش غوطہ خوردن باشد، مثالش شمس فخری گوید:

نہ ہر کہ غوطہ خورد در بر آورد ز بحار
بسا کسا کہ بود مردن وی از پاغوش

سروری (۳/۱۴۱۹) ناغوش ہمان پاغوش کہ در باب بای گذشت یعنی سر بآب بردن و غوطہ خوردن، مثالش استاد لبیبی فرماید:

گرد گرداب مگر دای کہ ندانی تو شنا الخ

سروری کے سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ معیارِ جمالی کے مطبوعہ انتقادی متن (ص ۱۹۵-۱۹۷) میں اصل لغت "پاغوش کے بجائے ناغوش ہے اور شمس فخری کے شعر میں بھی یہی صورت ہے، اور لطف یہ کہ حاشیے میں اس لفظ کی دوسری اور کوئی صورت بھی درج نہیں۔ ظاہر ہے تصحیف کے تعین کا کوئی قرینہ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ سروری نے معیار جمالی کے کسی نسخے میں ناغوش کے بجائے پاغوش دیکھا ہوگا، اور وہی اپنی فرہنگ میں درج کر دیا۔

ہدایت نے انجمن آرائے ناصری میں برہان پر یہ اعتراض کیا ہے :

" (ناغوش) در برہان بمعنی غوطہ خوردن در آب آمدہ ، ولیکن خطا کردہ۔ پاغوش است بہای پارسی۔"

لیکن ڈاکٹر معین نے اس پر اس طرح ایراد کیا ہے :

" اما باید دانست کہ این کلمہ بصورت ناغوش در لغت فرس اسدی وصحاح الفرس باشاہدی از لبیبی آمدہ ، بنابراین قولِ ہدایت براساس نمی نماید۔"

ڈاکٹر موصوف کے لغت میں پاغوش کا بھی اندراج ہے ، لیکن لغت نامہ کی پیروی میں انھوں نے بھی لکھا ہے۔ پاغوش صورتاً اور معناً محتاجِ تائید ہے۔ لغت نامۂ دہخدا میں آیا ہے :

" پاغوش زدن غوطہ خوردن :

بود زودا کہ آئی نیک خاموش چو مرغابی زنی در خاک پاغوش

چون شاہدِ دیگر یافت نشد این صورت ومعنی آن محتاج بتائید است "

ناغوش خوردن ، غوطہ خوردن ، سر بآب فرو بردن :

گر د گرداب مگر دارت نیاموخت شنا

کہ شوی غرقہ چو ناگاہی ناغوش خوری (لبیبی۔ بنقل صحاح الفرس)

نیز ناغوش کے ذیل میں برہان قاطع ، فرہنگ اسدی ، صحاح الفرس ، فرہنگِ نظام ، فرہنگ ادبی کے حوالے سے اس کے معنی غوطہ خوردن اور سر بآب فرو بردن لکھے ہیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پاغوش کی بھی ایک ہی مثال یعنی رودکی کی بیت ہے ، اور ناغوش کی بھی مثال لبیبی کی بیت سے فراہم ہوئی ہے۔ شمس فخری کی روایت میں اختلاف ہے۔ سروری کے نزدیک اس کے یہاں پاغوش اور مطبوعہ انتقادی متن میں ناغوش ہے۔ لیکن اگر فخری کے یہاں یہ اختلاف نہ بھی پایا جاتا تو بھی اس کا قول مستند نہ ہوتا ، اس لیے کہ شعرِ شاہد سے معنی اخذ نہیں کیے گئے ہیں ، بلکہ معنی کی توثیق کے

کا مبدل ہے۔ پہلوی میں nivedh ہے اور اوستائی لفظ nivaedayemi (یعنی میں خبر کر رہا ہوں) سے اس لفظ کا رشتہ ہو (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ یادداشتِ معین ذیلِ کلمۂ نوید، برہانِ قاطع حاشیہ ص ۲۲۰۹) لیکن نوشتن کو نبشتن کا مبدل منہ لکھنا غلط ہے اس لیے کہ نبشتن اصل ہے۔ اور پہلوی کے nipishtan سے ماخوذ ہے۔ قدیم تحریروں میں نبشتن ہی متداول ہے۔ مثلاً کشف الاسرار تالیف ۵۲۰ھ (ج ۲ ص ۵۲۵) میں آیا ہے:
"نامۂ نبشتند بر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ چنین کاری بدست مارفت، پس اس صورت میں اگر کوئی یہ لکھ دے کہ نوشتن اصل اور نبشتن اس کی دوسری صورت ہے تو یہ قول غلط ہوگا۔

غالبؔ کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ نبید کے معنی نوید لکھے گئے ہیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ علمی طور پر اس کو اس طرح لکھنا چاہیے کہ نبید نوید سے مستفاد ہے لیکن چونکہ نوید زیادہ متداول لفظ ہے۔ اگر اس کو بطور معنی کے لکھ دیا تو اس سے کوئی نقصان نہیں پیدا ہوتا۔ ڈاکٹر معین نے بھی اس کے معنی مژدگانی اور نوید لکھے ہیں۔ غالبؔ کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ 'نبید' کے معنی 'خوش خبری' ہے۔ 'مژدگانی' نہیں۔ اُن کے نزدیک دونوں لفظ مترادف نہیں، اس لیے کہ مژدگانی خوش خبری لانے والے کا انعام ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ مژدگانی کے دو معنی ہیں: ایک انعام، دوسرا خوش خبری۔ گویا دوسرے معنی کے اعتبار سے 'مژدہ' اور 'مژدگانی' مترادف ہیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مژدگان: خبرِ خوش، نوید و مژدہ:

سبک نامہ بہ ویسِ دلستان داد ــــ زکار رام وی را مژدگان داد
(ویس و رامین)

چہ آن کز دلبرم آگاہی آرد ــــ چہ آن کم مژدگانِ شاہی آرد
(ویس و رامین)

بہ رامین شد مراد را مژدگان برد ــــ کہ شاخِ بخت سر بر آسمان برد
(ویس و رامین)

دل ازمن رفت اگر یابم نشانش دہم این خستہ جان را مژدگانش
(ویس و رامین)

اسی مناسبت سے مژدگان آور بمعنی بشارت دہندہ، آتا ہے۔

نریمانِ یل مژدگان آوراست کہ مرشاہ را بندۂ کہتراست
(گرشاسپ نامہ ۳۱۵)

۲۔ مژدگانی، (الف) خبرِ خوش، مثال:

زنجتِ ہمایون ترا تا قیامت بہ نوشادی ہر زمان مژدگانی
(فرخی)

مژدگانی کہ گل از غنچہ برون می آید صد ہزار آقچہ ریزید عروسانِ بہار
(سعدی)

مژدگانی کہ گربہ عابد شد عابد و زاہد و مسلمانا
عبید زاکانی

(ب): انعامی کہ بہ خبرِ خوش آورندہ می دہند:

مارا بہ فرِ طلعتِ خویش آن سپہر فضل خود داد مژدگانی و خود بود مژدہ در
(سوزنی)

مژدگانی بدہ ای دل کہ دگر مطربِ عشق راہ مستانہ زد و چارۂ مخموری کرد
(حافظ)

مژدگانی بدہ ای خلوتی نامہ گشای کہ ز صحرای ختن آہوی مشکین آمد
(حافظ)

اِن مثالوں سے واضح ہے کہ 'مژدگان' صرف بمعنی خبرِ خوش اور 'مژدگانی' خبرِ خوش اور انعام دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن فرہنگ نگاروں میں اس سلسلے میں اختلافِ رائے ملتا ہے۔ ذیل میں چند فرہنگوں کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

جہانگیری (ص ۱۲۴) میں صرف مژدگانی ہے اور دونوں معانی کے ساتھ۔ مژدہ کے لیے حافظ کی یہ بیت درج کی ہے: مژدگانی بدہ ای خلوتی الخ۔ حالانکہ یہ انعام کے لیے

زیادہ مناسب ہے۔

رشیدی (ص ۱۳۳۰) میں مژدگانی کے صرف ایک معنی درج ہیں یعنی مژدہ لانے والے کا انعام (بغیر بیت شاہد)

سروری (ج ۳ ص ۱۳۵۳) میں مژدگان بمعنی خبرِ خوش، فخر گرگانی کی حسب ذیل بیت کے ساتھ درج ہے:

بہ رامین شد مر اورا مژدگان برد
کہ شاخِ بخت سر بر آسمان برد

اور مژدگانی کے صرف ایک معنی یعنی خبرِ خوش لانے والے کا انعام درج کیا ہے۔ حافظ کی بیت شاہد کے ساتھ ــــــ "مژدگانی بدہ ای خلوتی" الخ درج ہے ساتھ ہی یہ بھی اضافہ ہے کہ فرہنگ جہانگیری میں "مژدہ" کے معنی میں بھی آیا ہے۔

فرہنگ نظام (ج ۵ ص ۱۲۴) میں صرف مژدگانی درج ہے۔ اور وہ بھی صرف ایک معنی میں ہے۔ یعنی خبرخوش لانے والے کا انعام۔ فرہنگ معین میں مژدگان بمعنی مژدگانی اور مژدگانی انعام اور خبرِ خوش دونوں معنوں میں آیا ہے۔ یہی حال لغت نامہ دہخدا کا ہے جس میں مژدگان اور مژدگانی دونوں ہیں، اور ان کے معانی کا متعدد اشعار سے استشہاد ہوا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ "مژدہ" "مژدگان" اور "مژدگانی" مترادف ہیں۔ اور غالب کا اعتراض بیجا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ نبید میں اگر یائے مجہول ہے تو اس کو عربی نبیذ کا ہم معنی کیوں کر قرار دے سکتے ہیں؟ اس لیے کہ نبیذ میں یائے معروف ہے، اِس لحاظ سے غالب کا ایراد صحیح ہے۔

نبی بکسرِ اوّل و ثانی بتحتانی مجہول کشیدہ، مصحف و کلام خدا را گویند، و بضمِ اوّل ہم آمدہ" (برہان)

غالب لکھتے ہیں: " اگر سو فرہنگوں میں نبی بمعنی مصحف مجید دیکھوں۔ پھر بھی میں

ماننے کے لیے تیار نہ ہوں گا۔ میری دلیل یہ ہے کہ قرآن قلمرو عرب میں پیغمبر عربیؐ پر عربی زبان میں نازل ہوا، پس یہ کیوں کر مانا جاسکتا ہے کہ اس کا نام دری زبان میں ہو حضرت ختم المرسلین صلعم کے دینِ مبین کا ظہور خسرو پرویز کے عہد میں ہوا، اور زبان فارسی کی ابتدا پارسیوں کے اعتقاد کے بموجب آغاز آفرینش کے ساتھ ہوئی، ... اور اسم کا وجود مسمی کے ظہور کے قبل کیوں کر ہوگا؟ بہرحال کہا جاسکتا ہے کہ نبی پارسی زبان میں خدا کے کلام کو کہتے ہیں۔ ہاں پارسی بھی دساتیر، زند و استا کو کلامِ الٰہی مانتے ہیں، لیکن اس کو "نامۂ آسمانی" اور "فرائتین نواد" (یہ دساتیری اصطلاح ہے، فارسی سے کوئی تعلق نہیں) کہتے ہیں۔ "نبی" نہیں کہتے۔ اس کے باوجود میں نے مان لیا کہ کلام الٰہی کو "نبی" کہتے ہیں۔ کیا روضۂ رضوان کا "بہشت" اور "مینو" نام نہیں ہے؟ جب عرب اور عجم کا باہم میل جول ہوا تو جنت و فردوس و بہشت اور مینو نگارش اور گزارش میں آنے لگے، نماز وصلوٰۃ روزہ وصوم کا اختلاط و امتزاج ہوا۔ جب رسول کو پیغمبر کہنے لگے تو قرآن شریف کو نبی کیوں نہ کہتے، پس اگر غالب نہیں جانتا تو اس سے کیا نقصان، اگر ساسانِ پنجم ترجمۂ دساتیر میں اسے نہیں لاتا تو کیا مضائقہ، اور اگر زبانِ زدِ خلق نہیں تو کیا غم؟ جب دکنی نے لکھا ہے تو صحیح ہی ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ یہ فارسی مستحدث ہے اور فارسی مستحدث وہ ہے کہ جب عرب اور عجم باہم ملے اہلِ عجم نے اہلِ عرب کے مقاصد کا اپنی زبان میں نام رکھا۔ پس ضروری ہے کہ جب فرہنگ فارسی لکھی جائے تو اس طرح کے الفاظ کو مستحدث کہا جائے جس سے تحقیق کا حق ادا ہو۔"

قابلِ ذکر بات ہے کہ غالب کا بیان سرتا پا متضاد خیالات کا مجموعہ اور غیر تاریخی روایات کا حامل ہے؛ اول یہ کہ قرآن عرب میں، عربی پیغمبرؐ پر، عربی زبان میں نازل ہوا تو اس کے لیے فارسی میں نام کیوں ہوگا؟ زبان فارسی عہدِ آفرینش سے شروع ہوتی ہے۔ جناب نبی کریم صلعم کا زمانہ خسروِ پرویز کا ہے تو نزولِ قرآن سے پہلے اس کا نام کیوں کر رکھا گیا؟ حالاں کہ بات صرف اتنی ہے کہ فارسی دری میں جو مسلمانوں کے عہد میں معرضِ وجود میں آئی، ایرانی مسلمان قرآن کو قرآن کے نام کے ساتھ ساتھ نبی کے نام سے یاد کرلیا کرتا تھا۔

آفرینش عالم کی بحث غیر ضروری ہے۔

آگے چل کر غالب کہتے ہیں کہ پارسی زبان میں گفتار خدا کو دساتیر، زند اور استا کہتے ہیں، نپی نہیں۔ (عرض ہے کہ دساتیر، زند، استا کتابوں کے نام ہیں ان کے معنی گفتارِ خدا نہیں) تیسری بار غالب اقرار کرتے ہیں کہ جس طرح ایرانی اسلام کے دوسرے امور ارکان کا فارسی میں نام لیتا ہے تو اگر اس نے کلام خدا کا نام فارسی میں نپی رکھ لیا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بہر حال یہ بات تو قابلِ قبول ہے۔ لیکن اس کی عدم عمومیت شبہے میں ڈالتی ہے۔ غالب یا عام لوگ اس لفظ سے واقف نہیں ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ساسانِ پنجم نے ترجمۂ دساتیر میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ غالب کے لیے یہ بڑی قابلِ توجہ بات ہے بہر حال اگر برہان کی بات سند ہے تو اتنا ضرور ہے کہ اُس کو فارسیِ مستحدث قرار دینا چاہیئے۔

غالب کا استدلال نہایت درجہ غیر منطقی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ انھوں نے جس طرح قدیم ایران کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی تہذیب سے متعلق ان کی معلومات کس قدر ناقص ہے۔ بقول غالب دساتیر، زند اور اوستا پارسیوں کے نزدیک آسمانی کتابیں ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اوستا آسمانی کتاب سمجھی جاتی ہے، زند اس کی پہلوی زبان اور پہلوی رسمِ خط میں شرح ہے۔ یہ نہ کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی زبان۔ یہی زند جب اوستائی رسمِ خط میں لکھی جاتی ہے تو پازند کہلاتی ہے۔ بہر حال زند اور پازند سے پارسیوں کا مذہبی تعلق ہے۔ لیکن دساتیر جعلی کتاب ہے، اس کو کوئی پارسی مذہبی کتاب ماننے پر تیار نہیں۔ آسمانی کتاب سے کیا تعلق۔ ساسانِ کا وجود فرضی اور جعلی ہے۔ اور دساتیر کی زبان بھی جعلی ہے۔ ان رموز پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اس سلسلے میں مزید کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ (اس سلسلے میں ملاحظہ ہو راقم کا مضمون "دساتیر پر ایک نظر" مجلہ آزادی فکر و نظر علی گڑھ اپریل ۱۹۶۱ء)

اب میں لغت نپی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ لغت نبی، نپی اور نوی تین طرح پر آیا ہے۔ فرہنگِ قواس (ص ،) میں نوی اور نبی ہے۔ اور ادیب صابر کی حسب ذیل بیت بطور شاہد (نوی) درج ہے۔

بہ سورہ سورہ توریت وسطر سطر زبور
بآیت آیت انجیل وحرف حرف نوی (چاپ تہران ص ۷)

لیکن دیوان ادیب صابر (ص ۲۶۴) میں نبی ہے۔ یہی بیت شاہد کلمۂ "نپی" صحاح الفرس (ص ۳۰۸) میں آئی ہے۔ قابلِ توجہ بات ہے کہ ایک شعر میں اس لغت کی تینوں شکلیں موجود ہیں۔

فرہنگ جہانگیری میں نوی اور نپی آئے ہیں۔ نوی کے لیے ادیب صابر کا شعر ہے (ص ۲۱۲۹) اس بارے میں اس کتاب میں قواس کی پیروی ملتی ہے، البتہ نپی کے شاہد کے لیے سنائی کے یہ اشعار جہانگیری (ص ۶۵۴) میں منقول ہیں:

نرم دار آواز بر انسان چو انسان زانکہ حق
انکر الاصوات خواند اندر نپی صوت الحمیر

چونت زید وعمرو باشد کارساز نیک وبد
در نپی پس چیست نعم المولی و نعم النصیر

(۱: ۶۵۴)

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ خود دیوانِ سنائی (ص ۱۱۴) میں یہ لفظ بای عربی سے آیا ہے، اور بقول ڈاکٹر عفیفی (جہانگیری حاشیہ ص ۶۵۴) فارسی کتابوں میں اکثر "ب" ہی ملتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ناصر خسرو (دیوان ۴۵۵) اور منوچہری (دیوان ۱۴۵) سے یہ دو اشعار نقل کیے ہیں

اگر نخواہی تا خیرہ و خجل مانی مگوی خیرہ سخن خبر کہ بر اساس نبی
بسیار کس بود کہ بخواند زبر نبی تفسیرِ او نداند جز مردم خبیر

سروری (ص ۱۴۷۰): "نبی (بضم نون و کسر با) و نوی، ہر دو قرآن باشد، مثالش ادیب صابر گوید:

"بسورہ . . . . حرف نبی

قواس، صحاح اور جہانگیری تینوں کے برخلاف اس کے یہاں نوی اور نپی

کے بجاے نبی ہے ایک اور لحاظ سے۔ اس کا بیان جہانگیری سے مختلف ہے کہ جہانگیری میں نوی اور نبی دونوں مکسور قرار دیے گئے ہیں۔ جب کہ سروری میں وہ مضموم ہیں۔

ڈاکٹر معین نے اس لفظ کو پہلوی لفظ NI PEK (NI WEK) بمعنی 'نوشتہ نامہ' سے مستفاد بتایا ہے (برہان ج ۴ ص ۲۱۱۷ حاشیہ، فرہنگ معین ۴۶۶۹)، اس لحاظ سے اِس کو زیر سے پڑھنا اصل سے قریب ہے، جیسا کہ جہانگیری اور فرہنگ نظام میں ہے لیکن بعض دوسرے مآخذ میں اس کو مضموم پڑھا گیا ہے۔ مثلاً دیکھیے لغت نامہ اور فرہنگ رشیدی۔ آخرالذکر (ص ۱۳۹۱) میں ہے: "نبی بضم نون و یای مجہول قرآن مجید کہ نوی نیز گویند و در فرہنگ (جہانگیری) بکسرتین و بای فارسی آمدہ۔"

ذیل میں بعض شواہد درج کیے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ فارسی میں یہ لفظ کس قدر متداول رہا ہے:

به سخن مانند شعر شعرا ... رودکی را سخنی تلو نبی است
(شہید بلخی)

ز تو چو یاد کنم و ز ملوک یاد کنم ... چناں بود کہ کنم یاد با نبی اشعار
(فرخی)

بسیار کس بود کہ بخواند ز بر نبی ... تفسیر او نداند جز مردم خبیر
(دیوان منوچہری ص ۳۵)

از نفاق و کفر ایشان چند جای اندر نبی ... مر پیمبر را خبر دادہ خدای کردگار
(دیوان لامعی گرگانی ص ۴۱)

نام پیغمبر بشیر است و نذیر اندر نبی ... تو نہ پیغمبر و لیکن ہم بشیر و ہم نذیر
(سوزنی)

بکنم خواجہ را بشعر ہجی ... لیک برخوانم آیتی ز نبی
(انوری)

تا خانۂ از فلک بوَد جوزا تا سورۂ از نبی بوَد طٰہٰ
(جمال الدین اصفہانی)

مر ضیفان را تو بی خصمی مدان از نبی اذا جاء نصراللہ بخوان
(مولوی)

از پی این عاقلانِ ذوفنون گفت ایزد در نبی لایعلمون
(مولوی)

باری ای خالقِ زمین و زمان مرسل و منزل نبی و نبی
(صحاح الفرس)

موسیجہ و قمری چو مقریانند از سروِ بنان ہر یکی نبی خوان
(خسروانی)

"ولیکن بہ نبی اندرون است کہ ہمۂ خلق ہلاک شدند جز نوح"۔
(تاریخ بلعمی چاپ فرہنگ ج ۱ ص ۱۴۲)

واضح ہے کہ اگر تلاش کیا جائے تو ایسے پچاسوں مقامات نکل آئیں گے جن میں کلمہ نبی (بمعنی قرآن) استعمال ہوا ہے، ایسے لفظ سے غالب کی ناواقفیت پر اتنی حیرت نہیں جتنی ان کی ہمت و جسارت پر کہ بغیر مآخذ اور ضروری علم لغت کے وہ ایسے میدان میں اتر آئے جس کے وہ مرد نہ تھے۔

نتاس اس لغت کے بارے میں غالب لکھتے ہیں:

"نتاس، بنون مکسور بمعنی خوش حالی و پس در فصل دگر نتاسیدن بمعنی خوشحال بودن می نویسد (یعنی صاحب برہان) اگر سند دست بہم ندہد زبانِ نترۂ دیوان قاف خواہد بود۔"

کوئی نظم یا نثر ایسی کہیں نہیں ملتی جس میں نتاس استعمال ہوا ہو۔ اس بنا پر بقول غالب یہ جناتی زبان کا لفظ ہے۔ البتہ فرہنگوں میں یہ لفظ شامل ہے۔ اگر غالب

کے نزدیک یہ سند ہو تو پھر یہ لفظ انسانوں کا گھڑا ہوا سمجھا جائے گا۔ بہر حال چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جہانگیری (ص ۴۰۳) میں ہے: "نتاس با اوّل مکسور، خوش وخرم باشد۔"

سروری (۳: ۱۴۱۸) میں درج ہے: "نتاس بکسر نون با تای قرشت، در مویدالفضلا بمعنی خوش باشد یعنی بی تشویش و پُر فراغت۔"

ایک نسخے میں اتنا اور اضافہ ہے: "و بمعنی ہمان نس مرقوم نیز آید بمعنی گرداگرد دہن۔" لیکن خود مویدالفضلا (۲/ ۲۲۸) میں زفان گویا کے حوالے سے آیا ہے:

"نتاس بالکسر، خوش وخرم؛ گویند عمر نتاسان گذاشتیم یعنی بخوشی گذرانیدم۔"

زفان گویا اوائل نویں صدی ہجری کا لغت ہے، شاید اس لفظ کے قدیم ترین مآخذ میں یہ فرہنگ ہو، بہر حال سروری میں جو کچھ کسی دوسرے نسخے سے اضافہ ہوا ہے اس کا مویدالفضلا سے کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ بریں نتاس کو نس سے بھی کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

رشیدی میں جہانگیری کی طرح نتاس کو بالکسر لکھ کر اس کے معنی خوش وخرم درج کیے گئے ہیں۔ (۲/ ۱۳۹۱) فرہنگ نظام (ج ۵ ص ۳۱۹) میں آیا ہے:

"نتاس خوش وخرم باشد، در سنسکرت نیتاش بمعنی کسیکہ آرزوئش بر آوردہ شدہ است و معنی فارسی مجاز آن۔"

لغت نامۂ دہخدا میں نتاس اور نتاسیدن کے معنی مختلف مآخذ سے نقل کیے ہیں، اس کے بعد فرہنگ نظام کے حوالے سے اس کو شین قرشت سے بھی درج کیا ہے۔ لیکن کسی کے لیے کوئی شعری یا نثری شاہد پیش نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر معین نے برہان کے حاشیہ (ص ۲۱۱۸) میں نتاسیدن کو تاسیدن کا مصدر منفی قرار دیا ہے۔ تاسیدن کے معنی 'دلگیر ہونا، مضطرب ہونا' آیا ہے، اور اس سلسلے کے دوسرے مشتقات یہ ہیں: "تاس: اضطراب۔ تاسا و تاسہ: بی قراری ___ علامت وی آنست کہ تاسہ و غمی اندر آن کس پدید آید۔" (ذخیرۂ خوارزمشاہی بہ نقل از فرہنگ معین) تاسندہ: تڑپنے والا۔ تاسندگی: حالتِ اضطراب۔ تاسہ گیر: ملال آور۔ تاسہ زدہ: پریشانی میں مبتلا۔ ان مثالوں سے یہ بات تقریباً

طے ہوجاتی ہے کہ نتاسں، تاسں کی منفی صورت ہے، لیکن یہ منفی صورت اتنی متداول نہیں، اس بنا پر اگر غالب اس سے واقف نہیں تو کوئی حیرت خیز بات نہیں۔ بہرحال یہ جناتی زبان نہیں۔

باب نون کے نو الفاظ

غالب لکھتے ہیں:

"در باب نون مع الجیم نہ لغت می آرد،

نج بفتح بمعنی اندرون دہن۔

نجار بالفتح بمعنی غازہ۔

نجت بہر دو فتح، پوست نباتات۔

نجم بالفتح، ونجیر ونجیل، بمعنی گز مازج۔

نجک بفتحتین بمعنی تبرزین۔

نجند بمعنی نشزند۔

نجوان بمعنی زعفران۔

مآخذ ایں بحر دکدام فرہنگ است نجند خود مبدل منہ نشزند است کہ آن را معنی "نشزند" نوشت تا بوجود آن ہشت دگر چگونہ معترف گردیم؟"

دراصل یہ سارے لفظ فرہنگوں میں موجود ہیں۔ غالب نے دیکھنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ خیال ہے کہ اُن کے پاس یہ فرہنگیں ہوں گی بھی نہیں۔ بہرحال انھوں نے یہاں نہایت درجہ غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ اب میں ہر ایک لفظ کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔

نج ظاہراً بج کی تصحیف ہے، چنانچہ بج بمعنی "اندرون دہان" اکثر فرہنگوں میں آیا ہے، مثلاً زفان گویا، موید الفضلا (۱۱۹/۱)، مدار الافاضل (۱۸۶/۱) رشیدی (۲۵۰/۱)

فرہنگ جہانگیری (ص ۲۲۷) میں بچ ہے۔ قواس (ص ۸۱) میں بج بمعنی رخ ہے۔ سروری میں بج اور نج دونوں آئے ہیں۔ اور دونوں کے لیے شمس فخری کی یہ بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے:

بی مدحت تو ہر کہ دہان را بکشاید
دندانش کند چرخ برون یک بیک از بج/نج (ج ۱/۱۲۳، ج ۳/۱۳۹۱)

یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ شمس فخری نے نج لکھا ہے یا بج اس لیے کہ خود معیارِ جمالی کے مطبوعہ نسخے میں یہ لفظ دو بار بج کی شکل میں آیا ہے: ایک بار الگ لفظ کی صورت میں اور دوبارہ بیت میں (رک ص ۵۳، ۵۴) لیکن نسخۂ بدل نج ہے، پھر لغت نامہ میں شمس فخری کے حوالے سے نج ہی لکھا ہے۔

اِن مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوی امکان ہے کہ نج بج کی تصحیف ہو۔ لیکن یہ چونکہ بعض اہم فرہنگوں میں راہ پا گئی ہے، اِس بنا پر اِس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اس کے تعلق سے جو مسائل ابھرے ہیں، غالب اُن سب سے ناواقف ہیں۔

نجار

جہانگیری (۱/۱۹۱۷): نجار با اوّل مفتوح، گلگونہ باشد کہ زنان بر روی مالند۔"

رشیدی (۲/۱۳۹۱): نجار بالفتح، گلگونہ۔

سروری (۳/۱۴۰۹): نجار بجیم تازی، بوزن بہار، غنجار باشد یعنی گلگونہ کذا فی التحفہ۔

فرہنگ نظام (۵/۳۲۰): نجار گلگونہ باشد .... جہانگیری، اگر استعمال شدہ باشد۔ ریشہ اش در سنسکرت نجر است از جر بمعنی پیر، چہ گاہی سرخاب برای پوشاندن پیری مالیدہ می شود۔"

لغت فرس میں اسی معنی کے لیے بجار آیا ہے۔ اور یہ بیت بطور شاہد نقل ہوئی ہے:

باغ را ہر سال چون حور ابیار اید بزیب
این بران سازد بہار و آن بران مالد بجار
(تصحیح عباس اقبال ص ۱۵۹)

لیکن بخار اور نجار میں اتنی صوری مماثلت ہے کہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اسدی نے نجار لکھا تھا یا بخار۔ دبیر سیاقی کے مطبوعہ نسخے سے یہ لفظ خارج ہے۔

نجب قاطع برہان میں غالب نے اس کو غلطی سے "نجت" لکھ دیا ہے۔ منتہی الارب میں آیا ہے: "پوست درخت ہر چہ باشد، اسم است آنرا، پوست بیخ آن یا پوست درخت درشت یا بخصوص پوست سلیخہ، نیز رک آنندراج و مہذب الاسماء"۔

نجم یہ لفظ عربی ہے، منتہی الارب، اقرب الموارد، سامی فی الاسامی، بحرالجواہر، دستور اللغۃ، آنندراج، غیاث اللغات، فرہنگ نظام، ناظم الاطبا وغیرہ میں گیاہِ بی ساق یعنی بیل کے معنی میں آیا ہے، فرہنگ معین میں "گزمازج بھی ملتا ہے۔ دیکھئے لغت نامہ ذیلِ نجم۔

نجیر و نجیل

نیل، نجم، نجیر اور نجیل ہم معنی ہیں لغت نامۂ دہخدا، فرہنگ معین، برہان قاطع (ص ۲۱۱۹) حاشیہ۔ "نجم ہوالنجیل الذی تعرفہ العامۃ النجیر" (نجم نجیل ہے جس کو عوام نجیر کہتے ہیں۔) نجم، نجیل اور نجیر تینوں عربی ہیں۔ نجیر، نجیل کی دوسری شکل ہے۔

نجک نجک بمعنی تبرزین، فارسی کا متداول لفظ ہے۔ جہانگیری (۱/ ۱۹۷) میں اس کی اس طرح تشریح ہوئی ہے: "نجک با اوّل و ثانی مفتوح، نوعی از تبرزین باشد، حکیم سوزنی راست:

گل روی ترکی و من اگر ترک نیستم   دانم بدین قدر کہ ترکی است گل چچک[1]

---

[1] اصل نخک، دیوان: چجک۔ (رک لغت نامہ و سردری ص ۳۸۸) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

از چشم ابران چچک چکد سرشک
ترکی مکن بکشتن من بر مکش نجک

خواجہ عمید لوبکی راست :

ای از نهیب حکم تو خم زده قامت فلک　　خطبۂ کبریای تو وحدک لاشریک لک
برسرِ ابرِ نو بهار از تو در فرو نیست　　لالہ نشستہ با سپر بید ستادہ با نجک

عمید لوبکی کا یہ قصیدہ منتخب التواریخ بداؤنی (ج ا ص ۱۰۵، ۱۰۹) کے علاوہ مجموعۂ لطائف و سفینۂ ظرائف (ورق ۹، ۱۰) میں نقل ہے۔ اور منتخب دیوانِ عمید میں جس کا واحد نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانے میں موجود ہے، شامل ہے۔ تمام منابع میں یہ دونوں اشعار موجود ہیں اور نجک کی قرأت میں کوئی اختلاف نہیں۔

رشیدی (۱۳۹۱/۲): نجک بفتحتین، نوعی از تبر مرادف تبرزین کہ بترکی نجق گویند" (اس کے بعد سوزنی اور عمید لوبکی کے ایک ایک مصرعے نقل ہیں، واضح ہے کہ جہانگیری سے بغیر حوالۂ مآخذ کے لیے نقل کیے ہیں۔)

سروری (۱۴۲۷/۳): "نجک بفتح نون وجیم، نوعی از سلاح باشد، کذا فی الادات و در فرہنگ تبرزین باشد۔" اس کے بعد سوزنی کی دونوں بیتیں جہانگیری سے نقل کرلی گئی ہیں۔) البتہ جہانگیری کے مطبوعہ متن میں نجک غلط ہے۔ سروری میں چچک صحیح طور پر درج ہے۔)

فرہنگ نظام (۳۲۱/۵): "نجک نوعی از تبرزین باشد" (اس کے بعد سوزنی اور عمید دونوں کی دونوں بیتیں واضحاً جہانگیری سے لے لی گئی ہیں۔) آخر میں یہ اضافہ ہے: "بترکی نجق گویند۔" مبدل ومخفف ناچخ ہے۔

بقیہ حاشیہ
چچک کے بارے میں اختلاف ہے، فارسی میں بھی ہے اور ترکی میں بھی۔ موید الفضلا ۳۱۶/۱ میں فارسی کے ذیل میں آیا ہے: چچک بہ ضمتین خال رخسارہ، و در زفان گویا بمعنی گل و در شرفنامہ بمعنی گل، در ترکی آوردہ است۔

اگرچہ بجز سروری کے سارے مآخذ میں نجک جیم عربی سے ہے، لیکن سروری کے یہاں نچک جیم فارسی سے ہے چونکہ سوزنی کی پہلی بیت کا قافیہ چچک ہے۔ اس سے نجک، پر نچک کو ترجیح کا قیاس ہو سکتا ہے۔

بہر حال نجک ہو یا نچک، غالب اِن سے ناواقف ہیں۔

نجند غالب کو اعتراض ہے کہ صاحبِ برہان نے نجند کے معنی "نژند" لکھے ہیں، حالاں کہ یہ لفظ "نژند" کا بدل ہے۔ یہ اعتراض درست ہے۔ نجند کی تشریح اس طرح پر درست تھی: "نجند مبدل نژند یعنی اندوہگین وافسردہ" (فرہنگِ نظام)

جہانگیری کی بھی تشریح درست ہے: "نژند اندوہگین وافسردہ راگویند و آنرا نژند نیز خوانند۔" واضح ہے کہ فرہنگِ نظام کا بیان جہانگیری سے مستفاد ہے۔

نجوان یہ بھی وہ لفظ ہے جس کو غالب نے نہیں سنا تھا، اس بنا پر اس کے وجود پر انھیں شک ہے۔ بہر حال اس کا وجود ہے۔ البتہ فارسی فرہنگوں تک یہ لفظ محدود ہے۔ جہانگیری (۱۹/۱)

"با اوّل مفتوح بثانی زدہ، زعفران راگویند۔"

رشیدی (۱۳۹۲/۲) میں جہانگیری کی پیروی ملتی ہے۔ لیکن دونوں مثالوں سے خالی ہیں۔ فرہنگ نظام (۳۲۲/۵) میں جہانگیری کے حوالے سے "نجوان" کے معنی زعفران آیا ہے۔ فرہنگ معین میں یہ لفظ شامل نہیں، البتہ لغت نامۂ دہخدا میں برہان، آنندراج ناظم الاطبا، جہانگیری، انجمن آرا، فرہنگ نظام کے حوالے سے اس کے معنی زعفران لکھے گئے ہیں۔

یہ ہے مختصر سا ذکر اُن نو لفظوں کا جن میں سوائے ایک کے، غالب کے نزدیک سب کا وجود مشتبہ ہے۔

نسیج غالب لکھتے ہیں:

"نسیچ را بجیم فارسی بمعنی جامۂ حریرِ زربافتہ می نویسد .... من می گویم کہ نسیج نہ بجیم فارسی است، نہ لغت جامد و نہ اسم حریرِ زربافتہ خصوصاً، بلکہ لغت متصرف عربی است، نسج، نسیج، و نساج و منسوج بمعنی بافتن و بافندہ و بافتہ عموماً، یعنی ہر جامہ را کہ بافند خواہی از ریسمان و خواہی از ابریشم و خواہی زربافتہ و خواہی سادہ، چنانکہ تنیدۂ عنکبوت را نسیج گویند۔

غالبؔ کا اعتراض درست ہے، اس لیے کہ یہ عربی لفظ ہے۔ جیم فارسی سے نہیں ہوگا۔ اسی بنا پر لغت نامۂ دہخدا میں اس کو "نسیچ" کا مصحّف لکھا ہے۔ دراصل اس کی تصحیف کی طرف ڈاکٹر معین نے برہانِ قاطع کے حاشیہ (ص ۲۱۴۱) میں اشارہ کیا ہے۔ بہرحال فرہنگ آنندراج اور دہخدا میں یہ مصحّف لفظ شامل ہو چکا ہے۔ غالبؔ نے البتہ اس کے معنی "اسم حریرِ زربافتہ" سے انکار کیا ہے۔ ان کا انکار صحیح نہیں، اس لیے کہ نسیج کے یہ معنی ملتے ہیں۔ مثلاً چہار مقالہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

از ان ہزار قبای اطلس معدنی و ملکی و طمیم و نسیج و ممزج و مقراضی و اکسون ہیچ نہ پسندید (مقالۂ اوّل حکایت ٦)

واضحاً نسیج بمعنی پارچۂ ابریشمی ہے۔ غالبؔ نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ عربی کا متصرف لغت ہے، اس کے بعد انھوں نے چار صورتیں لکھی ہیں: نسج، نسیج، نساج اور منسوج، اور ان کے ترتیب وار معنی درج کیے ہیں: بافتن، بافندہ، بافتہ۔ اس سے یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ غالبؔ کے نزدیک نسج اور نسیج دونوں مصدر ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ "نسیج بمنسوج" کا مترادف ہے، نہ کہ نسج کا۔

نغن، نغنخلان، نغنخواد، نغنخوالان، نغنخوامین

غالبؔ لکھتے ہیں:

"نغ لغت بمعنی زنبان ونانخواہ آورد ... حیف کہ فرہنگ جہانگیری و مجمع الفرس سروری و سرمۂ سلیمان و صحاح الادویہ حسین انصاری کہ دکنی این چہار کتاب را در دیباچہ مآخذ

خود وا نمودہ است، ہنگامِ نگارشِ این اوراق در نظرم نیست، ورنہ ہر چہار نسخہ را صفحہ می نگریستم کہ این پنج لغت را از کجا فرا گرفتہ است۔"

آگے لکھا ہے کہ:

"میرے خیال میں سرمۂ سلیمانی اس دکنی کی فروغ افزای چشم ہے، لیکن وہ سرمۂ سلیمانی نہیں جو کتاب کا نام ہے، بلکہ وہ سرمۂ سلیمانی جس کو اسما پری نے کوہ قاف سے لاکر عمرو عیار کی آنکھ میں لگایا تھا جس سے وہ دیو پری کو دیکھتا تھا۔ کچھ تعجب نہیں کہ اس سرمے کا تھوڑا سا حصہ اس دکنی کو مل گیا ہو جس کی وجہ سے وہ جنوں کو دیکھتا ہو، اور انھیں سے کوہ قاف کی زبان سیکھتا ہو۔"

غالب کی خود فریبی کا کیا علاج ہے، نہ اُن کے پاس کتابیں تھیں، نہ مطالعے کی فرصت، پھر بھی وہ اعتراض کرنے پر آمادہ ہیں۔ برہان قاطع کے مآخذ کی چاروں کتابیں موجود ہیں، لیکن فی الحال میرے پیشِ نظر صرف دو ہیں۔ یعنی جہانگیری اور سروری۔ سرمۂ سلیمانی کا قلمی نسخہ ملک لائبریری تہران میں راقم کے مطالعے میں تھا۔ اس وقت وہ موجود نہیں۔ صحاح الادویہ عام طور پر ملتی ہے، لیکن اس وقت وہ بھی سامنے نہیں ہے۔ بہر حال صرف دو موجود نسخے اور چند اور کتابوں کی رُو سے واضح ہے کہ صاحبِ برہان قاطع کی زبان جناتی زبان نہیں بلکہ خود غالب وہم و فریب میں مبتلا ہیں۔

نغن بمعنی نانخواہ، محیطِ اعظم۔ جہانگیری (ص ۱۴۴۸) (بقول سروری (ص ۱۴۴۵) — در نسخۂ میرزا نغن بوزن چمن باین معنی (زنیان) آمدہ۔

لیکن میرے پیشِ نظر نسخے میں نغن کے ایک معنی ناف درج ہیں۔ فرہنگ نظام (ج ۵ ص ۳۵۸) فرہنگ معین (ص ۶۳، ۴) وغیرہ۔

نغن خواد: بمعنی نانخواہ و زنیان؛ جہانگیری (۱۴۴۸) رشیدی (ص ۱۴۰۹) سروری (ص ۱۴۴۵) فرہنگ نظام، فرہنگ معین وغیرہ؛ جہانگیری میں سوزنی کی بیت ذیل شاہد آئی تھی، جو بعداً رشیدی، سروری، نظام اور معین میں بھی درج ہوئی ہے:

شعر مرا ہر آئنہ از ہزل چاشنی   باید بجای پلپل کشنیز نغن خواد

نغنخلالان بمعنی نانخواہ؛ (مویدالفضلا ۲: ۲۳۷، فرہنگ معین)
نغنخوالان بمعنی نانخواہ؛ (مویدالفضلا، جہانگیری، سروری، رشیدی، فرہنگ نظام، فرہنگ معین وغیرہ)

جہانگیری میں سلمان ساوجی کی حسب ذیل بیت بطور شاہد درج تھی، وہی بعد میں سروری، رشیدی، نظام اور معین سب میں شامل ہوئی:

روییت مزا یافتہ زخالان
چون نان لذّت زنغنخوالان

نغنخواہین بمعنی نانخواہ؛ (سامی فی الاسامی، فرہنگ معین وغیرہ) سامی میں بقول سروری "نغنخوانین" ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ پانچوں لغت صحاح الادویہ میں بھی ہوں گے بہرحال ان سارے الفاظ کی سند موجود ہے اس بنا پر برہان قاطع کی زبان پر جنّاتی زبان ہونے کا الزام رفع ہوگیا۔

نلشک

اس لغت کے بارے میں غالب رقم طراز ہیں:

" نلشک بروزن سرشک و نلسک بسین سادہ و نبشک و نبسک بیای موحدہ، بمعنی قرضدار می نویسد۔ شین و سین بدل ہمدگر مسلم؛ اما بجای لام بای ابجد از عدم تحقیق است ... آن پرسیدن داشت کہ لغت پہلوی است یا تازی زیراکہ مجموعِ حروف این الفاظ مشترک بین اللسانین است و ناقل کہ اورا بہر افادہٗ معنی مبالغہ نقال نیز توان گفت اشارتی بدین تفرقہ ندارد، صاحب شرفنامہ در فرہنگ خویش بفتحۂ نون و کسرۂ لام و نالشک بافزودن الف درمیانِ نون و لام بمعنی قرضدار می نویسد و بس۔"

غالب نے دو تین سوال اٹھائے ہیں: ۱۔ ل کی ب میں تبدیلی، ۲۔ اصل عربی ہے یا فارسی؟ ۳۔ شرفنامہ اور برہان میں تفاوت کی وجہ۔

عرض ہے کہ جب یہی مسلّم نہ ہو کہ اصل لغت کی شکل کیا ہے تو حرفوں کے مابین تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابتداءً ایک صحیح صورت رہی ہوگی۔ بعدہٗ تحریف و تصحیف سے اس

کی مختلف صورتیں رونما ہوگئیں۔ اس بنا پر ان تبدیلیوں میں کسی اصول کی تلاش بے کار ہے۔

رہا اس کے عربی یا فارسی ہونے کا مسئلہ، تو اس سلسلے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس لیے کہ یا تو یہ ایسی فرہنگوں میں شامل ہے جو خالص فارسی کی ہیں اور عربی کے الفاظ سے یکسر خالی ہیں۔ مثلاً قواس، سروری، جہانگیری وغیرہ یا عربی، فارسی فرہنگوں میں فارسی الفاظ کے ذیل میں منقول ہے جیسے موید الفضلا اور زفان گویا وغیرہ، اس بنا پر اس کا فارسی لفظ قرار دینا درست معلوم ہوتا ہے اور بس۔ فارسی کے ہزاروں لفظوں کی اصل معلوم نہیں اگر ان میں اس لفظ کا اضافہ ہوگیا تو کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔

شرفنامے میں صرف دو ہی صورتیں ہیں: نلشک اور نالشک۔ تو اس سلسلے میں صرف یہ عرض کروں گا کہ اگر اور دوسری فرہنگوں کی تعقیب کی جائے تو شاید اور بھی صورتیں نکل آئیں گی، لیکن ان سب میں سب سے زیادہ متداول اور قدیم صورت نلشک ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ کسی فرہنگ نویس کے یہاں اس لفظ کی کوئی شعری یا نثری مثال نہیں ملی، اس بنا پر اس کے سلسلے کے سوالات کا قطعی کوئی جواب نہیں ملتا۔

اب بعض فرہنگوں کے بیانات نقل کیے جاتے ہیں:

قواس (ص ۱۸۶): نلشک، قرض دارو۔"

زفان گویا: "نلشک قرض دار و بعضی بسین مہملہ گویند۔"

موید الفضلا (۱۳۱/۲): نلشک بکسرتین، قرضدار کذافی الادات و در زفان گویا است بعضی بسین مہملہ گویند۔"

حاشیہ برہان بہ قلم ڈاکٹر معین (ص ۲۱۶۶):

"در موید نلشک قرض دارو و در زفان نلسک، در اداۃ الفضلا قرضدار معنی شدہ و در سروری قرضدار و مرضدار و در رشیدی ناشنک و نشنک ہم آمدہ و در برہان بمعنی مردم وام دار و قرضدار را گویند۔"

معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر معین کے پیش نظر موید کا کوئی قلمی نسخہ تھا و رنہ مطبوعہ

نسخہ میں تو واضح طور پر قرض دار ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر معین کی روایت سروری کے بارے میں ہمارے پیشِ نظر نسخے سے مختلف ہے۔ سروری کے مطبوعہ نسخہ (۳/۱۴۲۸) کے یہ مندرجات ہیں: "نلشک قرض دار وکذا فی المؤید و در زفان گویا بسین مہملہ نیز آمدہ، ونیشک نیز باین معنی است، و در ادات الفضلا بجای قرض دار و، قرضدار بنظر رسید وچون استشہادی نداشتیم ہر دو را نوشتیم، و در فرہنگ ناشک بکسر شین معجمہ و ناسک بسین مہملہ بمعنی قرضدار آوردہ اما این دو قول محل تأمل است۔"

فرہنگ جہانگیری (۱۶۷۰/۲) میں ہے: "نلشک با اوّل وثانی مکسور بشین زدہ قرضدار باشد، وآں را ناشک نیز گویند۔" لیکن سروری نے جہانگیری کی روایت سے ناسک بھی لکھا ہے جو موجودہ نسخے میں نہیں پایا جاتا۔

فرہنگ رشیدی کے مندرجات کافی دلچسپ ہیں:

ناشنگ بشین معجمہ مکسور، قرضدار کو نشنگ نیز گویند و نلشک نیز آمدہ (۱۳۸۱) نلشک بااوّل وثانی مکسور قرضدار و ناشگ نیز بدین معنی گذشت چنان کہ در فرہنگ گفتہ، و در نسخہ سروری بکسر نون ولام وسکون شین معجمہ قرضدار و مرضدار بہر دو روش آوردہ و تردد کردہ و بسین مہملہ نیز خواندہ، چون شاہد ہیچ کدام یافتہ نشد ہمہ را ذکر کردہ۔" (ص ۱۴۱۴)

فرہنگ نظام (۳۷۵/۵): "نلشک قرضدار و باشد کذا فی المؤید و در زفان گویا بسین آمدہ و نبشک نیز بہ این معنی است و در ادات بجائے قرض دارد، 'قرض دار' بنظر رسید وچون استشہادی نداشتیم، ہر دو را نوشتیم۔ سروری در محیطِ اعظم بمعنی اقراص معمولہ از ادویہ نوشتہ و ہمان صحیح است۔"

فرہنگ نظام کے مندرجات کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ مؤید کے مطبوعہ نسخے (ج ۲ ص ۲۳۱) میں "قرضدار" ہے۔ زفان گویا میں نلشک شین معجمہ سے ہے اس کا قول ہے کہ بعض فرہنگوں میں سین سے آیا ہے۔ سروری (ص ۱۴۲۸) میں نلشک کے ذیل محیط اعظم کا ذکر نہیں، ممکن ہے کسی اور جگہ آیا ہو۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ اصل کلمہ نلشک ہے۔ قدیم اور معتبر نسخوں میں یہی ہے۔ بقیہ سب

مصحف صورتیں ہیں؛ اوراس کے معنی صرف "قرضِ دارو" ہیں۔ قرضدار اور مرضدار غلط ہیں۔ تو اسں میں اس کو طبی ناموں کے ساتھ درج کیا ہے۔ البتہ تعجب ہے کہ قدیم طبی کتابوں میں یہ نام مجھے نہیں ملا۔ طب کی ایک قدیم ترین تالیف پانچویں صدی کے وسط کی ہدایۃ المتعلمین فی الطب ہے، اس میں طب کی صدہا اصطلاحات وادویہ درج ہیں۔ مگر ان میں یہ نام نہیں آیا۔ ان امور کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ برہانِ قاطع پر غالب کو اعتراض کرنے کا کتنا حق تھا۔

نوجبہ برہان قاطع میں اس کے معنی سیلاب لکھے ہیں۔ پھر اضافہ کیا ہے:
"بمعنی فرشتہ ہم بنظر آمدہ"۔ برہان میں توجبہ بھی بمعنی سیلاب آیا ہے۔

غالب کا سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کس لفظ کو صحیح سمجھا جائے۔ نیز فرشتہ کے معنی کی کیا سند ہے؟ اس کے بعد انھوں نے فرہنگ نویسوں کی تصحیف خوانی کے معاملے میں بے توجہی کی شکایت کی ہے۔ غالب کا اعتراض بجا ہے اور واقعی بات یہ ہے کہ الفاظ کی صحیح قرأت اور املا وغیرہ کے معاملے میں جتنی کاوش ہونی چاہیے، اتنی نہیں ہوئی۔ اس کی بنا پر پچاسوں الفاظ بغیر کسی سابقے کے فارسی زبان میں داخل ہو گئے۔ پھر معنی کے سلسلے میں غلطیاں ہزاروں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ راقم نے تصحیف کے سلسلے میں مجلہ 'فکر و نظر' علی گڑھ اور تحریر دہلی میں اس موضوع پر کسی قدر شرح وبسط سے لکھا ہے اور سیکڑوں مثالیں پیش کی ہیں۔ اسی ایک امر سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ ہمارا رسم خط، متون کی حفاظت جیسی ہونی چاہیے، نہیں کر سکا اور اسی بنا پر ہمارے متون اور ہماری کتابیں اصل سے جتنی دور ہیں، اتنی کسی اور زبان کی کتابیں نہیں۔

اب نوجبہ اور توجبہ کے اختلاف کے بارے میں فرہنگ نویسوں کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم فرہنگ نظام کو لیتے ہیں اس میں ہے: "نوجبہ، سیل باشد۔ رودکی گفت:

خود تراجوید ہمہ خوبی و زیب
ہمچناں چون نوجبہ جوید نشیب (لغت فرس)

لفظ مذکور را من با تای فوقانی با ہمین شاہد شعر رودکی ضبط کردم۔ ماخذ لفظ ہمان ضبط لغت الفرس است کہ در بعضی نسخ با تا ر و بعضی لون است یکی از آن دو تصحیف است۔ رشیدی گوید : " فی مقاصد اللغۃ العدّ لوژبہ کسر عین وتشدید دال، در قاموس بمعنی آبی کہ از چشمہ تراود۔ پس معلوم شد کہ اصل لغت نوژبہ بزای فارسی است، وجیم تازی مولد است و بمعنی آب چشمہ است نہ سیلاب۔" در عبارت مقاصد اللغہ ہم احتمال توژبہ بہ تاء ہست۔" (ج ۵/ ص ۳۸۸)

لغت فرس اسدی (ص ۱۰) کے علاوہ دستور الافاضل (ص ۲۳۶) ادات الفضلا، زفان گویا، موید الفضلا (۲ : ۲۴) جہانگیری (۲۱۱۵)، رشیدی (ص ۱۴۲۲) نوجبہ (نون) سے ہے۔ اس کے برخلاف قواس (ص ۲۵)، صحاح الفرس (ص ۲۷۱) میں "تا" سے آیا ہے۔ اور برہان قاطع، سروری، فرہنگ نظام میں دونوں صورتیں درج ہیں۔ لطف کی بات ہے کہ سروری میں دونوں جگہ (ص ۳۲۹، ص ۱۴۶۲) رودکی کی بیت بطور شاہد نقل ہے۔ ایک جگہ توجبہ کی شکل میں، دوسری جگہ نوجبہ کی۔ پروفیسر نفیسی نے اشعار رودکی (ص ۱۰۸۱) میں توجبہ کو متن قرار دیا ہے۔ اور دہخدا نے حاشیۂ لغت فرس میں لکھا ہے کہ منتہی الارب میں دس بار سے زیادہ یہ کلمہ توجبہ کی شکل میں آیا ہے۔ ڈاکٹر معین توجبہ کو ترجیح دیتے ہیں۔

برہان کے نوجبہ کے دوسرے معنی " فرشتہ " کی کوئی سند مجھے نہیں ملی۔ اس لحاظ سے غالب کا اعتراض جو محض قیاس کی بنا پر ہوا تھا، بظاہر بجا ہے۔

نہاوند غالب قاطع برہان میں لکھتے ہیں کہ نہاوند کے معنی لکھنے میں صاحب برہان نے بڑا تمسخر کیا ہے۔ لکھتا ہے مرکب ہے نہا اور وند سے۔ نہ بکسر نون شہر اور آوند بمعنی ظرف۔ یہاں تک صحیح ہے۔ لیکن وجہ تسمیہ غلط لکھا کہ وہاں برتن بہت بنتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ کثرتِ آبادی کی وجہ سے بمنزلۂ ظرف ہے جو شہروں سے لبریز ہو، حالانکہ برہان میں خود اس کے معنی شہرستان لکھا ہے۔ لیکن اس طرف متوجہ نہیں ہوا۔ پھر آگے لکھتا

ہے کہ دراصل نوحاوند ہے، اس لیے کہ اس کے بانی نوح علیہ السلام تھے۔ سبحان اللہ، نون کا ضمہ کہاں گیا، واو پر کیا گذری، اور ہاے ہوز کے بجاے حای حطی کہاں سے آگئی؟ پس ہمیں کیا پڑی کہ ہم دکنی کے قیاس کو برہان قاطع اور حجتِ استوار سمجھیں۔"

لفظ نہاوند کے تلفظ اور وجہِ تسمیہ میں طرح طرح کے اقوال ہیں۔ جہانگیری، رشیدی، آنندراج میں بفتح اول آیا ہے۔ مؤلف انجمن آرا کسرۂ اول سے لکھتا ہے۔ غیاث اللغات اور تقویم البلدان میں ضمۂ اول سے ہے۔ دوسری فرہنگوں نے تینوں طرح سے لکھا ہے۔ اس لفظ کی وجہِ تسمیہ کے سلسلے میں ڈاکٹر معین مرحوم برہان کے حاشیہ (ص ۸۷۸) میں کلمۂ دماوند کی شرح کسروی مرحوم کے مقالے (مجلۂ آئندہ سال اول شمارہ ۷) کی بنیاد پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

دماوند، دما (بضم اول) بمعنی پشت و دنبال سے بنا ہے، جیسے کہ نہاوند 'نہا'، بمعنی پیش سے مرکب ہے اور آج دزفولی اور شوشتری زبانوں میں یہ دونوں لفظ (دما۔ نہا) انھیں معنوں میں مستعمل ہیں دونوں ناموں کا دوسرا جز یعنی 'وند' پسوند مکانی بمعنی نہادن (مصدر وندن = نہادن) و واقع شدن وایستادن، ہے۔ پس دماوند کے معنی ہیں، آبادی، شہر یا قلعہ جو پشت پر واقع ہو، اور نہاوند شہر یا قلعہ یا آبادی جو سامنے واقع ہو۔ خیال ہے کہ ان دو آبادیوں کے نام رکھنے میں ان کی کسی مخصوص جگہ سے نزدیکی یا دُوری تصور میں تھی، جو آبادی نزدیک تھی، اس کا نام نہاوند رکھا گیا، اور جو دُور تھی۔ اس کو دماوند کہا گیا! اس کے بعد مرحوم اضافہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ وہ قومیں جو کوہ دماوند اور نہاوند کے درمیان 'ماد' میں سکونت پذیر تھیں —— اس کا پایۂ تخت ہگمتانہ (ہمدان) تھا۔ اپنے سامنے کے پہاڑ کو جو نزدیک تھا نہاوند اور جو دور تھا اس کو دماوند کہا، جیسا کہ "پشتِ کوہ" اور "پیشِ کوہ" لرستان میں۔

بہرحال نہاوند کے سلسلے کی تحقیق جو صاحبِ برہان نے کی اور جو خیال غالب نے ظاہر کیا، دونوں مشکوک ہیں۔ ایران میں پروفیسر معین کی حالیہ تحقیق زیادہ قابل قبول سمجھی جاتی ہے، چنانچہ لغت نامۂ دہخدا میں اسی کو درج کیا گیا ہے۔

ورتیج پرندہ ایست شبیہ بہ تیہو، ولیکن از تیہو کوچکتر۔ وآنرا بعربی سلوی وسمانی وبفارسی کرک وبہ ترکی بلدرچین گویند، وبمعنی آستانہ وخانہ ہم بنظر آمدہ است۔" (برہان)

غالب کو بعض امور پر اعتراض ہے، وہ کہتے ہیں: ورتیج پرندے کا نام بتاتا ہے، جس کو عربی میں سلوی اور سلمانی اور ترکی میں بلدرچین کہتے ہیں۔ اور اس بنا پر کہ اس انصاف دشمن نے خلطِ مبحث اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ ورتیج، سلوی، سمانی اور بلدرچین کو خلط ملط کر دیا۔ میں نے دوسری فرہنگوں میں دیکھا ہے کہ ورتیج بوزنِ زرنیخ فارسی میں ایک چڑیا کا نام جو پودنہ سے چھوٹی ہوتی ہے۔ میں اس بدبخت کو کیا کہوں کہ ورتیج کے فارسی ہونے کی اطلاع نہ دی اور بغیر اس کے کہ کاف عربی وپہلوی کے فرق کا ذکر کرے یا اعراب کا پتا نشان دے، لکھا کہ فارسی میں اس کو "کرک" کہتے ہیں۔" لفظ بھی کہنے والے کے پیٹ میں اور معنی بھی اس کے پیٹ میں، تحقیق کا حق یہ ہے کہ کراک (بہر دو کاف عربی واوّل مفتوح بوزن ہلاک، وباضافت الف در آخر کراکا (بوزن تماشا) سرنچہ کا نام، صعوہ کو کہتے ہیں، جس کی ہندی ممولہ ہے۔"

غالب نے ایک صاف بات کو خود ہی الجھا دیا ہے۔ واضحاً ورتیج فارسی ہے، اس کو عربی میں سلوی اور سمانی کہتے ہیں۔ ترکی میں بلدرچین اور فارسی میں کرک بھی اسی معنی میں ہے، اس میں کوئی خلط مبحث نہیں۔ "کرک" متبادل معنی ہے۔ اگر اس کے کاف کا تعین نہیں ہوا یا اس کلمے پر اعراب نہیں لگائے گئے تو یہ ایسی بات نہیں کہ اس پر اعتراض کیا جائے۔ اور کسی لغت سے ورتیج کے جو معنی لکھے ہیں " از بودنہ کوچک تر" تو یہ کیا نئی بات ہوئی۔ جہانگیری یا رشیدی کو دیکھ لیتے تو معلوم ہوتا کہ ورتیج ہی کو 'بودیہ' یا 'پودنہ' لکھا ہے۔ (غالب نے بھی نہیں لکھا کہ اس میں بائے عربی ہے یا فارسی) ان دونوں کے مندرجات یہ ہیں:

" ورتیج، نام جانوریست شبیہہ بہ تیہو باشد واز تیہو کوچکتر بود، وآنرا بودنہ نیز گویند، وبتازی سلوی نامند۔ حکیم طرطری فرماید:

گشتہ در چنگلِ عشق تو گرفتار دلم

ہمچو دُرتیج کہ در چنگل بازاست اسیر" (۱۱۶۸/۲)

"دُرتیج مرغیست شبیہ بہ آہو لیکن ازو کوچک تر، و بہندوی پودنہ و بتازی سلوی[1] گویند و دردیج بدال نیز آمدہ۔ حکیم طرطری گوید الخ ...."

جہانگیری میں دلج اور وشم کو بھی دُرتیج کا مترادف لکھا ہے:

"دلج نام جانوریست شبیہ بہ تیہو لیکن از تیہو کوچک تر باشد و آنرا دُرتیج و وشم و لبودنہ نیز گویند و بتازی سلوی نامند، امیر خسرو فرماید:

پختہ بسی مرغ بہر گونہ طرز

از دلج و تیہو و دراج و چرز الخ (ص ۱۶۷۰)

وشم باول مضموم بثانی زدہ، نام جانوریست شبیہ بہ تیہو اما کوچکتر از تیہو باشد و آنرا بودنہ نیز خوانند۔ بوسلیک راست:

درجنب علو ہمتت چرخ

مانند وشم بہ پیش چرغ است

یکی از پادشاہان دیالمہ کہ قابوس نام داشت چون بشکار وشم اورا میل تمام بود بہ وشمگیر ملقب شد۔" (رک قابوس نامہ ص ۲۶۷)

اب میں دُرتیج کے ان مترادفات کا ذکر کروں گا، جو برہان میں آئے ہیں۔ برہان میں دردیج، دلج اور وشم کو مترادف لکھا ہے۔ دردیج کے ذیل میں ہے: بمعنی دُرتیج .... کہ عربان سلوی، ترکان بلدرچین گویند:

وشم پرندہ ای شبیہ بہ تیہو .... و آنرا عربان سمانی وسلوی و ترکان بلدرچین گویند۔

ولج پرندہ ایست .... کہ بعربی سلویٰ و بترکی بلدرچین گویند۔

---

[1] السلوی: دُرتیج (لسان التنزیل ص ۱۲۹ بنقل از حاشیہ جہانگیری ص ۱۱۶۸)

فرہنگ معین میں یہ مترادفات درج ہیں :

۱۔ "سلوئی مرغیست شبیہ بہ تیہو، بلدرچین" (فرہنگ معین)

۲۔ "سمانہ، سمائی، بلدرچین، کرک" (ایضاً)

۳۔ "بلدرچین، کرک۔" (ایضاً)

۴۔ "کرک، بنام بدیدہ نیز موسوم است، بلدرچین، سمائی، سمانہ، وشم، پودنہ، بودنہ، سلوی، تبت، تبد، کراک، بدیدک الخ۔" (فرہنگ معین)

فرہنگ معین میں بلدرچین کے بار بار استعمال سے واضح ہے کہ یہ لفظ فارسی میں متداول ہے۔ لیکن اس کے ترکی الاصل ہونے میں شبہہ نہیں اس لیے کہ زفان گویا میں ترکی کے ذیل میں آیا ہے: (طبع ماسکوص ۱۵۲) بلدرچین ورلج۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ فارسی کے اس متداول لفظ کو خواہ مخواہ ترکی لکھنے پر اصرار مستحسن نہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کراک اور کراکا کو غالب نے کرک سے الگ سمجھا ہے، حالانکہ تینوں ایک ہیں۔ فرہنگ معین میں کراک کے ذیل میں ہے: کراک، کرک، بلدرچین :

"چنانچہ اندیشد او از دشمنِ خویش کہ باز تیز چنگل از کراکا۔ (دقیقی)"

ضمناً ذکر ہے کہ ورتیج فارسی کا مقبول لفظ رہا ہے، اور تمام فرہنگوں میں اس کی شرح ہے۔ لغت فرس، صحاح میں اس کا مترادف سمانہ ہے۔ قواس موید الفضلا اور دستور میں اس کا مترادف ورلج درج ہے۔ زفان گویا میں ہے: "ورتیج پرندہ ایست از دراج خرد تر یعنی ولج دگویند کہ جز ورلج است، بتازی سمانی گویند، ورلج پرندہ ایست معروف خرد کہ بہ ہندوی 'بٹیر' و 'لاوہ' گویند و بتازی، سمانی وسلوی۔"

ایک بات برہان کے سلسلے میں قابلِ ذکر ہے جو غالب کی نظر میں نہ آسکی، وہ ورتیج کے آخری معنی ہیں، یعنی آستانہ، دخانہ۔ یہ اشتباہ ہے اور ڈاکٹر محمد معین نے صحیح لکھا ہے کہ ورتیج کے معنی "سمانہ" کو صاحبِ فرہنگ نے غلطی سے 'آستانہ' پڑھا ہوگا، اور اسی کی بنیاد پر اس معنی کا بھی اضافہ کر دیا۔

هف، هفوش، ہفہف

غالبؔ لکھتے ہیں کہ ”ہائے ہوز بافائے سعفص کے بیان میں ایسا کام کیا ہے کہ سوائے بچوں کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ہف بمعنی کارگاہ جولاہ، یا بمعنی شانۂ جولاہ۔ ہفوش ایک قسم کا کھانا۔ ہفہف مبدلِ عفعف یعنی کتے کی آواز۔

اب میں ان تینوں الفاظ کے بارے جو کچھ فرہنگوں میں آیا ہے، نقل کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ غالبؔ کے اعتراض کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

ہف

قواس (ص ۱۸۳) بفتری ہف۔

زفان گویا: بفتری، ہف آنکہ بافندگان را باشد و آں چوبی است کہ ہنگام بافتن جامہ می زنند، و ہف بفتری یعنی کارگاہ بافندہ، و فخر قواس[1] گوید کہ ہف چوبی است در بافتن بر جامہ زنند۔“

موید الفضلا (۲/۲۶۷): ہف بفتری یعنی کارگاہ بافندہ الخ

فرہنگ سروری (۳/۱۵۲۷): ہف کارگاہ جولاہی باشد و فخر قواس بمعنی چوبی کہ جولاہان در حین بافتن بر جامہ زنند آوردہ[2] کہ بفتری گویند۔“

فرہنگ نظام: (۵: ۵۰۱) ”ہف کارگاہ جولاہی باشد کہ بفتری نیز گویند۔“

فرہنگ معین: ہف ۱۔ کارگاہ جولاہی، دستگاہ نساجی، بفتری۔

۲۔ شانۂ جولاہی۔“

ہفوش

موید الفضلا (۲/۲۶۶): ”ہفوش بالفتح، چیزیست خوردنی کہ برنج می کوبند و

---

[1] فرہنگ قواس میں صرف ”بفتری“ ہے، ہف الگ سے اندراج نہیں۔

[2] یہ مطالب فرہنگِ قواس میں نہیں پائے جاتے۔ دراصل ”بفتری“ کے معنی کارگاہ جولاہان ہے، نہ کہ وہ لکڑی جس سے کپڑا پیٹتے ہیں۔ رک: فرہنگ معین و نظام۔

درجامہ بستہ بالای آب گرم آوندی مہر کردہ و مقداری دران سوراخ کردہ میدارند، از بخار آن پختہ شود۔ الخ"

جہانگیری (۱۴۹۸): "ہفوشب بااوّل مفتوح بثانی زدہ وواو مفتوح، نوعی ازطعام"

رشیدی (۱۴۹۱): "ہفوش بالفتح ہا و واو، نوعی ازطعام"

سروری (۱۵۲۵) "ہفوشش (بوزن نفترس) درفرہنگ بمعنی نوعی ازطعام باشد"

فرہنگ نظام: (۵: ۵۰۴): "ہفوشش نوعی ازطعام باشد" اس کے بعد جہانگیری اور برہان کے مندرجات عیناً درج کر دیے ہیں۔ اور آخر میں لکھا ہے کہ جہانگیری میں کوئی شاہد نقل نہ ہونے کی وجہ سے مشکوک معلوم ہوتا ہے۔

ھف ھف

جہانگیری (ص ۱۴۹۸): "ہفہف ہر دو ہاے مفتوح، بانگِ سگ را گویند"

رشیدی (ص ۱۴۹۰): "ہف ہف بفتح ہر دو ہا، بانگِ سگ"

فرہنگ نظام (۵/ ۵۰۱): "آوازِ سگ کہ بیشتر مکرر ہف ہف گفتہ می شود ذالفاظ دیگرش وغوغ و واغوغ و او او است، دراین معنی اسم صوت است بالضم اوّل، نقل حرف زدن پیر بی دندان و تکرر (ہف ہف) گفتہ می شود مثل پیر ہف ہفی الخ"

فرہنگ معین (ص ۵۱۵۹): "ہف ہف آوازِ سگ،

ہفہفو۔ ہفہف قس: ع، مہفہف پیر فرتوت کہ نتواند کلمات را درست ادا کند۔ ہفہفی۔ ہفہفو۔"

اس تفصیل سے واضح ہے کہ غالب کا برہان پر اعتراض بے بنیاد ہے۔

ھلتاک

غالب کہتے ہیں: "ایک فصل میں ہلتاک بتاے قرشت بروزن افلاک اور دوسری فصل میں ہلناک لایا ہے۔ اور ان کے معنی برف لکھے ہیں، انہی تصحیف سے اطمینان نہ ہوا، پھر لکھا کہ ترف کے معنی بھی ہیں، اور "ترف" کو "قراقروت" کا مترادف قرار دیا ہے۔ مجھے ترف اور قراقروت کے معنی کے بارے میں کچھ کہنا نہیں، ذرا

فن تصحیف کا کمال تو دیکھو کہ ہلتاک، ہلناک، برف، ترف لفظ اور معنی دونوں میں تصحیف جو اس کا خاص انداز ہے ہاتھ سے نہ جانے دیا۔"

اس سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ یہ ساری تصحیفات قدیم فرہنگ نویسوں کی ہیں۔ اور ان میں آپس میں اتنی شدت ہے کہ اس معاملے میں کوئی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس بنا پر صاحبِ برہان کے لیے سوائے تمام صورتوں کو نقل کر دینے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر غالب کوئی لغت دیکھ لیتے تو شاید ان کو کسی قدر اطمینان ہو جاتا کہ ان تصحیفات میں صاحبِ برہان کا کوئی دخل نہیں۔ ہاں اس پر یہ الزام ہے کہ اُس نے صحیح معنی اور صحیح لفظ کا تعین کیوں نہیں کیا۔ مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ صاحبِ برہان کے زمانے کا کیا ذکر، اِس کے بعد تقریباً تین صدی تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا ہے۔

اب میں اس ضمن میں فرہنگ نگاروں کے قول نقل کرتا ہوں:

لغت فرس (ص ۳۰۰)، ذیل کلمہ لیونگ[1] آیا ہے:

"لیونگ و ہلباک و پنیرتن و ہیولنگ جملہ ترف را خوانند (اضافۂ حاشیہ) بمعنی کشک سیاہ وقرہ قروت۔"

صحاح الفرس (ص ۱۸۹): ہلتاک برف باشد، زرین کتاب گفتہ است:
از آن کفر کو گفت اندر زمان ببارید ہلتاک[2] بر فرق او"
(ایک نسخہ میں ہلناک ہے۔)

جہانگیری (ص ۴، ۱۶۷): "ہلتاک بہ اوّل مفتوح بثانی زدہ وتای فوقانی، برف را گویند۔"

سروری (۱۴۲۸): "ہلناک (بلام و نون) بوزن افلاک، بمعنی برق باشد، و در

---

[1] جہانگیری (۲۳۴۱)، رشیدی (۱۳۰۹) لیونگ بمعنی برف آیا ہے۔

[2] "بر فرق ہلتاک باریدن" محاورہ ہے، یہاں برف کا کوئی موقع نہیں، ترف ہی صحیح ہو گا۔

نسخۂ وفائی و در نسخۂ حلیمی بمعنی برف آمدہ کہ قراقروت باشد. ایں لغت نیز مثلِ لغت لیونگ مرقوم بغیر ازین دو نسخۂ مزبور جای دیگر بنظر راقم نرسیدہ کہ ترجیح دہد یکے از معنیین را. بنا برین ہر دو معنی مسطور شد، اما در فرہنگ (جہانگیری) آخر بنظر رسید کہ ہلتاک آوردہ بتای قرشت بمعنی برف کہ بعربی ثلج گویند۔"

سروری (۱۲۷۷): لیولنگ (بفتح لامین وضم یاء وسکون نون) نسخۂ وفائی میں بمعنی برف ہے لیکن نسخۂ حلیمی میں ترف بمعنی قراقروت آیا ہے، چونکہ یہ لفظ سولے اُن دو فرہنگوں کے اور کہیں نہیں ملا، اور شاہد بھی درج نہ تھا۔ اس بنا پر کسی قول کے ترجیح کی صورت نہ ہوئی۔ لیکن بعد میں فرہنگ (جہانگیری) میں دیکھا کہ برف کے معنی میں ہے، جس کو عربی میں ثلج کہتے ہیں۔

رشیدی (۱۴۹۷): "ہلتاک برف، و در نسخۂ سروری بجای تا نون آوردہ"۔

فرہنگ نظام (۵/۵۰۷) میں صحاح الفرس کے مطالب مع بیت شاہد درج ہے۔

آپ ملاحظہ کریں کہ اب لفظ کی تین صورتیں سامنے ہیں: ہلباک، ہلتاک، ہلناک۔ اور معنی کی دو شکلیں "ترف اور برف" ہیں۔ نہ اشعار شاہد ہیں نہ اور کوئی صورت تصحیف کے تعین کی موجود ہے، تو پھر کس طرح اصلی وجعلی یا محرف لفظ میں تمیز ہو۔ ان سب کی ذمے داری ہمارے رسم خط کی بعض خصوصیات پر عائد ہوتی ہے۔ بہر حال صاحب برہان پر تصحیف کے بڑھانے کی کوئی ذمّے داری نہیں، اور اسی بنا پر غالب کا اعتراض بے موقع ہے۔

ہوس باثانی مجہول بروزن طوس، بمعنی ہوا و ہوس باشد"۔ بعد میں بحث میں ابن یمین کا یہ شعر بطور شاہد نقل ہوا ہے۔ (برہان)

رزم بر بزم اختیار مکن
ہست مارا بخود ہزاران ہوس

اس پر غالب نے قاطع برہان میں یہ اعتراضات کیے ہیں:

۱۔ طوس میں واو معروف ہے، پس ہوس اگر واو مجہول سے ہے تو طوس کا ہم وزن کیوں کر ہوگا؟ پھر بطورِ استہزا لکھا ہے کہ ہوس انگریزی کو طوس کے ہم وزن لکھنا چاہیئے۔

۲۔ اگر ابن یمین کے کلام میں ہوس میں اوّل مضموم تسلیم کر لیا جائے تو اس کو ضرورتِ شعری کہیں گے، پس یہ علیحدہ لغت قرار نہیں پا سکتا۔

۳۔ ابن یمین کا شعر مطلع نہیں بلکہ کسی قطعے کا فرد ہے، اس قطعے کے دوسرے قوافی قوس اور فردوس ہیں حرکت و سکون کا تغیّر (یعنی ہَوَس کا ہَوْس بروزن قوس کر دینا) مروّج تھا۔ ابن یمین کا شعر یہ ہے:

رزم بر بزم اختیار مکن
ہست مارا بخود ہزاران ہوس

اس میں حرکت کو سکون سے بدل دیا گیا ہے، فتحے کو ضمّے سے نہیں۔ یعنی ہَوَس سے ہَوْس بروزن حوض ہے نہ بروزنِ کُوس۔

اس بیان کا سب سے قدیم ماخذ فرہنگِ جہانگیری ہے۔ وہیں سے مولف برہان نے یہ اطلاع حاصل کی، اس نے خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ جہانگیری کا بیان یہ ہے:

'ہوس، با اوّل مضموم و واو مجہول، بمعنی امید باشد، ابن یمین راست:

در قدح کن ز حلق بط خونی
ہمچو روی تدرو و چشم خروس

رزم بر بزم اختیار مکن ہست مارا بخود ہزاران ہوس"

(ج ۲ ص ۲۱۳۵)

فرہنگ سروری[1] میں یہ ہے:

---

[1] سروری کی کئی روایتیں ہیں، آخری روایت جہانگیری (تالیف ۱۰۱۷) کے بعد کی تقریباً ۱۰۲۸ھ کی ہے۔

"ہوس بروزن کوس، در فرہنگ[1] بمعنی ہوس باشد، مثالش این بیت ابن یمین آوردہ":

(اس کے بعد وہی دو بیتیں نقل کی گئی ہیں جو جہانگیری میں منقول ہیں۔) آگے اسی فرہنگ میں ہے: "و بخاطر می رسد کہ ہوس بمعنی[2] امید باشد چہ باین قطعہ این معنی انسب است" (ج ۳ ص ۱۵۲۵)

فرہنگ رشیدی میں بھی اسی کی تکرار ملتی ہے، ملاحظہ ہو:

"ہوس بواو مجہول، ہوس باشد، ابنِ یمین گوید:

رزم بر بزم اختیار مکن الخ" (طبع تہران ج ۲ ص ۱۵۰۸) حاشیہ میں اضافہ ہے: "در بعضی نسخ ہُوس و ہوسہ بالضم و واو مجہول۔"

فرہنگ معین میں آیا ہے:

ہوس (hos) ‏(mṣ.) تصرفی از عربی ‏havas، ہوس، آرزوی نفسانی:

در قدح کن زحلقِ بط خونی ہمچو روی تذرو و چشمِ خروس

رزم بر بزم اختیار مکن

ہست مارا بخود ہزاران ہوس"

برہان قاطع کے حاشیے (ج ۴ ص ۲۳۹۳) میں ڈاکٹر محمد معین نے یہ لکھا ہے کہ ہوس (mṣ.h) لغت عربی ہوس کا محرف ہے۔ اس کے بعد جہانگیری اور رشیدی کے حوالے سے ابن یمین کے دو شعر نقل کیے ہیں۔ (حالانکہ رشیدی میں صرف ایک ہی بیت ہے۔)

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ لفظ ہوس جو تمام قدیم فرہنگوں سے غیر حاضر

---

[1] یعنی جہانگیری، لیکن اس میں ہوس کے بجائے امید ہے۔

[2] نہ جانے سروری کو کیوں کر یہ دھوکا ہوا، اس لیے کہ خود جہانگیری میں "امید" ہی ہے۔

ہے۔ اس کی بنیاد صرف ابن یمین کے ایک شعر کی قرأت پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود کسی مصنف نے ابن یمین کے قطعے کی چھان بین نہ کی۔ تعجب ہے ڈاکٹر معین سے کہ عربی کی محرف شکل بتانے کے باوجود وہ مسئلہ کی اصل حیثیت پر بحث نہ کر سکے۔ میں نے مسلم یونیورسٹی کے کتابخانے میں ابن یمین کے کلام کے چار قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا، ان میں تین نسخے ایک ترتیب کے ہیں اور ان تین فرہنگوں میں منقول قطعہ موجود نہیں۔ یہی حال تہران کے مطبوعہ نسخے کا بھی ہے۔ ایک نسخہ جدید ہے جو مولانا حبیب الرحمن شیروانی کے ذخیرے میں ہے، شروانی صاحب کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ بہاول پور کے کتاب خانے کے ایک نہایت معتبر اور قدیم نسخے کی ہو بہو نقل ہے۔ اصل کی اس میں اس حد تک پیروی کی گئی ہے کہ اکثر مقامات پر قدیم املائی اصول کے تتبع میں دال و ذال کا فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ نسخۂ منقول عنہ ممکن ہے کہ خود شاعر کے عہد کا نسخہ ہو۔ بہر حال اس نسخے میں حسب ذیل قطعہ موجود ہے:

اے دریغا کہ عمر شد بفسوس   ازلبت ناستاندہ داد بوس
ساقیا گلشن از نسیم بہار   گشت آراستہ چو روی عروس
درقدح شد زحلق بط خونی   ہمچو روی تذرو چشم خروس
رزم بر بزم اختیار مکن   ہست مارا بخود ہزار بیوس
ہرگز ابن یمین عوض نکند
نغمۂ چنگ را کوس (ص ۹۵-۹۶)

نسخۂ منقول عنہ کی پیروی میں کاتب نے بھی نقطوں کا باقاعدہ اہتمام نہیں کیا ہے خصوصیت سے پہلی اور چوتھی ابیات دوسرے مصرعوں کے تقریباً سارے الفاظ نقطوں سے عاری ہیں اس بنا پر ان کی قرأت مشتبہ ہو سکتی ہے۔ پہلی بیت کے دوسرے مصرعے کا قافیہ بیوس ہے۔ اس کے معنی امید، آرزو، طمع، چشم داشت کے ہیں۔ مثلاً سروری (طبع تہران ج ۱ ص ۱۵۲) لکھتا ہے:

"بیوس بیای حطی بوزن عروس طمع وامید باشد بچیزی از ہر نوع کہ بامثالش

حکیم انوری گوید:

گربۂ بہ بیوس نتوان کرد هم درین بیشہ بود شیر عرین

هم او فرماید:

بہ بیوسی از جہان دانی کہ چوں آید مرا هم چنان کز پارگین کردن امید کوثری

وابن یمین نیز گوید:

ہر کرا ہمت بلند بود راہ یا بد بمنتہای بیوس

ودر نسخۂ حلیمی بمعنی تواضع وچاپلوسی نیز آمده"۔

اب رہا چوتھے شعر کے دوسرے مصرعے کا قافیہ جو بادی النظر میں بیوس ہی ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اسی سے معنی درست ہو سکتے ہیں۔ یعنی ای دوست، بزم آراستہ کر۔ رزم کا کوئی محل ومقام نہیں، مجھ کو تجھ سے ہزار آرزوئیں ہیں۔ "ہوس" سے وزن بگڑ جاتا ہے اور اسی وزن کو پورا کرنے کے لیے مولف ہذا کو "ہزار" کے بجائے "ہزاران" کرنا پڑا ہے۔ میرے پیش نظر نسخے کی یہ واضح صورت ہے۔ یہی قرأت اس نسخے کی ہے جس کی رو سے لغت نامہ میں یہی بیت منجملہ اور مثالوں کے درج ہوئی ہے:

"بیوس، امید وامیدواری وآرزو از مصدر بیوسیدن (ملخص)

"وہر چند کہ ہوای وی از آن منقطع باشد دنیای، آخر بیوس ثواب آن جہانی باشدش"۔ (کشف المحجوب ہجویری)

ای پہلوان کا مروا اختیار دین ای خلق را بہ بخشش وانعام تو بیوس

(محمد بن ہمام شہاب الدین)

کزین نامہ ہم گر نہ رفتی بیوس سخن گفتن تازہ بودی فسوس

(نظامی)

رزم بر بزم اختیار مکن ہست مارا بخود ہزار بیوس

(ابن یمین)

باعقل کاردیدہ بخلوت شکایتی میکردم از نکایت گردوں پرفسوس

گفتم جور اوست کہ اباب فضل را عمرِ عزیز می رود اندر سر بیوس“

(ابن یمین)

اس تفصیل سے واضح ہے کہ بموس کوئی لفظ نہیں، صحیح لفظ بیوس ہے۔ صاحب فرہنگ سے اس لفظ کے پڑھنے میں غلطی واقع ہوگئی، اور ان کی اس غلط خوانی سے یہ لفظ دوسری اور فرہنگوں میں (مثلاً فرہنگ رشیدی، مجمع الفرس سروری، برہان قاطع وغیرہ) راہ پاگیا، ورنہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ سارے فرہنگ نویس جہانگیری کی روایت، باوجود سقیم ہونے کے دہراتے رہے اور کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ ابن یمین کا دیوان دیکھ لیتا تاکہ اصل واقعہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ رہ جائے۔ دورِ جدید کے فرہنگ نویس بھی اسی روایت پرستی کے شکار ہیں۔

یاختن

غالب لکھتے ہیں: ”یاختن بمعی بیرون کشیدن می نویسد ونمی داند کہ آن آختن است بالف ممدودہ، ہماناکہ چون یازد مضارع آنست این ہمہ دان از روی قیاس مصدر رانیز یاختن گمان کرد۔“

غالب کا خیال غلط ہے۔ یاختن مصدر ہے، اس لیے مضارع یازد بنتا ہے۔ آختن سے مضارع آزد ہے۔ دونوں کے معنی تقریباً یکساں ہیں۔ بجائے اس کے کہ غالب کے اعتراض کے بارے میں مزید کچھ کہا جائے۔ ذیل میں فرہنگوں کے مطالب درج کر دئے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو جائے گا کہ غالب کا مطالعہ کس درجے کا تھا۔ ضمناً یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یاختن کے صرف ایک ہی معنی نہیں کئی معنی ہیں، برہان میں ہے:

”یاختن بمعنی بیرون کشیدن باشد مطلقاً و بر آوردن تیغ از غلاف و بمعنی زدن و انداختن و آشکارا کردن و پرسیدن۔“

اسی مناسبت سے یاختہ، اسم مفعول، اور یاختی، یاختن سے ماضی مطلق واحد حاضر ہے اور یہ دونوں لفظوں کا الگ الگ اندراج برہان میں ہے۔ دوسرا لفظ یازیدن ہے، جس کے معنی نمو کرنا، قصد و ارادہ کرنا اور بلند ہونا ہے۔ اس کے دوسرے مشتقات

یاز ، یازان ، یازد ، یازش ، یازنده ، یازه ، الگ الگ مندرج ہیں۔"

لغت فرس میں یازان بمعنی آہنگ کنان ہے، اور یہ بیتِ شاہد نقل ہے:

زہمہ خوبان سوی تو بدان یا زم
کہ ہمہ خوبی سوی توشدہ یازان

صحاح میں نظامی کی مزید یہ بیت ہے:

بیازم نیم شب زلفت بگیرم
چو شمع صبح درپیشت بمیرم

زفان گویا: "یازیدن قصد کردن و زدن و انداختن و بیرون کشیدن و آشکارا کردن۔"

موید الفضلا (۲ : ۲۸۴) سے معلوم ہوا کہ زفان میں یہی سب معانی یاختن کے بھی ہیں۔ جہانگیری: "یاختن بمعنی آختن است (ص ۵۵۴) و آختن کشیدن باشد (ص ۹)

یازیدن بمعنی کشیدن و آہنگ کردن" (۵۵۴)

رشیدی: "یاختن، کشیدن تیغ ونیزہ مرادف آختن، وقصد کردن، ودست دراز کردن بچیزی وبرین قیاس یاختہ ویاختی:

فردوسی گوید:

زمان تا زمان دست بر یاختی
سرِ گشکش زخرگان بلند اختی (ص ۱۵۱۵)

فرہنگ نظام (۵ : ۵۲۷) "یاختن، بلند کردن دست وشمشیر وجز آنہا کشیدن و آہنگ کردن"

اس کے بعد فردوسی کی بیت نقل ہے:

(یاخت، یاختہ، یازد، یازندہ، یازان وغیرہ مشتقات ہیں)

یازیدن، آہنگ کردن وکشیدن وبلند کردن دست وشمشیر وجز آنہا۔

انوری: گر ابر نہ در دایگی طفل شگوفہ است
یازان سوی ابر از چہ کشاداست دہان را

(یازید ، یازیدہ ، یازد ، یازندہ ، یازان وغیرہ مشتقات ہیں۔) (۵ : ۵۴۰)
فرہنگ معین : " یاختن یازیدن ، دست یاختن ، دست دراز کردن ، آلودن ،
فردوسی :

دلیکن پدر چون بخون یاخت دست — در ایران نکرد دم سرای نشست

(ص ۵۲۳۹)

" یازیدن قصد کردن ، برداشتن ، بلند کردن " (ص ۵۲۴۳)
آختن ، آمیختن ، آخت ، آزد ، خواہد آخت ، بیاز ، آزندہ ، آختہ ۔ یہ دوسرے مشتقات ہیں۔ (ص ۳۲)

اوپر جو مثالیں درج ہیں ان سے جو باتیں معلوم ہوئیں ان میں دو خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں :

۱۔ آختن ، یاختن ، یازیدن تینوں میں بعض معنی مشترک ہیں جیسے برداشتن، بلند کردن۔

۲۔ تینوں کے مشتقات الگ الگ ہیں، آختن سے ماضی آخت اور مضارع آزد ، یاختن سے ماضی یاخت اور مضارع یازد۔ اور یازیدن سے ماضی یازید اور مضارع یازد ہے۔
ان امور کا غالب کے بیان سے مقابلہ کریں تو واضح ہو جائے گا کہ اُن کے اعتراض بے بنیاد ہیں۔

یوغ ۔ جوغ

غالب فرماتے ہیں : "یوغ بمعنی وہ لکڑی جو بیل کی گردن پر ہوتی ہے ، اس کو ہندی میں 'جوا' کہتے ہیں۔ 'یا مع الواو' کے ذیل میں یہ لفظ تو ٹھیک ہے، لیکن دقیقہ رس نگاہوں نے دیکھا ہوگا اور اگر نہ دیکھا ہو میں بتاتا ہوں کہ (برہان میں) جیم مع الواو کے ذیل میں جوغ بھی اسی معنی میں لکھا گیا ہے، ظاہر ہے کہ (صاحب برہان) تحقیق سے کس قدر دُور تھا۔"

غالب کا خیال غلط ہے۔ یوغ اور جوغ دونوں لفظ ہیں ، یا لفظ کی دونوں شکلیں ہیں،

اس لیے کہ بعض حالتوں میں یا کی جیم میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ بہر حال سروری میں ہے:
" جوغ (جُغ) چوبی کہ بر گردن گاو بندند در وقت شیار کردن و آنرا جو نیز گویند بضم جیم۔" (۱: ۳۵۴)

فرہنگ معین میں ہے: " جوغ، جغ، یوغ، جو، جو، چوبی کہ روی گردن جفت گاو نہند و زمین را شیار و شخم کنند۔" (۱۲۵۵)

" جو۔ جوغ۔ یوغ۔ جغ۔ جوہ، چوبی کہ بوقت شیار کردن۔ زمین بر گردن گاو گذارند۔ جوغ، یوغ۔ (۱۲۴۸)

اس تفصیل سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ ہندوستانی لفظ " جوا " فارسی لفظ جو اور جوہ سے کس قدر مشابہ ہے۔

حواشی

۱۔ بیوس کی قرأت اور اس کے معنی بھی وضاحت چاہتے ہیں۔ بعض فرہنگوں میں اس کو پے سے لکھا ہے۔ مثلاً جہانگیری میں ہے (ج ۴ ص ۲۲۵) " پیوس باوّل مکسور و ثانی مضموم و واو مجہول۔ دو معنی دارد: اوّل طمع بود، حکیم انوری راست:

بہ پیوسی از جہان دانی کہ چہ آید مرا
ہمچنان کز پارگین امید کردن کوثری

استاد گفتہ:

افسوس کہ دور بر پیوسی بگذشت — آن عمر چو جان عظیم از سی بگذشت
اکنون چہ خوشی اگر خوشی دست دہد — صد کاسہ بنانی چو عروسی بگذشت

دوم انتظار باشد؛ ابن یمین نظم نمودہ:

با عقل کار دیدہ بخلوت شکایتی — می کردم از نکاہت گردون پر فسوس
گفتم زجور اوست کہ اصحاب فضل را — عمر عزیز می رود اندر سر پیوس

ڈاکٹر عفیفی نے جہانگیری کے حاشیے میں یہ مطالب اضافہ کیے ہیں :
"پیوسیدن بمعنی طمع داشتن : "می پیوسید و طمع می دارند... کہ شمارا استوار گیرند"
(کشف الاسرار ۲۲۱) "آری نیکوکاران را بر پیوس بیفزایم درین جہان و ہم در آنِ جہان"
(ایضاً ۷۶۷/۲)

وبصورت بیوس، ابن یمین گوید (دیوان ۴۶۶):

ہر کہ راہمت بلند بود   راہ یابد بمنتہائے بیوس

دیوان ابن یمین کے حبیب گنج والے نسخے میں (ص ۳۴۰) یہ بیت اس طرح آئی ہے:

ہر کرا ہمتی بلند بود
راہ یابد بمنتہای نفوس

لیکن بیوس والی قرائت سروری میں بھی موجود ہے۔

جہانگیری کا "بیوس" میں واو مجہول قرار دینا مشتبہ ہے۔ اس لیے کہ قطعہ کے چار قافیوں یعنی 'فسوس، عروس، خروس، کوس' میں پہلے تین میں واو معروف ہی ہے، اسی طرح ایک دوسرے قطعے کے قوافی 'نفوس، فسوس، خروس، سبوس' سب کے سب میں واو معروف ہے۔ ایک اور قطعے کے دو شعر لغت نامہ دہخدا میں ہیں، ایک کا قافیہ 'فسوس' اور دوسرے 'بیوس' ہے، اس بنا پر قرین صحت یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ 'بیوس' میں واو معروف سمجھا جائے۔

فرہنگ رشیدی میں پیوس کے ذیل میں آیا ہے۔ (ج ۱ ص ۳۹۰):
پیوس بکسر اوّل و واو مجہول، امید و طمع، و پیوسد بمعنی اُمید دارد و پیوسی امید بھی' وصیح ببای تازی است و زایدہ است، و کلمہ لوس است مرادف بوز بمعنی جست وجو، نہ بمعنی اُمید و طمع۔

مدار الافاضل میں پیوس (بائے فارسی) طمع و انتظار کے معنی میں آیا ہے، اور حسب ذیل دو بیت سے استشہاد ہوا ہے۔

افسوس کہ عمر بہ بیوسی بگذشت   واین عمر چو جان عزیزم ازسی بگذشت

نہ کند میل بی ہنر بہ ہنر

کہ بیوسد ز زہر طعم شکر

فرہنگ معین میں بیوس اور بیوس دونوں صورتیں ہیں اور بیوس کے ذیل میں چند مشتقات بھی مندرج ہیں، مثلاً بیوس، بیوسان (= درحالِ انتظار)، بیونده بیوسیدن، البتہ اس لفظ کی سب سے زیادہ مفصل تشریح لغت نامۂ دہخدا میں ملتی ہے اس میں بیوس کا صرف ایک اندراج ہے جو ابن یمین کے ایک شعر: اندرسر بیوس الخ سے استشہاد ہوا ہے۔ یہی بیت بیوس کے ذیل میں محمد معین نے بھی درج کی ہے، لیکن قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ خود لغت نامہ میں بیوس کے تحت یہی لفظ بابِ عربی سے درج ہے۔ لغت نامہ میں بیوس کے سلسلے میں حسبِ ذیل مشتقات آئے ہیں:

(۱) بیوسا، صفت دایمی از بیوسیدن۔

(۲) بیوسان درحالِ انتظار، مقابلِ نابیوسان ۔ مردن مفاجا بسبب اندوہ و بیم "نابیوسان کمتر ازآن باشد کہ ازشادی بیوسان" (ذخیرۂ خوارزمشاہی)

(۳) بیوسانیدن طمع کردن (۴) بیوستن: استعفا کردن۔ (۵) بیوسنده، تواضع و چاپلوسی کننده، سنائی:

سگ بیوسنده گرگ درنده است

(۶) بیوسی: انتظار۔ (۷) بیوسیدگی: کیفیت بیوسیده۔ (۸) بیوسیدن: امید داشتن: چہ آن کزوی بیوسد مہربانی؛

"خدای تعالیٰ ایمن کندوی را... و بدہد آنچہ بیوسند (کیمیائے سعادت)

(۹) بیوسیدنی: درخور بیوسیدن مقابل نابیوسیدنی۔ (۱۰) بیوسیده: مترقب، منتظر، مقابل نابیوسیده۔

ان کے علاوہ 'نا' کے ذیل کے لغت نامہ میں حسبِ ذیل الفاظ درج ہوئے ہیں:

(۱) نابیوس: ناگہان؛ نابیوسان: ناگہان، غیرمتوقع؛ "دگفتند کہ نااندیشیدہ و

نابیوسان چنین حالی بیفتاد۔" (بیہقی ۴۹۷)

" داین مرگ بیوسان ہم یکی از اتفاق بد بود۔" (ایضاً ۵۷۶)

نابیوسان مفرج ہمی و مفرح غمی (مقدمۂ حدیقۂ سنائی)

(۳) نابیوسی: ناگہانی؛ (۴) نابیوسیدن مقابل بیوسیدن۔ (۵) نابیوسیدنی مقابل بیوسیدنی؛ (۶) نابیوسیدہ: غیر منتظر۔

ملکی نابیوسیدہ بدو رسیدہ دکسوت ناکوشیدہ پوشیدہ" (راحۃ الصدور)

ان مثالوں کے علاوہ ادبیات فارسی میں بیوس اور اس کے مشتقات کے استعمال کی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں، مثلاً مکاتیب سنائی میں دست بیوس (ص ۳۲) آیا ہے۔ اور تاریخ سیستان (۲۹۹) میں نابیوسان اس طرح استعمال ہوا ہے: چون بنزدیکان شہر برسید نابیوسان ... کوبنی رابکشت۔"

ایسے متداول لفظ کی غلط خوانی موجبِ حیرت ہے۔

صاحبِ برہان قاطع کی تائید میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس غریب نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، جو کچھ اس کے پیشرو جمال الدین انجو فرہنگِ جہانگیری میں لکھ گئے اس کو اپنی فرہنگ میں درج کر دیا۔ البتہ اس سے یہ چوک ضرور ہوئی کہ اس نے اِس لفظ کو بروزن "طوس" لکھا ہے۔ غالب کی گرفت صحیح ہے۔ طوس میں واو معروف ہے اور "ہوس" میں مجہول۔ رہے غالب کے اعتراضات تو سوائے اس کے ہموزن لفظ کے سلسلے کی گرفت کے اُن کے سارے اعتراضات بے بنیاد ہیں۔ بغیر دیوانِ ابن یمین دیکھے انھوں نے حسبِ عادت بے پر کی اڑائی ہے کہ "قوافی این قطعہ قوس و فردوس است۔" البتہ یہ غالب کے ذہن رسا اور طبعِ سلیم کا نتیجہ ہے کہ وہ عربی لفظ ہوس (بفتحتین) کو ہوس ملنے پر راضی نہ ہوئے، اور اس معاملے میں وہ حق پر تھے۔ بہرحال وہ اس اعتراض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ اس لیے کہ وہ بغیر ضروری مواد کے ایک ایسے معرکے میں اتر آئے جو وافر معلومات کے بغیر سر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہوس" بروزنِ کوس یا بروزنِ طوس کوئی لفظ نہیں۔ یہ غلط خوانی کا نتیجہ ہے۔ اس بنا پر اس کو فارسی کا لفظ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ضمائم

دساتیر پر ایک نظر

جن لوگوں کو قدیم ایران کی تاریخ و زبان سے دل چسپی ہے ان کے لئے دساتیر کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ دساتیری عقائد کے مطابق یہ ۱۶ کتابوں کا ایک مجموعہ ہے، یہ کتابیں ایک بہت طویل مدت کے درمیان ۱۵ پیغمبروں اور ایک اور برگزیدہ ہستی (سکندر) پر نازل ہوئیں، اس مجموعے کے ماننے والے پارسی، ایرانی، سپاسی، یزدانی، ایزدی، آذر ہوشنگی، آبادی، آذری وغیرہ ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں[1]۔ باوجود اس کے کہ دساتیر کا نام بہت عام ہو چکا ہے اور عرصہ ہوا یہ کتاب شائع بھی ہو گئی[2] ہے مگر اس کی مذہبی و تاریخی اور لسانی حیثیت پر بڑا سخت پردہ پڑا ہوا ہے۔ مدتوں لوگ اس کو زرتشتی مذہب کی مقدس کتاب سمجھتے رہے، بعض زرتشتی[3] بھی اس غلط فہمی کے شکار تھے۔ ہمارے بعض بزرگوں نے دساتیر سے کافی استفادہ کیا ہے لیکن ان پر بھی اس کتاب کی صحیح حیثیت واضح

۱۔ ملاحظہ ہو دبستان المذاہب ص ۱۔ ۲۔ بمبئی ۱۸۱۸ء میں شائع ہوئی مگر آزاد نے سخندان فارس حصہ ۲ ص ۳۱ پہ تاریخ اشاعت غلطی سے ۱۸۱۶ درج کردی ہو۔ ۳۔ مثلاً ملا فیروز ناشر کتاب دساتیر۔

نہیں ہو سکی۔ ہماری مراد محمد حسین ابن خلف تبریزی مولف برہان قاطع اور اردو و فارسی کے نامور اور محبوب شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی سے ہے۔ اول الذکر نے دساتیر کے سیکڑوں الفاظ برہان قاطع میں داخل کرکے انھیں فارسی کے "اصیل" لفظوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ مصنف کی یہ کوشش مستحسن ہے کہ غیر مستحسن اس کے بارے میں بعد میں عرض کیا جائے گا۔ مرزا غالب نے دساتیر[۱] کو اپنا ایمان و حرز جان کہا ہے۔ یہ کتاب مرزا کے پاس مدتوں رہی اور اس کا انھوں نے کافی مطالعہ بھی کیا تھا مگر گمان ہوتا ہے کہ انھیں اس کے مطالب سے صحیح واقفیت حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اسے زرتشتیوں کی مقدس کتاب سمجھتے تھے۔ ان میں ایسا رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ دساتیری مطالب سب سے زیادہ "اصیل" ہیں اور ان کے نزدیک قدیم ایران کی تاریخ وغیرہ کا اہم ترین ماخذ یہی کتاب ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں دساتیری الفاظ بھی اچھی خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں۔ مرزا کے ان خیالات کی تصدیق یا تردید کا موقع نہیں البتہ جو کچھ یہاں عرض کیا جائے گا اس سے مرزا کے خیالات کے سمجھنے اور جانچنے میں مدد مل سکے گی اور قاضی عبدالودود صاحب نے غالب کی محققانہ صلاحیت کے بارے میں " نقد غالب[۲]" میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بجا طور پر استفادہ ہو سکے گا۔ دراصل دساتیر کے سلسلے کی ساری گتھیاں ایک مقالے سے نہیں سلجھ سکتی ہیں۔ اس اہم موضوع پر بڑی تحقیقات کی ضرورت ہے کیوں کہ اس کے مطالب سے صحیح واقفیت پر بڑے تاریخی و لسانی مسائل کے حل کا انحصار ہے۔

دساتیری معلومات کا قدیم ترین ماخذ غالباً دبستان المذاہب یا دبستان مذاہب ہے۔ ابتدا میں اس کا مصنف محسن فانی کشمیری سمجھا جاتا تھا مگر اب اسے ملا موبد شاہ کی تخلیق قرار دیا جاتا ہے[۳] جس نے ۱۰۵۵ ہجری سے ۱۰۶۳ ہجری (۱۶۴۵ تا ۱۶۵۲ء) کے درمیان اسے ہندوستان میں مکمل کیا۔

---

[۱] یہ اطلاع قاضی عبدالودود کے مضمون غالب بحیثیتِ محقق، نقد غالب سے لی گئی ہے۔ [۲] نقد غالب ص ۲۴۵ بعد، قاضی صاحب نے بھی دساتیر کو جعلی کتاب بتایا ہے [۳] مصنف کے تعین کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہو سکا ہے۔

دبستان المذاہب سے عام مذہبی معلومات کے علاوہ گیارھویں صدی ہجری کے ہندوستان کی مذہبی حالت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کا سب سے بڑا اور ابتدائی حصہ دساتیر کے ماننے والوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ مؤلف دبستان نے سب سے پہلے دساتیر کے نام اور اسکی تعلیم سے علمی دنیا کو روشناس کیا۔ اس کتاب کے مطالعے سے دساتیر کے وجود کا علم اور اس کے نسخے کی دریافت کا شوق پیدا ہوا۔

دبستان کلکتہ۔ بمبئی اور لکھنؤ میں کئی بار چھپ چکی ہے اور ۱۸۴۳ء میں اس کا کامل انگریزی ترجمہ تین جلدوں میں انتھونی ٹرویر اور ڈیوڈ شی کے توسط سے پیرس سے شائع ہوا۔ ۱۷۸۹ء ہی میں New Asiatic Miscellany میں دساتیر والے حصے کا انگریزی ترجمہ چھپ گیا تھا جو ڈل برگ کے توسط سے ۱۷۹۰ء میں جرمن زبان میں منتقل ہوا۔[1]

دساتیر حسب ذیل اجزا پر مشتمل ہے:

۱۔ نامۂ شت مہ آباد (مہاباد)
۲۔ نامۂ شت جی افرام
۳ نامۂ شت شای کلیو
۴ نامۂ شت وخشور یاسان
۵ نامۂ وخشور گلشاہ
۶ نامۂ شت وخشور سیامک
۷ نامۂ وخشور ہوشنگ
۸ نامۂ شت وخشور تہمورس
۹ نامۂ شت وخشور جمشید
۱۰ نامۂ شت وخشور فریدون
۱۱ نامۂ شت وخشور منوچہر
۱۲ نامۂ شت وخشور کیخسرو
۱۳ نامۂ شت وخشور زرتشت
۱۴ اندرز نامۂ اسکندر
۱۵ نامۂ شت ساسان نخست
۱۶ نامۂ شت ساسان پنجم

یہ کتابیں آسمانی زبان میں ہیں۔ جن پیغمبروں پر یہ نازل ہوئیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس زبان سے واقف نہیں اور اگر آخری پیغمبر ساسان پنجم حکم خداوندی کے مطابق ان سب کو "فارسی دری" میں منتقل نہ کرتا تو پھر ان کے سربستہ راز کی کسی کو اطلاع نہ ہوتی۔

۱۔ ملاحظہ ہو ترجمۂ دبستان جلد اول مقدمہ ص ۷ حاشیہ نمبر ۲۔

مطالب کتب کا کیا ذکر، اسماء علم بھی ہمارے لیے معما ہوتے اور پیغمبروں کے جو نام درج بالا ہیں وہ ساسان پنجم کے ترجمے کے مطابق ہیں، دساتیری نام کافی مختلف ہیں۔ لیکن اگر جرمن زبان شناس فان ہمیر کا قول تسلیم کر لیا جائے تو ساسان پنجم سے بھی دساتیری مطالب کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ در اصل اس زبان شناس نے ان لوگوں کے بیان کی تردید کرنی چاہی ہے جو دساتیر اور ترجمۂ دساتیر دونوں کو ساسان پنجم کی طرف منسوب کرتے اور دساتیر کو جعلی کتاب بتاتے ہیں۔

ایشیاٹک سوسائٹی کے چھٹے سالانہ اجلاس فروری ۱۷۸۹ء میں ولیم جونس نے قدیم ایران کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے دبستان المذاہب کا تعارف کرایا اور اسی کے ضمن میں دساتیر کی اہمیت کا بھی ذکر کیا تھا[۲]۔ مگر اس وقت تک اس کو دساتیر کے کسی نسخہ کا غالباً علم نہ تھا حالانکہ[۳] ۱۷۷۸ء ہی میں ایک نسخہ دریافت ہو چکا تھا۔ ملا فیروز زرتشتی جس کی وجہ سے گویا یہ کتاب زندہ ہوئی اس کا باپ ملا کاؤس اس سنہ میں اصفہان گیا اور وہاں کے ایک کتاب فروش آغا محمد طاہر سے اس کا ایک نسخہ خریدا جس کے سرورق پر "کتاب گبری" لکھا ہوا تھا۔ چند سال بعد اس کا علم بمبئی کے گورنر ڈنکن کو ہوا وہ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسے انگریزی میں منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ابھی تقریباً آدھی کتاب کا ترجمہ ہو سکا تھا کہ ۱۸۱۱ء میں اپنی صحت سے مجبور ہو کر مترجم کو انگلستان جانا پڑا اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا نامکمل ترجمہ اس کے اور کاغذات کے ساتھ انگلستان بھیج دیا گیا اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اسی دوران میں سرجان مالکم نے ملا فیروز کو اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا شوق دلایا۔ اس طرح ایک طرف تو انگریزی ترجمہ کا کام شروع ہوا اور دوسری طرف اصل متن مع فارسی ترجمہ کے شائع کرنے کا انتظام ہوا۔ چنانچہ ۱۸۱۸ء میں ترجمہ اور اصل مع فارسی تفسیر الگ الگ شایع ہوئے۔ انگریزی ترجمہ ۱۸۸۸ء میں بمبئی ہی میں ڈی۔ جے۔ میدھورا کے اعتنا سے دوبارہ شائع ہوا۔ لوگ اس کتاب کے شائع ہونے کے جس قدر آرزومند تھے اس کا اندازہ لارڈ ہیسٹنگز کے ذیل کے بیان سے ہوگا یہ بیان ۱۵ جولائی ۱۸۱۶ء کو فورٹ ولیم کالج میں دیا گیا تھا[۴]:

۱۔ ترجمہ دبستان ص ۴۸
۲۔ ایضاً ص ۲ متن و حاشیہ ۳۔ ملاحظہ ہو مقدمۂ دساتیر انگریزی ص ۱۰-۱۳۔ ۴ دساتیر انگریزی مقدمہ ص ۹۔

"اس سال کے ادبی کارناموں میں ایک قابلِ ذکر کتاب ہے جو اگرچہ براہ راست اس ادارے کے یا اس حکومت کے زیرِ اہتمام اڈٹ نہیں ہوئی تاہم اس کا شمار ایسے ادبی عجائبات میں ہے کہ میں اس موقع پر اس کے ذکر سے باز نہیں رہ سکتا۔ میرا اشارہ دساتیر کی طرف ہے جو مدتوں علمی دنیا کی نظروں سے روپوش رہی۔ اس کا ایک نسخہ اتفاقاً بمبئی کے ایک پارسی عالم کے ہاتھ لگ گیا اور اب وہ زیرِ طبع ہے۔ دساتیر جو قدیم ایرانی پیغمبروں کی کتابوں کا مجموعہ ہے ہندوستان اور یورپ دونوں جگہوں کے علما کے لئے ایک ادبی اعجوبہ ہے کیوں کہ بلا شک و شبہ یہ کتاب قدیم ترین ایرانی ادب کا نمونہ ہے"۔

عنوان کتاب اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب یا مجموعۂ کتب کا عنوان دساتیر ہی ہے مگر انتھونی ٹرویر نے ترجمۂ دبستان کے دیباچے میں دساتیر پر جو مقالہ شامل کیا ہے اس میں لفظ "دساتیر" کی مختلف قرأت کا ذکر کرتے ہوئے اس عنوان کو مشتبہ بتایا ہے لیکن یہ اختلاف قرأت دبستان المذاہب کے مختلف نسخوں کے ہیں، ان کی تفصیل اسطرح ہے:-

دساتیر (متن دبستان مرتبۂ گالڈون)۔ ترجمۂ انگریزی ج اص ۲۰ حاشیہ ۱۔

دساتیر (متن دبستان طبع کلکتہ و نسخۂ اودھ) ترجمۂ انگریزی ج اص ۲۰ حاشیہ ۱۔

تیمر وساتیر (متن دبستان مرتبۂ گالڈون) دو بار، ترجمۂ انگریزی ج اص ۴۴ حاشیہ ۱

تیمر دیاتیر (نسخۂ اودھ) ایک بار ترجمۂ انگریزی ج اص ۴۴ حاشیہ ۱۔

تیمسر دساتیر (طبع کلکتہ) ایک بار، ترجمۂ انگریزی ج اص ۴۴ حاشیہ ۱

اب ٹرویر کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

" دساتیر کو کتابت یا چھاپے کی غلطی نہیں کہہ سکتے اور اگرچہ اس سے قبل میرا خیال یہ تھا کہ "دساتیر" صحیح عنوان رہا ہو گا لیکن اب یہ خیال ہو گیا ہے کہ "وساتیر" صحیح ہے۔ یہ سنسکرت لفظ "واش" سے ماخوذ ہے جو آواز دینے اور پکارنے کے معنی

۱۔ ترجمۂ انگریزی ج اول ص ۲۰۔

میں آتا ہے اور "دساتس" یا "وساتیر" کی صورت میں اس کے معنی "گفتگو نصیحت۔حکم" ہوئے۔ فارسی قدیم کا لفظ وکشور" (یا وخشور=پیغمبر) کا بھی یہی ماخذ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا مادہ "بھاشا" (بات چیت کرنا) ہے جو "پری" اور "سم" حروف جار Preposition کے ساتھ تشریح۔ توضیح اور گفتگو کرنے کے معنوں میں آتا ہے"

لیکن ان سب اختلافات قرأت کو پیش کرنے میں ان لوگوں کے خیال کی تردید مقصود ہے جو لفظ "دساتیر" کو فارسی لفظ "دستور" کی عربی جمع سمجھتے ہیں کیونکہ بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ لفظ "دساتیر" اس معنی میں فارسی میں مستعمل ہے جس کی سند غیاث اللغات وغیرہ سے مل جاتی ہے۔ صرف اسی لفظ پر موقوف نہیں فارسی و ترکی کے اور بھی الفاظ ہیں جن کی جمع بقاعدہ عربی لاتے ہیں مثلاً رند سے رنود، خاتون سے خواتین، فرمان سے فرامین، خان سے خوانین وغیرہ۔

ولیم جونس نے "دساتیر" عنوان کو دبستان کے مسلمان مولف کی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً وہ لکھتا ہے[2]:

"آبادیوں یا یزدانیوں کا عقیدہ ہے کہ مہ آباد کو خدا کی طرف سے ایک کتاب ملی جس کے احکام اس نے آدمیوں میں نافذ کئے۔ اس کی زبان آسمانی ہے مگر (دبستان کے) مسلمان مولف نے اس کا نام دساتیر رکھا ہے۔ اس نے اس کتاب کا اصلی نام نہیں بتایا ہے"۔

اگرچہ جونس کے زمانے میں دساتیر کا نسخہ دستیاب ہو چکا تھا مگر کتاب چونکہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی تھی اس لئے ولیم جونس کو معذور سمجھنا چاہیے۔ تعجب ٹرویر کے بیان پر ہے

۱۔ مثلاً ٹرویر نے لکھا ہے یہ لفظ (دساتیر) اصل فارسی لفظ دستور کی عربی جمع سمجھا جاتا تھا لیکن فارسی قواعد کی رو سے اس کی جمع "دستوران" یا "دستورہا" ہوگی نہ کہ "دساتیر" لفظ کی اس عربی شکل سے اس کتاب کی صداقت و قدامت کے خلاف نتیجہ نکالا گیا ہے جو بذات خود کافی نہیں۔ ۲۔ دساتیر (انگریزی) مقدمہ ص ۶۔

اس لئے کہ اس نے دساتیر کا مطالعہ کیا تھا اور اس کو اس بات کا اقرار بھی تھا کہ اصل کتاب میں لفظ دساتیر موجود ہے۔ لیکن وہ وجہ نہ معلوم ہو سکی جس کی بنا پر وہ دساتیر کے بیان پر دبستان المذاہب کے اختلاف قرأت کو ترجیح دیتا ہے۔ دساتیر کے اصل متن، فارسی ترجمہ وشرح اور انگریزی ترجمہ سب میں لفظ "دساتیر" کئی بار آیا ہے مثلاً نامۂ شت مہ آباد چمراس ۱۵۴:

"ہنگام زادن فرزند نامۂ خدا کہ دساتیر نام اوست خوانید"۔

نامۂ شت جی افرام چمراس ۲۴ :

" واینک آسمانی سخن برایت فرستادم لخنت دساتیرش کن کہ نامۂ آباد روان شاد است "۔

نامۂ شت جی افرام چمراس ۔ تفسیر فارسی :

" ویزدانی نامہ دواست۔ نام نخستین دوگیتی است وآن راہمین نامہ وبزبان[1] فرازآباد فرزد ساتیرش نامند کہ ہمین نامۂ یزدان باشد ونامۂ دیگر دساتیر است کہ چم[2] آن رامہ آباد ودیگر پیغمبران ازمہ آباد نامن یافتہ اند . . . واین را بفرا تکین نواد[3] دریک دساتیر خوانند . . . واین "فرزفرجیشور" است بزبان دساتیر دبپارسی دری "ہمین پیغمبر باشد"

نامۂ شت وخشور زرتشت چمراس ۱۲ :

"جزد ساتیر کاری نکنی"۔

نامۂ زرتشت چمراس ۵۹ :

"ناآمیختۂ دساتیرش کنند"۔

نامۂ زرتشت چمراس ۵۹ تفسیر فارسی

"تاموبدان آن نامہ رالخنت دساتیر سازند . . . .

ان داخلی شواہد کے بعد ٹرویر اور جونس کے شبہات بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔

۱۔ بمعنی زبان آسمانی ۲۔ بمعنی معنیٰ۔ ۳۔ بمعنی زبان آسمانی۔

دبستان المذاہب کے مختلف نسخوں میں اس کے عنوان کی خواہ کچھ ہی شکل ہو اس کتاب کا صحیح عنوان "دساتیر" کے علاوہ کچھ اور نہ ہوگا۔

دساتیر کی صداقت مختلف فیہ دساتیر کے شایع ہوتے ہی علما دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک جماعت ان لوگوں کی تھی جو اس کی صداقت و قدامت پر ایمان لا چکے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو اس کو جعلی کتاب سمجھتے تھے۔ دونوں جماعتوں کی طرف سے مقالے لکھے گئے۔ سب سے پہلے مخالف گروہ کے چند علما کی راے نقل کی جاتی ہے :۔

(۱) مسٹر نورس (Norris) نے ایشیاٹک جرنل اینڈ منتھلی رجسٹر فار برٹش انڈیا اینڈ ڈپنڈنسیز (Dependencies) کے نومبر ۱۸۲۰ء کے شمارے میں اس طرح کے خیالات ظاہر کئے تھے :

"ملا فیروز کے صریحی بیان کے بعد کہ دساتیر زند، پہلوی اور دری زبانوں سے بالکل مختلف زبان میں ہے آپ کو یقیناً میرے اس خیال پر جو اتنا ہی یقینی و قطعی ہے، بہت حیرت ہوگی کہ بجز چند مستثنیات کے اس کے اسما، ضمائر اور افعال کی گردان، مشتقات و مرکبات کی تشکیل اور جملات کی ساخت و ترتیب بالکل وہی ہے جو فارسی دری میں ہے اور اگرچہ اس زبان کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو دنیا میں بولی جانے والی ہر زبان سے بہت کم مشابہ ہے پھر بھی اس کا زیادہ حصہ فارسی دری کا بدلا ہوا بھیس ہے (is nothing more "than Dari disguised") اس بیان کی صحت دساتیر کے ایک صفحہ کے پڑھنے سے بخوبی ہو سکے گی۔"

(۲) فرانسیسی مستشرق و زبان شناس Silvestre de Sacy نے جرنل

۱۔ بحوالہ ر دسن : دی پارسی ریلیجن ص ۴۱۱ حاشیہ نمبر ۱۔ نیز ملاحظہ ہو ترجمہ دبستان المذاہب جلد اول مقدمہ ص ۵۰۳ متن و حاشیہ و نیز ذیل ص ۳۴۱ و ص ۴۳۰

(de savans) کے جنوری ۱۸۲۰ء کے شمارے میں وساتیر پر بڑی پر مغز بحث کی ہے جس کا خلاصہ[۱] یہ ہے

(الف) ہم ان سوالات کی نزاکت و پیچیدگی سے بہت خائف ہیں جن کو ہمیں حل کرنا یا کم از کم جن پر بحث کرنا ہے۔ اس سلسلے کی ہر چیز ایک مسئلہ ہو کر رہ گئی ہے۔ کتاب (دساتیر) کا زمانہ کیا ہے؟ اس کا مصنف کون ہے؟ کیا کئی مصنفین کی تخلیق ہے یا اس کے مختلف حصے جو مختلف آدمیوں کے لئے ہیں (جن کے درمیان بہت بڑی مدت حائل ہے) ایک ہی مصنف کی تصنیف ہیں؟ جس زبان میں یہ کتاب لکھی گئی وہ کس دور میں ایران کی یا اس کے ممالک محروسہ کے کس حصے کی زبان تھی؟ کیا یہ مصنوعی زبان ہے جو ایک جعل سازی کی پشت پناہی کے لئے وضع کی گئی تھی؟ اس کے فارسی ترجمہ و تفسیر کا کیا عہد تھا؟ ترجمہ و تفسیر کے مصنف کون تھے؟ کیا یہ فرضی و مصنوعی تو نہیں؟ کیا ایسا تو نہیں کہ یہ تمام تر آخری عہد کے کسی جعل ساز کی تخلیق ہو؟ یہ سب سوال میرے ذہن میں پے در پے پیدا ہوتے ہیں اور اگر ان میں سے کسی ایک کا جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے تو دوسرے سوال کی پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے۔

(ب) اس بات کو نظر انداز کرنا مشکل ہے کہ "آسمانی زبان" اور فارسی کے متنوع تعلقات باقاعدہ عمل (Systematic operation) کا نتیجہ ہیں بر بنائے اتفاق یا تقاضائے وقت نہیں، کیونکہ آخر الذکر کیفیت کے نتیجے میں زبان میں جو تغیرات ہوتے ہیں ان میں اتنی باقاعدگی نہیں ہو سکتی[۲]۔

(ج) مہابادی زبان کی قواعد جہاں تک اس کے صرفی حصے کا تعلق ہے وہ تو پوری پوری فارسی قواعد کے تابع ہے، اور اس کے تبدیل شدہ لفظوں میں اگرچہ بعض ایسے ہیں جن کی اصل یا جنکا مادہ بتایا نہیں جا سکتا لیکن ان میں بیشتر ایسے ہیں جن کی فارسی اصل بغیر کسی دشواری[۳] کے بتائی جا سکتی ہے۔

۱۔ ص ۱۶۔ ۲۔ (Journal de savants) فروری ۱۸۲۱ء ص ۶۹ - ۷۰، بحوالۂ ترجمہ دبستان ج ۱، ص ۲۶ (مقدمہ) ۳۔ ایضاً۔

(د) فارسی الفاظ اور مہابادی لغات و محاورات میں کامل اور مسلسل یکسانی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جعلی و مصنوعی الفاظ کے گڑھنے میں "باقاعدہ عمل" ہوا ہے۔ جہاں ترجمہ میں تشریح و توضیح مدنظر نہیں رہی وہاں اصل دساتیر میں اور فارسی ترجمے کے ہر فقرے میں الفاظ کی تعداد اور ان کی ترتیب یکساں ہے۔ یہ صرف اس بات کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ دونوں کی قواعد بالکل یکساں ہوں اور ان کے لغات و فرہنگ میں اسم فعل اور حرف کی تعداد بھی تقریباً ایک ہی ہو ... .

(۳) مشہور مورخ و زبان شناس ولیم ارسکین نے دبستان المذاہب اور دساتیر کا عمیق مطالعہ کیا تھا چنانچہ اپنے مطالعے کے نتائج بمبئی کی لٹریری سوسائٹی کی روئداد جلد دوم کے مقالے بعنوان "دساتیر کی صحت و صداقت" میں پیش کئے۔ Silveatre کی طرح اس کا بھی یہی خیال ہے کہ دساتیر جعلی کتاب ہے جو زمانہ مابعد کے کسی جعل ساز کی تیار کی ہوئی ہے، مثلاً وہ لکھتا ہے:

(الف) بلحاظ[۲] قواعد زبان مہابادی (دساتیر)، فارسی کے بہت قریب آجاتی ہے، کیا بہ اعتبار ساخت اسم و فعل (یعنی صرف) اور کیا بہ لحاظ نحو۔

(ب) یہ بڑی عجیب[۳] بات ہے کہ جس زبان میں دساتیر لکھی گئی اس کا وجود کہیں اور ثابت نہیں۔ نہ وہ زند سے ماخوذ ہے، نہ پہلوی سے، نہ سنسکرت سے، نہ عربی سے، نہ ترکی سے اور نہ فارسی یا کسی اور زبان سے۔ . معلوم نہیں دساتیر کی بنیاد کس زبان پر اور اس کے اکثر الفاظ کس زبان کے ہیں۔ اس میں فارسی اور ہندی لفظوں کی آمیزش ہے اور کہیں کہیں عربی کے لفظ بھی مل جاتے ہیں۔

(ج) یہ چیز[۳] قابل غور ہے کہ ہندوستانی الاصل لفظوں میں نہ صرف سنسکرت ہی کے ہیں جو کسی کتاب کی قدامت کی دلیل ہو سکتے ہیں، بلکہ بیشتر ایسے ہیں جو ہندوستان کی بول چال کی زبان سے ماخوذ ہیں۔ اس سے دساتیر کے تاخر زمانی کا قیاس ہوتا ہے۔ در اصل اس میں سنسکرت اور ٹھیٹ ہندوستانی کے بیشتر لفظ استعمال ہوئے ہیں (۴۳ لفظ بطور مثال کے پیش کئے گئے

---

۱ جرنل ص ۹۷ ۲ - ص ۳۶۰ ۳ - ایضاً بحوالہ ترجمہ دبستان مقدمہ ص ۳۰

۴ - لٹریری سوسائٹی ص ۳۶۰ بحوالہ ترجمہ دبستان مقدمہ ص ۴۲

ہیں، لیکن سب سے زیادہ امتیازی قسم ان لفظوں کی ہے جو خالص ہندی کے ہیں مثلاً "شت" بمعنی "حضرت" جو پیغمبروں وغیرہ کے نام کے ساتھ ملحق ہوتا ہے (اس طرح کے ۴۴ لفظ مثال میں درج کئے گئے ہیں)، فارسی الاصل لفظوں کے متعلق کچھ بھی کہا جائے، یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ ہندوستانی الاصل لفظ بہت زیادہ قدیم ہوں گے۔ ایسے لفظ مسلمانوں کے ہندوستان میں آباد ہونے کے بہت بعد وجود میں آئے ہوں گے۔

(د) یہ محض ایک جعلی کتاب ہے جو ایک جعل ساز آدمی کے مذہبی جعل پر دلالت کرتی ہے۔ یہ زبان زمین پر بسنے والی کسی قوم یا قبیلہ کی زبان نہ تھی۔

(۴) ڈاکٹر جان ولسن نے اپنی کتاب "دی پارسی ریلجن" (۱۸۴۳ء) ص ۱۱۴ میں مسٹر ورس اور ارسکین کی رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے :

"ان دونوں محققین کی تحقیق و تنقید نے دساتیر کے مشکوک ہونے کے ثبوت فراہم کرنے کے سلسلے میں کچھ اٹھا نہیں رکھا۔ انھوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی زبان بالکل جعلی وخود ساختہ ہے۔ اس کے اصول بھی زرتشتیوں کے نہیں ہیں۔ ان کو مکتب سپاسی کی طرف منسوب کرنا چاہیے۔ جو شخص دساتیر میں صحیفۂ زرتشت الٹ کر دیکھے گا اسے فوراً معلوم ہوگا کہ اس کے مطالب زند (اوستا) کی تحریرات سے بالکل مخالف و متضاد ہیں . . . اس کے عمومی تاریخی بیان سراسر بے کار ہیں، اس کی رو سے یونانی، دور گشتاسب میں زرتشتی ہو گئے۔ ہندو ویدا اور شاستروں کا مرتب "دیاس" اور چنگرنگ چیہ[۳] ایران آئے اور زرتشت کے معتقد و پیرو ہو گئے۔ اسی کتاب کی رو سے، سکندر نے زرتشتی مذہب قبول کیا تھا اور یہ یونانی شہزادہ، شہنشاہ دارا کا بیٹا تھا۔[۴]

(۵) ولیم فان شلیگل (Schlegel) نے ۱۸۳۲ء میں فرانسیسی اور انگریزی مستشرقین کی رائے کی تائید ان الفاظ میں کی :

۱۔ لٹریری سوسائٹی ص ۳۶۰

۲۔ دساتیر: بیرس برہمن آیت ۶۵ ۳۔ دساتیر: سنکراکاس آیت ۴۴، متن و ترجمۂ فارسی۔ ۴۔ ترجمۂ دبستان مقدمہ ص ۴۵

"دساتیر ایک شستہ جعل ہے اور وہ ایسی زبان میں لکھی گئی جس کے قدیم ہونے کا اگرچہ دعویٰ کیا جاتا ہے لیکن دراصل وہ ایک مصنوعی و خود ساختہ زبان ہے۔"

قدیم یورپی زبان شناسوں کے خیالات پیش کرنے کے بعد جدید ایرانی ماہرین زبان کے بیانات کی وضاحت بھی ضروری ہے:

(۱) ملک الشعراء بہار جو لسانیات کے بڑے ماہر اور قدیم ایران کی زبان اور خط میں بڑی بصیرت رکھتے۔ دساتیر کے سلسلے کی تمام کتابوں کے بارے میں اس طرح کے خیالات رکھتے تھے[۱]۔

(الف) یورپ کے مستشرقین نے اس طرح کا (ہزوارش[۲] کے غلط پڑھنے کے سلسلے کا) ادبی انتشار دیکھا تو قیاس کیا کہ بے اصل کلمے جن کی نہ علمی بنیاد ہے اور نہ جو دنیا کی کسی زبان میں پائے جاتے ہیں، سب کے سب جعلی ہیں اور ملا فیروز مرتب دساتیر جیسے لوگوں کے خود ساختہ

(ب) "شیوع ادبیات باستانی بطریق ساختگی" کے تحت ہے[۳]:

(ہندوستان میں) پرانے مذہبی و فلسفیانہ عقاید کی طرف عام میلان کا یہ اثر ہوا کہ بعض لوگوں کے دل میں موقع سے استفادہ کرنے یا ہندوستان کے ان لوگوں کی توجہ جلب کرنے کا خیال پیدا ہوا جو فارسی دانی یا قدیم ایرانی کی تاریخ و زبان کی استادی کے طلب گار تھے۔ وہ لوگ خالص فارسی (فارسی سرہ) میں کتابیں لکھنے اور مہ آباد وجی افرام وغیرہ کے بے بنیاد خیالات کے سلسلے میں بے اصل مطالب کے نشر کرنے میں مشغول ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی کے اندر لغت و تاریخ کی چند کتابیں مثل برہان قاطع[۴] و دساتیر و شارستان دچہار چمن و آیین ہوشنگ وغیرہ جو تمام تر وہمی خیالات و بے بنیاد الفاظ و اصطلاحات پر مشتمل تھیں؛

۱۔ سبک شناسی ا ص ۸۰ حاشیہ ۱ ۲۔ ۱۹ ویں صدی تک ہزوارش کے تصور سے کوئی آشنا نہ تھا جب ابن المقفع کی فہرست میں ہزوارش کا لفظ دیکھا گیا تو اس کے بعد تحقیق شروع ہو گئی اور اب کوئی دشواری نہیں (سبک شناسی ا ص ۸۰)

۳۔ سبک شناسی ۱: ۲، ۱- ۴۔ فرہنگ جہانگیری بھی ہے جس کو میں نے حذف کر دیا ہے کیونکہ پورداؤد کے نزدیک یہ لغت دساتیری اثرات سے پاک ہے۔ اگر اس میں یہ اثر ثابت ہو جائے تو دساتیر کی تاریخ تقریباً ۴۰ سال قدیم ہو جائے

مرتب ہوگئیں . . . اور ایران میں بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز قرار پائیں۔ انھیں ایام میں قاچاریہ دور آگیا اور ادب فارسی میں تازگی و وسعت پیدا ہوئی خصوصاً اس عہد کے ادیب و شاعر "قدیم طرز" پسند کرنے لگے۔ پرانے الفاظ کے سمجھنے کی فکر ہوئی تو دساتیر و برہان قاطع (جو "دہل بانی" میں ایک دوسرے کے متقابل تھیں) ادیبوں کے مطالعے میں آئیں اور اس طرح ان کے جعلی الفاظ و بے اصل روایات اشعار میں داخل ہونے لگے۔

(ج)۔ "شروع تجدد نثری در ہندوستان" کے ذیل میں لکھا ہے[۲]:

ہندوستان میں عہد اکبری میں جب آزادی فکر کا دور دورہ ہوا تو بعض جعل سازوں نے جن کو حکمت مشائی (ارسطوئی)، واشراق (افلاطونی) اور لغت کے بارے میں کچھ دستگاہ تھی، بے اصل کتابیں دساتیر کے مانند لکھیں۔ دساتیر ایک مجہول شخص کی جعلی کتاب ہے جو اپنے کو زرتشتی کہتا تھا مگر اس کو نہ دین زرتشتی کے اصول سے واقفیت تھی اور نہ پہلوی و اوستائی زبانوں سے سروکار تھا۔ اس نے بذات خود جعلی الفاظ بنائے اور بے بنیاد تاریخیں اور بے اصل باتیں فلسفیانہ رنگ میں ایسی جماعت کی طرف منسوب کیں جو ان کے خیال میں قدیم ایران میں حکومت و نبوت کے منصب پر فائز تھی۔ ملا فیروز پسر کاؤس زرتشتی نے دھوکے میں آکر دساتیر اور چہار چمن کو شائع کر دیا۔ یہ اور اس سلسلے کی دوسری کتابیں مثل شارستان و آئین ہوشنگ و دبستان المذاہب وغیرہ گیارھویں صدی اور اس کے بعد مرتب ہوتی رہیں اور بعض فرہنگ نویس مثل محمد حسین مولف برہان قاطع بھی فریب میں آکر ان کتابوں کے بے بنیاد اور خود ساختہ لفظوں کو صحیح سمجھ کر اپنی کتابوں میں شامل کرنے لگے۔

۱۔ مگر ۲۹۱ ص پر یہی مصنف برہان کو "کتب نفیس" کی فہرست میں شامل کر رہا ہے۔

۲۔ سبک شناسی ج ۳ ص ۲۹۲۔

(۲) استاد پورداؤد ایران کی قدیم زبانوں کے بڑے ماہر ہیں، انھوں نے دساتیر کے سلسلے میں بڑی تحقیقات کی ہے، ان کے مطالعات کے نتائج مختلف[1] مقالوں کی شکل میں آگئے ہیں۔ اس سلسلے کے چند اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(الف) دساتیر مختلف عقائد کا[2] ایسا معجون ہے جس میں مخالف و متضاد اجزا کی آمیزش بڑے احمقانہ انداز میں ملتی ہے۔" درہم برہم افکار" کی یہ کتاب ایسے عہد کی ہے جو ہماری تاریخ میں شاہ عباس کے زمانہ کے مقابل تھا۔ میرے اس خیال کی بنیاد کہ دساتیر کو ساڑھے تین سو سال سے زیادہ نہیں گزرے اس بات پر ہے کہ خود دساتیر کی تفسیر (جو متن کے ساتھ ملحق ہے) اسی زمانے کی تالیف ہے۔ اگرچہ خود دساتیر میں اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ تفسیر ساسان پنجم کے قلم سے خسرو پرویز کے عہد حکومت (۵۹۰ - ۶۲۸ء) میں مرتب ہوئی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ مصنوعی اور خود ساختہ فارسی عہد صفوی کی معلوم ہوتی ہے، یہ اس درجہ "سست" اور "نادرست" ہے کہ قیاس ہوتا ہے کہ ایران سے باہر لکھی گئی ہوگی۔ پرانے واقعات کی پیشین گوئیوں سے اس کا جعل ثابت ہوتا ہے۔ ساسان پنجم کی کتاب میں خدا[3] فرماتا ہے:

ویدی بدکاری ایرانیان را کہ پرویز را کشتند۔ آن کس را کہ من برکشیدم اینہا بانداختند، اینک از تازیان پاداش یابند۔ برداراند از سبز پوشان[4] کشتۂ خود را چون ہزار سال تازی آئین را گذرد چنان شود آن آئین از جدائیہا کہ اگر بہ آئین گر نمایند نداندش۔

اس پیشین گوئی نے بخوبی ظاہر ہے کہ مولف دساتیر عربوں کے حملے کے ہزار سال بعد ہوا ہے، بالفاظ دیگر وہ صفویوں کا معاصر تھا۔ اس طرح کی پیشین گوئیاں ساسان اول کی کتاب میں بہت ہیں، علاوہ حضرت عیسیٰ کے، مانی مزدک اور حضرت محمد صلعم کی آمد کی خبر دی گئی ہے[5]۔ اس بنا پر دساتیر کے تاخر زمانی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

---

۱ — مثلاً ملاحظہ ہو مجلۂ ایران امروز سال دوم شمارہ ۱۱، فرہنگ ایران باستان ص ۱۷-۵۱، مقدمہ برہان قاطع ج ۱ ص ۵۲ ببعد ۲ — بحوالۂ مجلہ دانشکدہ ادبیات (تہران) شمارہ ۳ سال ۴، ۱۳۳۶ ص ۳۶ — ۳۸

۳۔ آیات نمبر ۱۸، ۱۹، ۲۳، ۲۴، ۳۰ ۴ — دساتیر میں سیاہ پوشاں بھی ہے جس سے مراد خلفائے عباسیہ ہیں۔

۵ — ملاحظہ ہو آیت نمبر ۴۵ تا ۴۷۔ جب ایرانی بدکار ہوں گے تو عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوگا وہ بت پرستی اور آتش پرستی کا خاتمہ کر دیگا۔ اس کے پیرو ایرانی ملک کو غارت کر دیں گے۔ وہ ایک خاص مقام کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں گے پھر مدائن، طوس اور بلخ کے آتشکدے برباد ہوں گے وہ صاحب شریعت بڑا سخنور ہوگا۔ لیکن تاتاریوں کی ہاتھوں اس دین کا زوال ہوگا۔

دساتیر کا نام اس کی زبان و مطالب کی طرح غلط و مصنوعی ہے۔ دساتیر فارسی کلمے 'دستور' کی عربی جمع ہے۔ دساتیر آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے جن کو خدا نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمایا تھا۔ پہلے پیغمبر کا خاندان 'آبادی' کہلاتا ہے اس کی حکمرانی کی مدت ایک سو زاد سال تھی۔ دساتیر[1] میں زاد ایک ہزار[2] داد سال، ایک داد تین ہزار جاد سال، ایک جاد ایک ہزار مرد[3] سال، ایک مرد سال ایک ہزار ورد سال ایک ورد سال ایک ہزار فرد سال اور ایک فرد سال دس لاکھ سال کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح ایک زاد سال تیس[4] ہزار سنکھ سال کے برابر ہوا۔ اب آپ خود حساب کرلیں اور دیکھیں کہ آبادیوں کی حکومت کا زمانہ یعنی سو زاد سال کتنے کے برابر ہوتا ہے۔

ایران کی تاریخ یا داستان یا کسی اور مذہبی تحریر میں مہا باد، جی افرام، شائے کلیو اور یاسان نام کے اشخاص کا ذکر نہیں آتا۔ یہ پیغمبر اور بادشاہ، مولف دساتیر کے خود ساختہ ہیں۔

کتاب جی افرام کے جملہ ۶۸ اور ۱۸ میں خدا فرماتا ہے:

جماشان جماش۔ چماشان۔ چماش۔ خماشان۔ خماش۔ داسالاس
پاساپاس۔ راساراس۔ تاساتاس . . . ہامستی رامستی شامستی زامستی۔
شاشتنی شاشتنی۔ دانستنی۔ دانستنی۔ دانستی دانستی۔

قارئین کرام کا یہ جاننے کو جی چاہتا ہوگا کہ شاشتنی جس کی اتنی تکرار ہوئی ہے کس معنی میں آیا ہے . . . ساسان پنجم نے اس کو شاشتن مصدر بمعنی 'دانستن' سے مشتق بتایا ہے۔ چنانچہ جملہ ۶۸ اور ۱۸ کی تفسیر میں لکھتا ہے: دانستنی دانستنی دانستنی یعنی دنیا میں جاننے والی چیزیں بہت ہیں، یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ دساتیر کی زبان میں سنکھوں سال میں

۱۔ نامۂ جی افرام آیت ۲، متن و شرح ۲۔ انگریزی ترجمہ (ص ۷، ۲) میں ایک زاد سال دو ہزار داد سال کے برابر بتایا گیا۔ پور داؤد کی یہ عبارت ڈاکٹر معین نے مجلۂ دانشکدہ شمارہ ۳۵ سال ۱۳۳۶ ص ۳۷ پر نقل کی ہے لیکن ڈاکٹر موصوف نے مزدیسنا: ص ۵۰ حاشیہ ۴ میں پور داؤد کی طرف منسوب کرتے ہوئے زاد سال کو دو ہزار داد سال کے برابر لکھا ہے لیکن سفرنگ دساتیر ص ۴۴ پر ایک ہزار داد سال ہے۔

۳۔ پور داود کے یہاں مرد ورد، فرد میں 'ر' متحرک لیکن انگریزی ترجمے اور سفرنگ دونوں میں ساکن ہے۔

۴۔ پور داؤد نے تین ہزار کے بجائے دو ہزار تریلیون لکھا ہے۔

کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی (کیونکہ پہلے پیغمبر مہا باد اور آخری پیغمبر ساسان پنجم کے درمیان ہزاروں سال کی مدت کے باوجود دونوں کی زبان ایک ہی ہے)۔ حالانکہ فارسی پہلوی سے اور پہلوی فارسی باستان (زبان عہد ہخامنشی) سے بہت زیادہ متفاوت ہے اور یہ تغیرات ایک ہزار سال کی مدت میں واقع ہوئے (کیونکہ اردشیر سوم ہخامنشی (متوفی ۳۳۸ ق۔م) جس کے کتبے موجود ہیں اس کے اور حنظلہ بادغیسی کے درمیان جس کے چند شعر محفوظ ہیں ایک ہزار ایک سو سال کا فصل ہے)

(ب) متن دساتیر کی زبان نہ ایران کی قدیم زبانوں یعنی فارسی باستان، اوستا، پہلوی، پازند کے مشابہ ہے اور نہ پرانی ایرانیوں بولیوں مثل تخاری، سگزی، سغدی وغیرہ کے۔ نہ سنسکرت سے ملتی جلتی ہے اور نہ ہندوستان کی کسی اور زبان سے۔ نہ یونانی و لاطینی زبانوں کی شاخ ہے اور نہ سامی زبانوں یعنی بابلی، عربی، سریانی کی۔ سومری و عیلامی و قبطی زبانیں جو حضرت عیسیٰ سے تین چار ہزار سال قبل عراق و خوزستان و مصر میں مروج تھیں ان سے اس دساتیری زبان کا کوئی تعلق نہیں۔ مختصر یہ کہ کسی قدیم یا جدید زبان سے خواہ وہ ہندیورپی شاخ کی ہوں خواہ سامی و مغولی شاخ کی اس کا کسی قسم کا رشتہ نہیں۔ اس کے بنانے والے نے اس کو آسمانی زبان کہا ہے۔ چونکہ روے زمین پر کہیں اور کسی زمانے اور کسی قوم میں یہ زبان رائج نہ تھی اس لئے اس کو آسمانی زبان کہنا بالکل بجا ہے۔ ہم سپہر بریں کے راز سے واقف نہیں ہیں۔ ہم کو کیوان و ناہید کی زبان کا علم نہیں ہے، بہتر ہے کہ دساتیر کی زبان آسمان والوں ہی کی زبان قرار دیں، ورنہ پھر یہ فرض کر لیں کہ کسی جعل ساز آدمی نے کرۂ ارض کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر یہ خود ساختہ زبان تیار کر لی۔

خواہ اس کو آسمانی کہو یا زمینی، خدا نے اپنے ۱۶ برگزیدہ پیغمبروں سے اسی زبان میں گفتگو کی اور ہم بندوں کے لئے پیغام بھیجا تاکہ آئین مہ آباد پر کاربند ہو کر دونوں جہان کی سرخروئی حاصل کر لیں۔ خدا نے اپنے آخری پیغمبر کے پاس وحی بھیجی۔

'نامۂ پیغمبراں را بزبان روزگار خودت گردان'

ساسان نے حکم کی تعمیل کی اور پیغمبروں کی کتابوں کا (منجملہ اپنی کتاب کے) تفسیر لکھ ڈالی۔

۱۔ منقول از مقدمۂ برہان قاطع جلد اول ص ۵۳ بعد

اگر دساتیر صحیح ہے تو برہان قاطع (۱۰۶۲ھ) سے پہلے کی کسی فرہنگ میں کوئی دساتیری لفظ کیوں نہیں آیا۔ کیوں کسی قدیم شاعر کے یہاں دساتیری کلمے استعمال نہیں ہوئے۔ کیوں فارسی کی ہزارہا نظم و نثر کی کتابوں میں مہاباد، جی افرام، شائے کلیو اور یاسان کا ذکر نہیں۔ کیوں دساتیر کے شایع ہونے سے پہلے اس کتاب کا نام عام نہیں ......

(۳) ڈاکٹر محمد معین (استاد دانشگاہ تہران) نے دساتیری ادب کا بڑا عمیق مطالعہ کیا ہے چنانچہ ان سب کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ برہان قاطع کی ترتیب میں اس سلسلے کی سارے لفظوں کی وضاحت انھوں نے حواشی میں کردی ہے۔ وہ فرقۂ آذرکیوان[1] پر ایک مفصل کتاب شائع کرنے والے تھے، ان کے نزدیک دساتیر جعلی کتاب ہے جو صفویہ دور میں مرتب ہوئی۔ اس کی ترتیب میں فرقۂ آذرکیوان کا ہاتھ تھا۔ ان کے بعض اقوال ملاحظہ ہوں۔

(الف) خدائی نامک کے زرتشتی مولفوں نے "مزدیسنا"[2] کے زیر اثر اور ایرانی تعصب ملی و افتخار قومی کے پیش نظر ایک طرف تو تمام قدیم بادشاہوں کو خدا پرست قرار دیا ہے اور دوسری طرف زرتشت کے قبل بھی ایرانی پیغمبروں کا وجود تسلیم کرتے ہوئے بادشاہی و پیغمبری کو ایک ساتھ شامل کردیا ہے (چنانچہ شاہ نامہ میں آیا ہے:

چنیں دان کہ شاہی و پیغمبری دو گوہر بود در یک انگشتری)

...... اس قسم کے تصورات کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب دساتیر کے مولف نے ۱۵ پیغمبروں کا تعارف کردیا اور ہر ایک کے ساتھ ایک صحیفۂ آسمانی منسوب کرتے ہوئے اس کے متن کے ساتھ فارسی ترجمہ بھی درج کیا تعجب اس بات پر ہے کہ مولف دساتیر نے "پند نامۂ از اسکندر" کو آسمانی صحایف کے ضمن میں نقل کیا ہے حالانکہ سکندر زرتشتیوں میں گجستک یعنی[3] ملعون کے لقب

۱- آذرکیوان شیراز کا باشندہ تھا۔ اس نے آبادی مذہب کی ترویج میں بہت بڑا حصہ لیا بلکہ اس کی وجہ سے اس مذہب کی روح میں بالیدگی و تازگی پیدا ہوئی۔ دبستان میں ہے کہ اکبر بادشاہ نے اس سے متاثر ہوکر اپنے یہاں بلایا مگر وہ اس وقت تو نہ آسکا البتہ غالباً عہد جہانگیری کی ابتدا میں ہندوستان آکر پٹنہ کو مستقر بنایا۔ اس کے پیرو سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو مجلۂ دانشکدۂ ادبیات شمارہ ۳، ۱۳۳۶ ص ۲۵ بعد و دبستان المذاہب نظر دوم۔ ۲- مزدیسنا: ص ۴۸ — ۵۱ ملخصاً، ۳- ملاحظہ ہو یشتہا۔ مقدمہ ص 'یب'

سے مشہور ہے کیونکہ اس نے مقدس اوستا کو نذر آتش کیا تھا۔

(ب) دساتیر کی تحریر (تالیف) کا زمانہ' دسویں صدی ہجری ہے۔

(ج) دساتیر فردوسی کے چار' پانچ سو سال بعد مدون ہوئی۔

(د) اس میں شک نہیں کہ دساتیر کی زبان جعلی اور خود ساختہ ہے۔

دساتیر کے معترضین نے اس کے جعلی ہونے کے سلسلے میں جن امور کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے ان کو مختصراً اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

(۱) دساتیر کے تاریخی مطالب گڑھے ہوئے ہیں' مہ آباد' جی افرام' شائے کلیو اور یاسان کا ذکر کہیں نہیں پایا جاتا۔ کسی مذہبی کتاب کے مطالب اس درجہ گمنام نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس کے مطالب افسانوی رنگ کے ہیں۔ مثلاً ستاروں کی حکومت کی تفصیل نامۂ مہ آباد کی آیات ۱۰۳ تا ۱۱۷ میں اس طرح ملتی ہے:

عالم ناسوت کے دور اول میں ایک ستارہ (ثابت) ہی حکمران ہوتا ہے۔ وہ ہزار سال تک بغیر کسی وزیر کے حکومت کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا ستارہ ایک ہزار سال کے لئے اس کا وزیر مقرر ہوتا ہے۔ اس طرح سارے ستارے یکے بعد دیگرے ایک ایک ہزار سال کے لئے حکمراں ستارہ کے شریک کار ہوتے ہیں۔ ستاروں کے بعد سیاروں کی باری آتی ہے اور ان میں سے ہر ایک' ہزار سال کے لئے وزیر منتخب ہوتا ہے' پہلا وزیر زحل اور آخری چاند ہے' اس کے بعد پہلے بادشاہ کی حکومت ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا ستارہ اس عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ پہلے بادشاہ کی طرح باری باری سے سارے ستارے اور سیارے ایک ایک ہزار سال کے لئے اس کے شریک کار ہوتے ہیں۔ چاند آخری وزیر ہوتا ہے مگر اس کے بعد پہلے بادشاہ کو بھی یہی خدمت تفویض کی جاتی ہے۔ اس کے بعد تیسرا ستارہ بادشاہ ہو کر پورے دور کا مالک ہوتا ہے اور سارے ستارے اور سیارے اس کے وزیر۔ اس طرح جب سارے ستاروں کی

۱- مزدیسنا ص ۵۱ ج نمبر ۲   ۲- مزدیسنا: ص ۹۲-   ۳- مجلہ دانشکدہ ۳' ۱۳۲۶ ص ۳۲   مزدیسنا ص ۱۰۶-   ۴- مزید ملاحظہ ہو دبستان ص ۵

حکومت اور وزارت ختم ہو جاتی ہے تو ایک کامل دور کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اس دور کامل کی مدت کا تعین موجودہ اعداد و شمار کی رو سے ناممکن ہے یا مثلاً مہ آباد خاندان کی حکومت کا زمانہ دساتیری روایت کی بنا پر کروڑوں سنکھ سال ہوتا ہے۔ یا مثلاً جی افرام خاندان کا دور سلطنت دساتیر میں ایک "اسپار" سال بتایا گیا ہے۔ اسپار کی تشریح فارسی تفسیر[2] میں یوں ملتی ہے:

"فرسنداج کیشان[3] صد ہزار را سلام گویند و صد سلام را شمار نامند و صد شمار را اسپار خوانند"

گویا ایک اسپار ایک ارب سال کے برابر ہوا۔

(۳) زرتشت کی مقدس کتاب اوستا تھی، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ دساتیر کی تیرھویں کتاب، زرتشت کا صحیفہ بتایا گیا ہے مگر اس سے اوستا کا دور کا تعلق نہیں، دونوں کے مطالب جدا جدا ہیں[4]۔ کہاں اوستا کی اتنی بڑی ضخامت اور کہاں نامۂ زرتشت کی ۱۶۴ آیات؟

(۴) تمام زرتشتی روایات میں سکندر ملعون قرار دیا گیا ہے مگر دساتیر میں اس کو برگزیدہ ہستی بتایا گیا ہے۔ زرتشت کے صحیفہ میں اس کی بعثت کی خبر ہے اور پھر اس کے نام ایک پند نامہ ہے جس میں اس کو نیک کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کو اصلاً ایرانی بتایا ہے، لیکن ایرانیوں کی بے عملی کے نتیجے میں اسے یونان منتقل کر دیا گیا تھا۔ خدا[5] فرماتا ہے:

"من از چند کار ایرانیان کہ بد شد ترا برومم بردم۔ بیگانہ بر ایران مگمار کہ خانۂ شماست"

جزادل کی تشریح اس طرح ملتی ہے[6]:

۱۔ ملاحظہ ہو نامہ جی افرام آیت ۲۰ متن و شرح ۲۔ ملاحظہ ہو نامۂ شت شای کلیو آیت ۴ متن و شرح ۳۔ مہ آباد کے ماننے والوں کو فرسنداج کیش بھی کہتے ہیں۔ ۴۔ اصل پہلوی صفت در وندو گجستک ہے۔ ملاحظہ ہو شتہا پور داؤد مقدمہ ص دیب؛ ۵۔ اندرز نامۂ اسکندر آیت نمبر ۴، ۵ ۶۔ تفسیر فارسی آیت نمبر ۴

"ترا نثرا داز خسروا یران است، چون ایرانیان بدکار شدند پاداشں ایشان
را ترا از ان گروہ جدا کردم"

(۵) دساتیر کے مطالب میں عیسائی، بودھ، ہندو مذہب اور اسلام وغیرہ کے اجزا کا احاطہ تھوڑی سی توجہ سے کیا جا سکتا ہے اور اس بات سے اس کے تاخر زمانی کا پتہ چلتا ہے۔

(۶) دساتیر کے مطالب درکنار، خود اس کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔ گیارھویں صدی ہجری کی کتابوں میں دفعتہً اس کا ذکر ملنے لگتا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں دساتیر مکمل ہوئی اور جن لوگوں نے اس کا ذکر سب سے پہلے کیا ان کا دساتیر کی ترتیب میں ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔

(۷) دساتیری روایت کی بنا پر پہلے پیغمبر یعنی مہا باد اور آخری پیغمبر ساسان پنجم کے درمیان سنکھوں سال کی مدت ہے، مگر پہلے اور آخری پیغمبر کے صحایف کی زبان ایک ہی ہے، یہ یکسانی زبان شناسی کے سارے اصول کے منافی ہے۔

(۸) ساسان پنجم نے دساتیر کا ترجمہ الہام خداوندی کی رو سے اپنے زمانے کی زبان میں کیا مگر وہ اس وقت کی زبان تھی ہی نہیں۔ فارسی جدید جس میں دساتیر کا ترجمہ ہوا ہے مسلمانوں کے فتح ایران کے بعد وجود میں آئی۔ ساسان پنجم مترجم فارسی دساتیر خسرو پرویز کا معاصر ہے۔ آخرالذکر کے زمانے کی ایک اہم تصنیف دستیاب ہوگئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساسان پنجم کا ترجمہ اپنے دور کی زبان میں نہیں بلکہ کئی سو سال بعد پیدا ہونے والی زبان میں ہوا۔

(۹) ماہرین زبان[۱] نے ساسان کے ترجمہ کی زبان کو سست اور نادرست بتایا ہے ظاہر ہے جو چیز خدا کے کسی پیغمبر کی طرف منسوب ہوگی وہ اس طرح کے نقص سے پاک ہوگی۔ اس زبان کے خصوصیات کو پیش نظر رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دسویں صدی ہجری سے قبل کی زبان

۱۔ ملاحظہ ہو، مقدمہ برہان قاطع جلد اول ص ۵۳ ببعد ۲۔ مراد بہار پور داؤد اور ڈاکٹر معین وغیرہ۔

نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) ساسان پنجم باوجود وحی سے مشرف ہونے اور ماہ آبادی زبان پر قدرت رکھنے کے بعض جگہ غلط مطلب بتاتا ہے۔ اس غلط ترجمہ کا ثبوت ایسے لوگ فراہم کر چکے ہیں جو دساتیر کی تصدیق کرتے ہیں۔ ساسان کی غلطی بتا کر وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ساسان پنجم مترجم دساتیر مولف دساتیر نہیں ہو سکتا جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ ساسان کی طرف مطالب دساتیر کے سمجھنے کے سلسلے کی کوئی غلطی منسوب کرنا دساتیر کی پیشین گوئی کو مشتبہ کر دیتا ہے۔

(۱۱) دنیا میں آج تک کوئی ایسی زبان نہیں ملی جس کا رشتہ دوسری اور زبان سے نہ ملتا ہو۔ آسمانی کتابیں بھی اس قاعدۂ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ دساتیری زبان دنیا کی کسی زبان سے نہیں ملتی۔ اس سے اس کے جعلی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

(۱۲) دساتیر میں جو الفاظ لائے گئے ہیں ان میں اچھے خاصے ایسے ہیں جن کا باقاعدہ تعین کر لیا گیا ہے۔ اس تعین سے ایک طرف تو ان کے مصنوعی ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کے قدیم ہونے کی مخالفت ہوتی ہے۔

اس طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں جن کا کوئی معقول حل ممکن نہیں۔ بعض قدیم لوگوں نے شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن اگر ایک بات کا جواب دیا تو دوسرا سوال اور بھی پیچیدہ ہو گیا۔ مثلاً دبستان المذاہب کے انگریزی مترجم، اینتھونی ٹرویر نے دساتیر کی صداقت ثابت کرنے کے سلسلے میں ایک لمبی بحث کی ہے جو ترجمۂ دبستان کی جلد اول کے مقدمے میں ۷۰ صفحے پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہی مقدمہ دساتیر کے انگریزی ترجمے کی اشاعت ثانی میں بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس طویل مقدمے میں ٹرویر نے فرانسیسی ناقد Silvestre de Sacy اور انگریزی مستشرق ولیم ارسکین کے بیانات کو جانچنے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دساتیر کی زبان جعلی نہیں مگر اس کے بیانات تحقیق کے معیار پر پورے نہیں اتر سکے کیونکہ اس کے یہاں

۱۔ مثلاً فان حمیر، مقدمہ دبستان المذاہب انگریزی جلد اول ص ۸۴، نامۂ ساسان پنجم کی آیت نمبر ۳۰ کا ترجمۂ فارسی موجود نہیں ہے چنانچہ انگریزی میں یہ حصہ ترجمہ نہ ہو سکا۔ سفرنگ دساتیر میں اس آیت کو بالکل حذف کر دیا گیا ہے۔

حقایق کی تلاش کم اور اپنے نقطۂ نظر کے منوانے کی فکر زیادہ ہے۔ وہ وکیل کی طرح اپنا مقدمہ جیتنے کی کوشش میں قانونی موشگافیوں میں مصروف ہے۔ اس کے باوجود یہ بات اس نے تسلیم کرلی کہ دساتیر آسمانی کتاب نہیں ہے۔ ٹرویر نے ایک جرمن مستشرق، فان ہمیر کا قول نقل کیا ہے جس نے پہلے جو نتیجہ نکالا تھا دس سال کے مطالعے کے بعد بھی اس کا نتیجہ وہی رہا۔ اس نے دساتیر کی زبان کی صداقت کا ثبوت زبان کی ساخت اور اس کے مشتقات (FORMATION) کی ہجاؤں کے ذریعے فراہم کیا ہے، اس کے نزدیک اس کی زبان اور فارسی میں وہی تعلق ہے جو گاتھک اور انگریزی میں ہے۔ مگر ان دونوں مصنفوں میں سے کسی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ مہ آباد وغیرہ کا زمانہ اور اس سلسلے کے تاریخی مطالب کی تشریح کیوں کر ہو سکے گی۔

ملا فیروز نے اس کی صداقت کی گواہی تو دی مگر اس نے کوئی ایسا ثبوت نہیں پیش کیا جس سے اس سلسلے کی کسی پیچیدہ عقدے کی گرہ کشائی ہوتی، رہے اس خیال کے اور لوگ، تو ان میں سے کسی نے دساتیر کے الجھے ہوئے مسائل پر محققانہ و ناقدانہ نظر نہیں ڈالی حالانکہ ان میں لارڈ ہیسٹنگز، گورنر جنرل ہند اور سر جان مالکم جیسی ہستیاں تھیں۔

دساتیری الفاظ و اصطلات کا تجزیہ دساتیر کی زبان و مطالب کی صداقت مشکوک ہے لیکن جو الفاظ و اصطلات اس میں آئے ہیں ان میں سے بہتوں کی نشاندہی ممکن ہے۔ ڈاکٹر محمد معین اور پروفیسر پور داؤد نے اس سلسلے میں کافی چھان بین کی ہے۔ ان دونوں عالموں کے مطالعات کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اسما فارسی، پہلوی اور ہندی ناموں میں[۱] خفیف تغیر سے بنا لئے گئے ہیں، مثلاً افرام، ابراہام یا ابراہیم، یاسان، ساسان، سیامک ہے، یہی عمل الفاظ و اصطلاحات میں بھی ہوا[۲] ارمسا، (= عقل زحل)، دارمن، سے دلاتین سا، (= روح زحل)، (لاتین) سے، فرنسا، (= جرم زحل)، فرانس سے ماخوذ ہے۔ شاسے (شاہ) سے، اور پندم، پنجم سے مستفاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ مقدمۂ دبستان المذاہب (انگریزی) جلد اول ص ۴۸، ۲۔ ایضاً ص ۴۶ وغیرہ، ۳۔ مجلۂ دانشکدۂ ادبیات ۳، ۳۶ ۱۳

مولف دساتیر نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ جو لفظ وضع کئے جائیں وہ خالص فارسی کے ہوں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کوشش صحیح ہے یا غلط۔ اگرچہ اس مسئلہ کی توضیح کا یہ موقع نہیں پھر بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ صرف مولف دساتیر یا فرقۂ آذر کیوان ہی کی جدت نہیں۔ ایران میں اس کی داغ بیل بہت پہلے پڑ چکی تھی۔[1] ڈاکٹر محمد معین نے اپنے مقالے[2] "لغات فارسی ابن سینا و تاثیر آن در ادبیات فارسی" میں اس کی پوری وضاحت کی ہے کہ ابن سینا (۳۷۳ - ۴۲۱ھ) نے صدہا اصطلاحیں فارسی خالص میں وضع کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دانش نامہ علائی (تالیف بعد ۴۱۴ھ) میں اس طرح کی اصطلاحوں کو شمار کر لیا ہے۔ اس میں منطقی اصطلاح ۲۱۴، طبیعی ۲۰۱، الٰہی ۴۷، میزان ۸۹ ہیں اور سید محمد مشکوۃ نے "رسالۂ رگ شناسی"[3] میں اس طرح کے لغات کی تعداد ۱۵۰ بتائی ہے اس طرح اگر تکرار کو حذف کر دیا جائے تو اس تنہا مولف نے تقریباً ایک ہزار لغات کا اضافہ کیا۔ ابن سینا کے معاصرین میں ابوریحان بیرونی (۳۶۲ - ۴۴۰ھ) نے بھی یہ خدمت انجام دی ہے چنانچہ "التفہیم" (۴۲۰ھ) اور "دانش نامۂ علائی" میں بہت سے ایسے[3] لفظ مشترک ہیں۔ ابن سینا کے شاگردوں نے استاد کی اس روایت کو برقرار رکھا۔ چنانچہ شارح قصۂ حی بن یقظان[4] ابو عبید جوزجانی کے یہاں بھی خالص فارسی اصطلاحیں کافی مل جائیں گی۔ ابن سینا کے بعد ناصر خسرو علوی[5] (۴۸۰ھ) اور افضل الدین کاشانی[6]، امام غزالی[7] (۵۰۵ھ) وغیرہ نے بھی فارسی سرہ، کے سلسلے میں نمایاں کام کئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرقۂ آذر کیوان ابن سینا سے بہت متاثر تھا اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ دبستان المذاہب میں ابن سینا کا ذکر دوبارہ الگ عنوان کے ذیل میں ہوا ہے۔

دساتیر کے ماننے والوں نے جو صدہا الفاظ و اصطلاحات وضع کئے ہیں ان کو حسب ذیل

---

[1] مجلۂ دانشکدۂ ادبیات شمارہ ۲، ۱۳۳۲ ص ۱ تا ۳۰ [2] مجلۂ دانشکدہ ادبیات شمارہ ۲، ۱۳۳۲ ص ۳۰ [3] مجلۂ دانشکدہ کے ص ۶ تا ۹ پر ایسے لفظ ملیں گے [4] شارح کے نام میں اختلاف ہے، آقای سعید نفیسی ابو منصور زیلہ اور دکتر مہدی بیانی ابو عبید جوزجانی بتاتے ہیں مجلہ ص ۵ حاشیہ، اس کے اور جوزجانی کے ایسے الفاظ ص ۱۶ تا ۲۱ پر دئے ہیں [5] مجلہ ص ۲۱ تا ۲۵ [6] مجلہ دانشکدہ شمارہ ۳، ۱۳۳۶ ص ۴۰ [7] ایضاً ص ۲۵ - ۲۹

حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے[۵۵]۔

(۱) ایسے لغات و اصطلاحات جو ابن سینا اور اس کے پیروں نے بھی استعمال کئے ہیں مثلاً آخشیج (عنصر)، انباز (شریک)، پذیرا (ہیولی)، توانش (قوت)، جنبش (حرکت)، افراز (بلند)، انبازی (شرکت)، خواست (ارادہ)، چگونگی (کیفیت)، کنش (فعل، عمل)، گونہ (جنس)، وغیرہ۔

(۲) پہلوی اور زرتشتی کتابوں سے بہت سے لغات اخذ کئے گئے ہیں، مثلاً دروند (بدکار)، رخش (روشنی۔ شعاع)، زروان (زمان)، فرمند (صاحب شوکت)، سروش (فرشتہ)، برترفروہر (جوہر)، کرفہ (ثواب)، نسک (فصل اوستا)، دخشور (پیغمبر) وغیرہ۔

۳۔ بعض ترکیبیں ابن سینا وغیرہ کے استعمال کئے ہوئے لفظوں سے بنائی ہیں مثلاً آخشیج سے آخشیجستان (فلک قمر کا نچلا حصہ جو عناصر کا مقام ہے)، افراز سے افرازستان بمعنی عالم علوی، باز داشتن سے بازدارش (ممانعت کرنا)، شاید بودن (دانش نامہ بمعنی امکان) سے شایستہ بود، شایستہ ہستی (ممکن الوجود) فرشتہ سے فرشتہ برترو فرشتہ سالار بمعنی عقل اول، فرشتہ گرد بمعنی افلاک اور کنش (فعل) سے کنش کار و کنش مند وغیرہ۔

۴۔ بعض عربی لفظوں کا تحت اللفظ ترجمہ کرلیا ہے مثلاً آخشیجی سرا (عالم عناصر)، خانہ آباد (بیت المعمور)، ہر سویہ بادشاہان (ملوک الطوایف)، دوازدہ کاشانہ (بروج اثناعشر)، ستارۂ بہ جا (کوکب ثابت)، ستارہ روان (سیارہ)، گران رفتار اختران (ثوابت)، سادہ سپہر (فلک اطلس)، روان پاینده (نفس ناطقہ)، شید شیدان (نور الانوار)، پروردگار، پروردگار گونہ (رب النوع)، دارا و دارائے گونہ (رب النوع)، ناآغاز روز (یوم ازل)، ناانجام (ابد)، ناانديش (بدیہیہ)، ناباستہ ہستی (ممتنع الوجود)، ہر آینہ بود، ہر آینہ ہستی ناچار باش، ناگزیر باش، ناچار ہست (واجب الوجود)، نوشید (حادث)، ہستی خدیو (صاحب وجود)، ہمیشہ ہست (باقی)، ہوش نخست (عقل اول)، یکتائی (وحدت مقابل کثرت)، وغیرہ۔

---

۵۵ = ایضاً ص ۳۰۔ ۳۸، مجلہ شمارہ ۳، ۱۳۲۶، ص ۴۰۔ ۴۱۔

ان لوگوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مضحکہ خیز الفاظ وضع کر کے فارسی زبان کی روح کو صدمہ پہنچایا۔ اس طرح کے مہملات کی حسب ذیل صورتیں ہیں :

(۱) عربی لفظوں کے مضحکہ خیز ترجمے مثلاً برش دید (قطع نظر)، پنج یابندہ برونی (حواس خمسۂ ظاہری)، پنج یابندہ درونی (حواس خمسہ باطنی)، تنامید، تنانتن وتنید وتنتن (جسم کل)، تنائی دریابندہ (حواس ظاہر و باطن)، تیمسار (حضرت)، دانش آشکار بنیش (علم حضوری حضرت عزت) وغیرہ۔

(۲) بعض لفظوں کے معانی بالکل بدل دئے مثلاً۔

آمیغ لغت میں آمیزش اور دساتیر میں حقیقت[۱] کے معنی میں آمیغی حقیقی، زنجیر دساتیر میں تسلسل (فلسفیانہ اصطلاح) کے لئے، سنگسار[۲] و ننگسار[۳] اس سلسلے کی کتابوں میں روح کی تبدیلی کے معنی میں آیا ہے۔

فروزش لغت میں روشنی اور دساتیر[۴] میں صفت و تعریف کے معنی میں استعمال ہوا۔ گزنیش لغت میں انتخاب اور دساتیر میں خاصیت ہے۔ گرہ لغت میں عقدہ اور دساتیر میں تعلقات جسمانی[۵] ہے۔ نگارش لغت میں نقش اور دساتیر میں تصور[۶] ہے وغیرہ۔

(۳) بعض الفاظ میں لفظی و معنوی تحریف ہوئی مثلاً

اندیشہ سے بندیشہ و بندیشہا (Steingses p. 203)....................

توران سے تمودان اور توری (تورانی) سے تمودی (Steingass p. 235)

موجہ (عربی موج) سے یوجہ (قطرہ) (Steingass p. 1537)

باستان سے باس (قدیم مقابل حادث) (Steingass p. 146)

۱ـ Steingass میں بھی truth معنی دئے ہیں (صفحہ ۱۰۲ طبع دوم) ۲ـ transmigration (صفحہ ۰۰، طبع دوم)

۳ـ نیز دیکھئے (صفحہ ۸۴۲ طبع دوم) ۴ـ Steingass میں بھی property معنی دئے ہیں (صفحہ ۱۰۸۸) ۵ـ ص ۱۰۸۵ پر گرہ بہ باد زدن کے معنی to bend one's heart on worldly thing دئے

۶ـ رک ص ۱۲۲۸

اسم علم میں بھی لفظی تحریف ہوئی مثلاً سیامک کے بجائے سامر، ہوشنگ کے بجائے ہورشار، تہمورس کے بجائے تخمورد، جمشید کے بجائے جرمشار، فریدوں کے بجائے پرسیدوم، آتبین کے بجائے آتبیر، مینوچہر کے بجائے میروزاد، کیخسرو کے بجائے کیلاسرو، زرتشت کے بجائے ہرتوشاد، اسپتیمان کے بجائے ہرس فتماد، سکندر کے بجائے سیم کندیش، یزدان کے بجائے میزدام، داراب کے بجائے نشال، ایرانی کے بجائے ہرسس، ایران کے بجائے بیرس روم کے بجائے نسود وغیرہ۔

۴۔ بعض الفاظ خلاف قیاس آئے ہیں مثلاً

یابش بمعنی بودن و موجود شدن، صحیح کلمہ باشش[1] بوش اور بودش ہے۔

بسانی بمعنی کثرت، (بس) میں علامت جمع (ان) کے بعد ی کا اضافہ، ویژش بمعنی پاکی ویژہ سے ماخوذ ہے۔

۵۔ چند الفاظ بغیر کسی تبدیل کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

برینان (جمع برین) = ملکۂ علوی، بوباش = قدیم، بہتام = فرشتہ، ابز بہرزام فرشتۂ لعل، بہمن زاد = فلک مریخ کی عقل، پاز تازی = جزئی، پاے چم پاے خوان = ترجمہ، پودات = محسوس، بیہ = عرض، تابنیستار = جرم فلک نہم، تاور = عرض، تادریدہ = عارضی، تبیہ = استفراغ، تپاش[2] = ریاضت، رزبادراد = تن مریخ، سام ازہام = فلک الافلاک، فرداب و فرتاب = وحی، فرتود = مجاہدہ کامود = بسیط، کشاک = اندیشہ، لہاک = علت و مادہ، مانستان = عالم مثال مانیستار = نفس فلک الافلاک، نوسیرہ = مباحثہ، ینگ[3] و ینگ بندی = قاعدہ و روش، وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] ملاحظہ ہو فرہنگ ایران باستان۔ تہران ۱۳۲۶ ج ۱ ص ۲۰۲ [2] سنسکرت لفظ تپشیا سے ماخوذ ہے۔

[3] حکیم علی فرقدی و حکیم سوزنی کے یہاں اسی معنی میں آیا ہے اس لئے اس کی نسبت مشکوک ہے۔

حق علیم است کہ در طرز طراز معنی | نطراز ید کس و کس نطراز د زین ینگ (فرقدی)
آئین قسمت احسان، ینگ تو کرمت | بنود ز آل میران آئین جز این و ینگ (سوزنی)

(ر ک۔ فرہنگ جہانگیری طبع مشہد ج ۲ ص ۱۹۱۸)

دساتیری اثرات فارسی ادبیات پر

رفتہ رفتہ دساتیر کے خود ساختہ و مصنوعی الفاظ فارسی زبان و ادب میں داخل ہونے لگے۔ محمد حسین تبریزی نے برہان قاطع میں سارے دساتیری الفاظ کو شامل کر کے ان کو فارسی کے فصیح الفاظ میں شمار کر لیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس نے کہیں بھی دساتیر کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ لفظوں کے معانی بیان کرتے وقت اگر وہ مولف دساتیر یا اس کے سلسلے کی کسی کتاب کا حوالہ دے دیتا تو شاید لوگوں کو ان لفظوں کے بلا تکلف استعمال کرنے میں جھجک محسوس ہوتی۔ مولف برہان نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پہلوی زبان کے بعض الفاظ کے غلط سلط معنی بتا کر لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ مگر علمی بد دیانتی کا پردہ چاک ہو کر رہتا ہی ہے، ہزوارش کی غلط خوانی کے سلسلے میں ملک الشعرا بہار سبک شناسی[۵۱] میں لکھتے ہیں:

> نمونہ کے طور پر برہان قاطع کے ایک لفظ کی مثال پیش کرتے ہیں۔ "چشم" کا ہزوارش "عینہ" ہے جس میں "ای ن ھ" چار حرف آئے ہیں۔ ان میں الف کو عین پڑھنا چاہیے۔ چونکہ آخر کلمہ کی 'ہ' پہلوی کی "م" اور "ن" کے مشابہ ہے جو ایک دوسرے میں ملا کر لکھی گئی ہو۔ اس بنا پر لوگوں نے (عینہ کے بجائے) "اینمن" پڑھا اور صاحب برہان نے اس لفظ کے یہ معنی لکھے:
>
> 'اینمن بزبان زند و پازند چشم را گویند'

سبک شناسی کی جلد سوم میں[۵۲] بہار پھر لکھتے ہیں:

> بعض فرہنگ نگار مثل محمد حسین مولف برہان قاطع، دساتیری کتابوں کے دھوکے میں آ گئے اور ان جھوٹے اور مکاروں کے دم فریب میں آ کر ان کے مہملات کو اصلی الفاظ کی طرح اپنے لغت میں شامل کر لیا۔ مولف برہان کو ایک قسم کا اور دھوکا ہوا اور وہ اس طور پر ہوا کہ فارسی الفاظ کی جمع آوری کے شوق میں وہ بعض کم پڑھے لکھے زرتشتیوں سے ملا۔ ان لوگوں نے بعض ہزوارش الفاظ

---

۵۱ جلد ا ص ۵۰۔ ۵۲ ص ۲۹۲۔

کو جنھیں اپنے اجداد سے سنا تھا اور جن کے معانی پازند کتابوں میں دیکھا تھا لیکن جن کے پڑھنے سے وہ مطلق واقف نہ تھے، مولف برہان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ یہ زند و پازند[1] کے لغات ہیں اور اس نے ان غلط ہزوارش لفظوں کو تحریف اور غلط خوانی کے ساتھ برہان قاطع میں محفوظ کر دیا یہ سارے کے سارے الفاظ ادبیات فارسی میں داخل ہو گئے، اور شیبانی واد یب الممالک و فرصت الدولہ کے اشعار میں بلا تکلف استعمال ہونے لگے۔

پورداؤد لکھتے ہیں[2] :

ہم کہہ چکے ہیں کہ برہان قاطع میں اس طرح کے صدہا لفظ آئے ہیں لیکن کہیں بھی دساتیر کا نام نہیں لیا گیا اور جیسا ہم چاہتے ہیں اس فرہنگ میں کسی لفظ کے لئے مثال نہیں پیش کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غلط اور صحیح لفظوں کے درمیان تمیز کرنا سخت دشوار ہے۔

پھر لکھتے ہیں[3] :

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ برہان قاطع میں سیکڑوں دساتیری الفاظ شامل ہو گئے ہیں مگر ایک جگہ بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ گراں مایہ گوہر کس "گنج شایگان" سے حاصل ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے یہی فرہنگ جو ہندوستان میں لکھی گئی، ایران میں لوگوں کے مطالعے میں آئی، اور ان لوگوں نے ان غلط سلط لفظوں کو نظم و نثر میں صرف کرنا شروع کیا۔ خصوصاً دساتیر کی اشاعت کے بعد وہ الفاظ زیادہ سے زیادہ مقبول ہونے لگے۔

---

[1] زند اوستائی لفظ Azanti سے ماخوذ ہے بمعنی شرح و گزارش۔ اوستا کی شرح تو خود اوستا کے متن کے ساتھ گڈمڈ ہوئی۔ البتہ اشکانی و ساسانی دوروں میں اس کی پہلوی زبان میں تفسیر لکھی گئی۔ یہی زند ہے لیکن اس وقت صرف پہلوی تفسیر موجود ہے۔ پس "زند" زبان سے زیادہ کتاب ہے اوستا متن۔ زند تفسیر۔ "پازند" گویا زند کی تفسیر ہے جس میں آرامی لفظ یعنی ہزوارش فارسی لفظوں سے بدلے جا چکے ہیں۔ پس "پازند" تفسیر کے ساتھ ایک زبان ہوئی جو پہلوی اور فارسی جدید کی درمیانی کڑی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مزدیسنا ص ۱۳۶ ببعد [2] برہان قاطع مقدمہ جلد اول ص ۵۰ [3] ایضاً ص ۵۵

یشتہا جلد اول، کے دیباچے[۱] میں ۱۹۲۰ء میں پورداؤد اسی طرح کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے:

یہ مزدیسنا کی عدم اطلاع کا نتیجہ ہے کہ دساتیر جیسی مصنوعی و جعلی کتاب جس کے مطالب آیین مزدیسنا کے خلاف ہوں اور جس میں پہلوی کتابوں کے اسکندر دروند و گجستک (خبیث و ملعون) کو ایران کا پیغمبر قرار دیا گیا ہو، اس کو زرتشتیوں کی دینی کتابوں کی فہرست میں جگہ ملے اور ناسخ التواریخ اس کے مہملات کو ایران قدیم کے باشندوں کے عقاید بتائے۔ اس جدید کتاب کے خود ساختہ الفاظ (جس کا مولف نہایت ہی جعل ساز تھا) آخری دور کے فرہنگوں از قسم برہان قاطع اور فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں زند و پازند کے لغات سمجھ لئے گئے ہیں۔

ایک جگہ اور لکھا ہے[۲]:

بڑے افسوس کی بات ہے کہ برہان قاطع اور انجمن آرائے ناصری ایران میں بہت مقبول ہیں اور فرہنگ جہانگیری اور مجمع الفرس سروری باوجود نفیس فرہنگ ہونے کے، مقبول نہ ہو سکیں۔ اس مختصر مقالے میں برہان قاطع کے انتقاد کا موقع نہیں لیکن دساتیری لغت سے قطع نظر اس فرہنگ کے غلط الفاظ اتنے ہیں کہ اس جگہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

دساتیری الفاظ برہان قاطع میں کثرت سے آئے ہیں، ان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف جلد چہارم کی فہرست اتنی طویل ہے۔

مانا : خداہزوارش	maona	پہلوی	نیراش : فہم و ذکا۔
	Kvatadh	خدا	نبوت : عقل
مانند آباد : عالم برزخ		نمار	: اشارہ۔ آقائے علی اصغر حکمت نے اس کو دنماد، کی تصحیف بتایا ہے

---

۱ ص، یب، ۲ مقدمۂ برہان قاطع جلد اول ص ۵۹ ، ۳ فارسی نغز ص ۱۰۴

مانیستار : نفس کل

مود : عقاب

میدن : تازہ، جدید

نابسی : عدم

ناجزانجام : نامتناہی۔ ابدالآباد، بظاہر ترکیب عجیب ہے، کلمہ جبز زاید معلوم ہوتا ہے

مہ آباد : دساتیری پیغمبر۔ چینی میں یہ کلمہ موجود ہے جو موبد فارسی کی چینی شکل ہے۔ قم اور اصفہان کے درمیان ایک قریہ، معجم البلدان میں اس کے معنی عمارۃ القمر دیے ہیں

ناسرایش : زبان حال، مقابل سرایش۔ زبان قال

ناور : ممکن

ناوسند : ناپسند

نبناد : ارتکاب فواحش سے نفس کو آزاد کرنا۔

نیوتش : صحبت

نیو تور : کبر و غرور

نیور : جو کچھ کرہ ہوا میں پیدا ہوتا ہے۔

نیوراد : تربیت نفس

ننگ : اہل تناسخ کی اصطلاح میں ایک بدن سے دوسرے بدن میں تبدیلی

نواد : زبان

نوتاش : ہمیشہ، جاودان

نودر : حادث

نودساد : اچھے کام کی خواہش

نورند : ترجمہ

نوسیرہ : بحث و مباحثہ

نوشو : حادث

نولہ : کلام

نیرنود : فکر و نظر

نیماد : تمیز

نیواد : شجاعت

نیوار : فضا

ہدمان : ایثار

ہرامید : حقیقت

ہرتوز : سچائی

ہرزید : امداد

ہرنبد ساو : پیمان فرہنگ تالیف مہ آباد

نیور نیوار : وہ چیزیں جو آسمان و زمین کے درمیان ہوتی ہیں۔

نیوسوم : حرص

نیوۂ چمینہ : نفس انسانی کی اختیاری حالت کہ جب چاہے بدن سے جدا ہو جائے اور جب چاہے بدن میں آ جائے۔

وخش : آغاز و ابتدا

وخشور[۱] پیغمبر لیکن یہ لفظ اوستائی ہے

وخشور نہاد : شریعت

ورشیم : قسم

ون : بلکہ

وندرہار : مرکز

ونکہ : بلکہ

ویژرش : تقدیس

ہابیغی : حقیقی

ہرنیز : تعین

ہرنیز مند : تعین کرنے والا

ہستی : وجود مطلق

ہماد : ہمہ سب

ہمادی : کل۔ ہمگی

ہمادیان : کلیات

ہمرافتہ : مفہوم

ہمرس : درم

ہنایش : تاثیر

ہنوتاش : مقربان خدا

ہودل : رصد

ہودل بند : رصدگاہ

ہوشیدن : سوچنا

ہیراد : خوشدل

ہیرسا : پارسا

یاسان نام پیغمبر

برہان قاطع کے وجہ سے دساتیری لفظوں کے استعمال کا چلن ایران میں ہوا۔ اس سلسلے میں حسب ذیل ادیب خصوصیت سے متاثر ہوئے۔

(۱) رضا قلی خاں ہدایت صاحب مجمع الفصحا و انجمن آرائے ناصری۔

(۲) دانش متخلص بہ حکیم، مولف گنج دانش۔

۱ـ فارسی میں بھی مستعمل ہے، دیکھئے معیار جمالی ص ۱۲۹، ۱۳۱

بمال دینی و دین نسبت تو در رتبت   بود بہ شاہان مانند امت و وخشور

(۳) میرزا فرصت شیرازی۔

(۴) میرزا صادق خاں امیری ادیب الممالک۔

(۵) میرزا فتح اللہ شیبانی۔

(۶) میرزا رضا خان افشار مولف پروز نگارش۔

(۷) میرزا سنگلاخ مولف تذکرۃ الخطاطین۔

(۸) شیخ احمد کرمانی صاحب سالار نامہ۔

(۹) ناظم الاطبا مولف فرنود سار۔

(۱۰) حاجی زین العابدین مولف بستان السیّاحہ۔

(۱۱) سپہر صاحب ناسخ التواریخ، وغیرہ۔

پورداؤد کا خیال ہے ناصر الدین شاہ قاچار کے عہد کے شعرا مثل قاآنی، یغما، سروش فروغی وغیرہ کے دیوان میں دساتیری الفاظ خال خال مل سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ یورپی فرہنگ نویس بھی اس تحریک سے کافی متاثر ہوئے مثلاً Steingass نے سارے دساتیری لفظوں کو اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا ہے۔

ایرانی فضلا کے نزدیک دساتیری لفظوں کے لئے فارسی میں کوئی جگہ نہیں۔ ان کی آمیزش سے فارسی زبان کو سخت دھکا پہنچا۔ جو لوگ دساتیری لفظوں کو فارسی کے فصیح لفظ قرار دیتے ہوئے اپنی تحریروں میں ان کو صرف کر رہے ہیں وہ فارسی کے خدمت گزار نہیں ہو سکتے۔ ملک الشعرا بہار آج سے مدتوں قبل لکھ چکے ہیں:

اگرچہ در عصر محمد شاہ بوسیلۂ کتاب برہان جامع خواستند اصلاحاتی بعمل آورند ولی فائدۂ نہ بخشید و آن ہرج و مرج ہنوز دایر و سایر است۔

لیکن ڈاکٹر محمد معین نے چند سال پہلے اس طرح اظہار خیال کیا ہے[۱]:

(خوش بختانہ بر اثر انتشار مقالات بعضی فضلای معاصر از استعمال لغات

---

[۱] اس سلسلے کی بحث غالب اور مولف برہان قاطع والے مضمون میں ملے گی۔

واصطلاحات خاص فرقۂ آذرکیوان (پیرو دساتیر) بسیار کاستہ شدہ و امیداست بکوشش ادبائی و دانشمندی، زبان ابن سینا و بیرونی و فردوسی و سعدی و حافظ از تباہی بدور ماند۔

ڈاکٹر معین کا اشارہ خصوصاً پورداؤد کی طرف ہے جنھوں نے دساتیری ادب کا بہت عمیق مطالعہ کر کے اس کے جعل کا پردہ فاش کرنے میں سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے۔ چونکہ ان کا مطالعہ قدیم ایران کی تاریخ و مذہب کے سلسلے میں نہایت ہی وسیع ہے اس لئے قدیم ایران کی جعلی کتاب کے بارے میں ان کا فیصلہ سب سے زیادہ وقیع ہوگا۔

ان سطور کے ذریعے آپ حضرات کی توجہ دساتیر کے پیچیدہ مسائل کی طرف منعطف کرانا مقصود ہے اور یہ عرض کرنا ہے کہ مرزا غالب کے علمی مرتبے کے تعین کے سلسلے میں دساتیر کی حیثیت کا صحیح علم نہایت ضروری ہے۔

---

۵۷ مجلۂ دانشکدہ ص ۱۲ -

بُرہانِ قاطع

برہان قاطع فارسی کی نہایت اہم اور متداول لُغت ہے۔ اس کا مولّف محمد حسین ابن خلف تبریزی متخلص برہان تھا۔ یہ فرہنگ ۱۰۶۲ ہجری میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں گول کنڈہ میں مرتّب ہوئی۔ اس لُغت کی اہم خصوصیات یہ ہیں: اوّلاً اپنے عہد تک کے سارے فارسی لُغات میں یہ سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ کسی فرہنگ میں اتنے الفاظ شامل نہیں جتنے کہ اس لُغت میں پائے جاتے ہیں۔ ثانیاً کسی کی ترتیب اتنی محکم نہیں ہے۔ ثالثاً اس میں الفاظ کے سارے معانی درج کیے ہیں۔ رابعاً اکثر الفاظ کے تلفّظ ضبط ہوئے ہیں۔

برہان قاطع اپنے مخصوص خصائص کی وجہ سے کافی مقبول و متداول تھی جس کا بیّن ثبوت اس کی متعدّد اشاعت سے فراہم ہوتا ہے اور آخری دو اشاعتیں جو ایران میں ڈاکٹر محمد معین کی رہینِ منّت ہیں، انتقادی متن کا قابلِ تقلید نمونہ ہیں لیکن اس کی غیر معمولی شہرت اُس وقت سے ہوئی جب مرزا غالبؔ نے اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے اعتراضات رسالۂ قاطع برہان میں شامل ہیں۔ اسی رسالے پر چند سال قبل قاضی عبدالودود صاحب نے اپنے ایک بہ گراں قدر مضمون میں تبصرہ کیا تھا۔ قاطع برہان کا نکلنا تھا کہ اختلافات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور پچاسوں چھوٹے بڑے رسالے غالبؔ کی تائید یا مخالفت میں لکھے گئے۔ اس سے واضح ہے کہ اُنیسویں صدی

کا سب سے بڑا علمی و ادبی معرکہ برہان قاطع ہی سے متعلق ہے۔

اگرچہ مرزا غالبؔ کے اکثر اعتراض غلط ہیں لیکن اس سے یہ اندازہ لگانا صحیح نہ ہوگا کہ برہان قاطع ہر طرح کے اسقام سے پاک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فرہنگ میں بعض بنیادی خرابیاں ہیں لیکن غالبؔ مسائل فرہنگ نویسی سے کماحقہ آگاہ نہ تھے، اس بنا پر ان کی نظر ان خرابیوں تک نہ پہنچ سکی۔ آج کی صحبت میں برہان قاطع کی بعض بنیادی نقایص کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

برہان قاطع کے مطالعے سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا مولّف نقّاد فن نہ تھا، اس لیے اس لُغت میں رطب و یابس سب جمع ہو گیا ہے۔ میرے نزدیک اس کے بنیادی نقائص میں تین نقص خاص طور پر قابلِ توجّہ ہیں:

تصحیفات[۱] کی کثرت؛ دساتیری الفاظ کا شمول؛ ہزوارش سے بے خبری۔

ان میں سے ہر ایک کی کچھ تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں:

تصحیفات کی کثرت: لفظوں کی غلط خوانی سے ایک لفظ سے دوسرے لفظ کی تشکیل کا نام تصحیف ہے مثلاً کسی جگہ توشہ کے بجائے بوسہ پڑھنا تصحیف خوانی ہے، لیکن تصحیف غلط اور بے معنی لفظ سے بھی عبارت ہے۔ برہان میں سیکڑوں لفظ ایسے شامل ہو گئے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں۔ ان میں چند یہ ہیں:

چینود (پُل صراط) کی مختلف شکلیں جو برہان میں ہیں یہ ہیں:

چینود، چنیود، چینور، چنیور، جینور، جنیور، خینور، خنیور وغیرہ۔

ان میں صحیح چینود ہے جو اوستائی کلمہ چینوت سے ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے کہ مولف برہان سے یہ توقّع کہ وہ اوستائی زبان کی مدد سے اصل لفظ کا تعیّن کرتا، بے کار ہے۔ بہرحال وہ غلط و مصحف الفاظ کے شمول کی ذمّے داری سے سبک دوش نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ تصحیف کی ذمّے داری اس کے سر نہیں۔

۱۔ اس سلسلے میں دیکھیے راقم الحروف کا مضمون "تصحیفات اور لغات فارسی" مجلۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ ۱۹۶۷ء، (ص ۳۹-۱۰۸) جو اس مجموعے میں بھی شامل ہے۔

وخشینہ : بمعنی پرندۂ سفید آیا ہے۔ دراصل وخشینہ نہ کوئی لفظ ہے اور نہ اس کے یہ معنی۔ اصل لفظ خشینہ بمعنی سفید رنگ کے ہیں۔ اس میں واو عاطفہ شامل ہو گیا ہے۔ فرہنگ قواس (تالیف بعد ۶۹۵ھ) میں "تز" کے ذیل میں درج ہے :

"تز مرغکی باشد سفید وخشینہ وقت بہار در باغہا نشیند"۔

زفان گویا (تالیف قبل ۸۳۷ھ) میں وخشینہ پہلی بار نظر آتا ہے جس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے :

"وخشینہ مرغی است سفید وقت بہار در باغہا نشیند"۔

واضح ہے کہ مولّف زفان نے غلطی سے واو عاطفہ کو جزو کلمہ قرار دے دیا اور اس طرح ایک غلط لفظ کی تشکیل ہو گئی۔ برہان قاطع میں وخشینہ زفان گویا کے مندرج معنی میں مذکور ہے۔

ایک تیسری مثال 'بتفوز' کی ہے اس کے معنی گرداگرد دھن کے ہیں۔ دراصل صحیح لفظ 'ینفوز' ہے۔ سب سے پہلے دستور الافاضل (تالیف ۷۴۳ھ) میں یہ لفظ 'ی' کے ذیل میں درج ہوا۔ برہان نے بعض لغات میں 'ب' کے ذیل میں بتفوز اور بعض میں 'ی' کے ذیل میں ینفوز دیکھا۔ اس نے مناسب یہ خیال کیا کہ ان دونوں کو اپنی کتاب میں شامل کرے۔ اس طرح وہ مصحف اور مسخ شدہ لفظ کے اضافے کے الزام سے بری الذمّہ نہیں ہو سکتا۔

ایک فارسی لفظ 'انبیر' ہے۔ قدیم ترین فرہنگوں میں اس کے معنی "پُر کردن" درج ہیں۔ بعد کی فرہنگوں میں ایک معنی "گل تر و خُشک" کا اضافہ ہوا۔ دستور الافاضل میں اس کے معنی "کیش" درج ہو گئے جو یقیناً کاتب کی غلطی ہے جس کی طرف مؤید الفضلا اور مدار الافاضل دونوں میں اشارہ موجود ہے۔ لیکن اس واضح اشارے کے باوجود برہان میں نہ صرف یہ کہ اس کے معنی کو برقرار رکھا گیا بلکہ دو ایک معنی اور بڑھا لیے گئے۔ ملاحظہ ہو :

"انبیر بمعنی گِل خشک و تر ہر دو نوشتہ اند، و بمعنی پر کردن و مملو گردانیدن ہم گفتہ اند و امر بدین معنی ہم ہست و بمعنی کیش و مذہب و دین و آئین ہم بنظر آمدہ"

دراصل انبیر کے معنی آگنش (اسم مصدر از آگندن) کے تھے۔ یہ لفظ دستور الافاضل میں کیش کی شکل میں نمودار ہُوا، لیکن موید اور مدار نے اس کی تردید کی تو جہانگیری اور سروری نے اس معنی کو حذف کر دیا مگر صاحب برہان پر معانی کے اضافے کا سودا ایسا سوار تھا کہ اس غلط معنی کو جو آگنش کی تصحیف کا نتیجہ تھا، شامل کر لیا اور مزید ایک معنی امر بھی جوڑ دیا جو صاحب انجمن آرائے ناصری کے نزدیک قابل قبول ہو گیا۔

آمار کے معنی استقصا یعنی حد کو پہنچنا ہے۔ یہ لفظ قدیم فرہنگوں یعنی لغت فرس (تالیف قبل ۴۶۵ھ)، قواس (بعد ۶۹۵ھ)، صحاح الفرس (۷۳۵ھ) میں آیا ہے۔ فرہنگ معیار جمالی (تالیف ۷۴۵ھ) میں استسقا مرض کے معنی میں اس بیت شاہد کے ساتھ ہے:

حسود جاہ تو بی آب در تموز فتن
مباد جز بہ بیابان فتادۂ آمار

یہی غلط معنی بعد کی تمام فرہنگوں میں شامل ہوتا رہا۔ فرہنگ جہانگیری (تالیف ۱۰۱۷ھ) میں بھی آمار بمعنی استسقا ہی درج ہُوا ہے۔ اس کے مولّف کے پیش نظر ۴۴ فرہنگیں بشمول لغت فرس، فرہنگ قواس، صحاح الفرس تھیں مگر اس کا ذہن اس طرف نہ گیا کہ استسقا، استقصا کا محرف ہے۔ صاحب برہان قاطع سے جس کے پیش نظر قدیم فرہنگیں نہ تھیں، یہ امید کرنا کہ وہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچے گا، فضول ہے۔

ایک اور مثال بزغسمہ کی ہے، اس کے معنی رنگ آب (کائی) بیان ہوئے ہیں۔ دراصل بزغسمہ کوئی الگ لفظ نہیں۔ دستور الافاضل میں بزغ کے غلط معنی سیم رنگ آب درج ہو گئے ہیں، حالاں کہ بزغ بمعنی رنگ آب ہے۔ اس غلط فہمی کی بنیاد فرہنگ قواس کی عبارت ہے جس میں بزغ وسمہ ساتھ ساتھ رنگ آب کے

معنی میں آئے ہیں، سمہ اور بزغ مترادف ہیں، لیکن کسی وجہ سے ان دونوں کلموں کے درمیان واو عاطفہ کے حذف ہو جانے سے سمہ رنگ آب سے مل کر" سیم رنگ آب" کی شکل اختیار کر گیا، اور بزغ سے ملا تو "بزغسمہ" بن گیا۔ بہر حال نہ سیم رنگ آب کی کچھ حقیقت ہے اور نہ بزغسمہ کی۔ اس طرح صاحب برہان پر تصحیف کے اضافے کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے۔

ایک اور کلمہ **انگدان** ہے، جس کے معنی قدیم فرہنگوں میں بسباس و ران درج ہیں۔ 'بسباس' جاوتری اور 'ران' ایک درخت ہے جس سے حلتیت حاصل ہوتی ہے۔ موید میں ران مع واو عاطفہ ورا، آن پڑھا گیا اور اس کے معنی نسناس قرار پائے۔ اس میں ایک اور معنی نام قریہ کا اضافہ ہُوا۔ اس طرح اس میں چار معنی درج ہوئے :

بسباس ، نسناس ، درخت حلتیت ، نام قریہ ۔

قاسم سروری نے مجمع الفرس (تالیف بعد ۱۰۰۰ھ) میں درمیانی دو معنی یعنی نسناس اور درخت حلتیت لکھا۔ جہانگیری میں صرف بسباس کو حذف کیا اور آخری تین معنی برقرار رکھے، لیکن اس میں بسباس کا حذف ہونا عجیب ہے کیوں کہ ایسی تمام قدیم فرہنگیں جن میں یہ معنی درج تھا، صاحبِ جہانگیری کے پیش نظر تھیں۔ برہان میں انگدان کے صحیح معنی تو نسناس سمجھے گئے لیکن بسباس کو بھی ایک فرہنگ کے حوالے سے درج کر دیا گیا، مثلاً ملاحظہ ہو :

" انگدان نسناس را گویند یعنی دیو مردم، و آن جانوری باشد شبیہ مردم و در موید الفضلا بمعنی بسباس آمدہ است کہ ہند جاوتری گویند واللہ اعلم "

فرہنگ رشیدی جو برہان سے دو برس بعد مکمّل ہوئی اور جس کا مولّف اپنے کو اس فن کا سب سے بڑا ماہر سمجھتا تھا، اس میں نہ بسباس ہے اور نہ نسناس، صرف درخت حلتیت درج ہے۔ آپ ملاحظہ کریں کہ اصل معنی بسباس تھا اور فرہنگ نگاروں کی جودت طبع

نے تصحیف کے کیا کیا گُل کھلائے ہیں۔ مختصر یہ کہ اگرچہ صاحبِ برہان قاطع پر اس تصحیف خوانی کی کاملاً ذمّے داری نہیں، لیکن وہ اس غلط معنی کے اضافے کی ذمّے داری سے، جو غلط خوانی کا نتیجہ ہے، سبک دوش نہیں ہو سکتا۔

ایک اور کلمہ وچرگر ہے جس میں واو واوِ عطف سمجھ کر حذف ہُوا اور ایک دوسرے لفظ چرگر کے ہم معنی قرار پایا۔ برہان میں وچرگر کی اس طرح تشریح ملتی ہے:

"بر وزن قلندر بمعنی مفتی و فتوٰی دہندہ باشد چہ وچر بمعنی فتوٰی دہندہ آمدست و پیغمبر و رسول را نیز گویند"

چرگر بھی اس فرہنگ میں اس طرح بیان ہُوا ہے:

"بر وزن زرگر مغنی و خنیاگر بضمّ اوّل رسول و پیغمبر را گویند، مفتی و پیش نماز را ہم گفتہ اند"

صاحبِ برہان قاطع کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ وچرگر کے معنی مفتی یا فتوا دہندہ مادے کے لحاظ سے قرار پاتے ہیں اور چُرگر کے بھی یہی معنی ہیں، تو اس معنی کے اعتبار سے یہ آخری لفظ غلط ہے۔ اس موقف کی تائید میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ چرگر کی تشریح وہ پہلے کر چکا تھا اور وچرگر کے معنی لکھتے وقت وہ چرگر والی بات فراموش کر گیا، لیکن اس الزام سے وہ بری الذّمّہ نہیں ہو سکتا کہ اس لفظ کے سلسلے میں اس نے نقّادی کا حق ادا نہیں کیا۔ لُطف یہ ہے کہ رشید تتوی صاحبِ فرہنگ رشیدی نے تو وچرگر کو اس بنا پر درخورِ اعتنا نہیں سمجھا کہ اس میں واوِ عطف شامل ہے۔ اس کے نزدیک صحیح چرگر ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"وچرگر بفتح واو و جیم و کاف ہر دو فارسی، مفتی و در فرہنگ بمعنی سرودگو و صحیح چرگر است چنان کہ گذشت و واوِ عطف را جزوِ کلمہ پنداشتہ"

فرہنگ سے مراد جہانگیری ہے جس میں بقول رشیدی چرگر کے بجائے وچرگر ہے۔ ضمناً یہ عرض ہے کہ چرگر اور وچرگر دونوں صحیح ہیں۔ چرگر بمعنی مغنّی و سرودگو

اور وچرگر بمعنی مفتی ہیں۔ لغت فرس میں چرگر کی توضیح میں یہ شعر شاہد نقل ہے :

ہمیشہ دشمن تو سوختہ، تو ساختہ بزم
بہ بزم ساختہ رود آختہ دو صد چرگر

اور وچرگر کے لیے لغت فرس اور صحاح فرس میں یہ شعر بطور سند نقل ہوا ہے :

بوسہ و نظرت حلال باشد باری
حجت دارم برین سخن ز وچرگر

فی الحال ان چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ برہان میں سیکڑوں مثالیں اسی قسم کی موجود ہیں۔ غالب نہ اصولِ فرہنگ نگاری سے واقف تھے اور نہ ان کے پیشِ نظر قدیمی فرہنگیں ہی تھیں، اسی بنا پر وہ برہان قاطع کی بنیادی خرابیوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

برہان کا دوسرا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں دساتیر جیسی جعلی کتاب کے اکثر مندرجات شامل ہو گئے ہیں، اور اس میں اس کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے، اس لیے کہ کسی قدیمی فرہنگ میں یہ عنصر شامل نہیں۔ برہان کی یہ روایت اس قدر مقبول ہوئی کہ ایران کے فرہنگ نگاروں، شاعروں اور ادیبوں نے اپنی اپنی تحریروں میں بے تکلف دساتیری الفاظ کا استعمال شروع کر دیا، ان میں ہدایت صاحبِ انجمن آرای ناصری، دانش صاحبِ گنج دانش، فتح اللہ شیبانی، میرزا فرصت شیرازی، امیری ادیب الممالک، میرزا سنگلاخ صاحبِ تذکرۃ الخطاطین، رضا خاں افشار صاحبِ پرورز نگارش، زین العابدین صاحبِ بستان السیاحۃ، سپہر صاحبِ ناسخ التواریخ، شیخ احمد کرمانی صاحبِ سالار نامہ، ناظم الاطبا صاحبِ فرنود سار وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ہندستان میں غالب دساتیر کی صداقت کے سب سے بڑے علم بردار تھے، اور تعجب ہے کہ برہان کے سب سے بڑے مخالف کی نظر میں برہان کا یہ سقم اس کا سب سے بڑا ہنر قرار پایا۔ غالب قاطع برہان کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

"جس طرح کمال اسماعیل کو 'خلّاق المعانی' کا لقب دیا گیا ہے، اگر ان بزرگوار کو (یعنی صاحبِ برہان قاطع کو) 'خلّاق الالفاظ' (الفاظ تراش) کہا جائے تو تعجب نہ ہوگا، سوائے چند الفاظ کے جو دساتیر سے ماخوذ ہیں یا تھوڑے سے اور لغات جن میں تصرف نہیں ہوا، پوری کتاب آشوبِ چشم اور آزارِ دل ہے۔"

غالب کی تحریروں میں دساتیری الفاظ بلا تکلف استعمال ہوئے ہیں۔ راقم حروف نے ان سارے الفاظ سے متعلق ایک یادداشت ایک علاحدہ[۱] مقالے میں پیش کی تھی۔ ان دساتیری الفاظ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب صاحبِ برہان قاطع سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

برہان قاطع میں ہے:

"پاچایہ بفتح پلیدی و نجاست ہر دو را گویند کہ بعربی براز باشد۔"

گویا پاچایہ جو دساتیری لفظ ہے پیشاب اور پاخانہ دونوں کے لیے آیا ہے، اب غالب کی تشریح جو برہان قاطع اور درفش کاویانی میں پائی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

"پاجایہ بجیم تازی، اسم مستراح است و این کہ درعرف مستراح را پاخانہ گویند ہماں تصحیف پاجایہ است کہ شہرت یافتہ۔"

تیغ تیز میں مزید اضافہ ہے:

"پاخانہ و پاجایہ دونوں متحد المعنی ہیں، وہ پانو کا گھر، یہ پانو کی جگہ۔ قدم جاے و قدم خانہ دونوں ان کے مرادف، مسمّیٰ ایک اسم چار۔ پاجایہ میں ہای ہوّز نسبتی نہیں ہای زائد ہے، جیسے بوس و بوسہ، آتش گیر و آتش گیرہ.... موج و موجہ یا سبز کے آگے ہای ہوّز بڑھا کر سبزہ ایک اسم قرار دیا، اسی طرح پاجای کے آگے ہای ہوّز لاکر اسم بنا دیا۔ دراصل نہ پاخانہ پانو کا گھر، نہ پاجایہ پانو کی جگہ۔ پاے اور پا زبان فارسی میں ارذل چیز کو کہتے ہیں.... چوں کہ یہ گھر

[۱] دیکھیے اسی مجموعے کا مقالہ: غالب اور محمد حسین تبریزی میں اتحاد نظر

اور جگہ ذلیل ہے اس کو پاخانہ اور پاجایہ کہا۔"

راقم نے برہان کے تقریبًا پونے تین سو دسا تیری الفاظ غالبؔ والی یادداشت میں شامل کر دیے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو سکے گا کہ ایک جعلی کتاب کے طلسم میں کیسے کیسے ہوش مند ادیب و دانش مند گرفتار نظر آتے ہیں۔

برہان کی تیسری بنیادی خامی یہ ہے کہ اس میں ہزوارش الفاظ بڑی کثرت سے شامل ہو گئے ہیں۔ ہزوارش پہلوی زبان کا ایک لفظ ہے اور چوں کہ اس کے متعلق عام طور پر معلومات نہیں ہیں جب کہ فارسی فرہنگوں میں اس کا دخل بہت زیادہ ہے، اس لیے اس کے بارے میں اس صحبت میں کسی قدر تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

'ہزوارش' یا 'زوارش' پہلوی زبان کی ایک اصطلاح ہے جس کے لغوی معنی گزارش اور بیان وغیرہ ہیں، لیکن اس کے اصطلاحی معنی مخصوص ہیں۔ پہلوی زبان میں ہزاروں ایسے سامی کلمات شامل ہیں جو عمومًا لہجۂ آرامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح کے کلمات کی کتابت تو سامی تلفظ کے اعتبار سے ہوتی ہے لیکن پڑھتے وقت اس کا مترادف و متبادل پہلوی لفظ پڑھ لیا جاتا ہے گویا یہ الفاظ ایک طرح کے Ideogram یا علامت ہیں۔ مثلاً جلتا لکھتے اور پوست پڑھتے ہیں، ملکا لکھتے شاہ پڑھتے، اب لکھتے پیت (پدر) پڑھتے، اخ لکھتے، برات (برادر) پڑھتے وغیرہ۔ ابن ندیم نے الفہرست ج ۲۱، میں زوارش کے ذیل میں لکھا ہے :

"من اراد ان یکتب گوشت وھو اللحم بالعربیہ کتب بسرا دیقراہ گوشت۔"

(جب کوئی کاتب گوشت جس کو عربی میں لحم کہتے ہیں لکھنے کا ارادہ کرتا تو بسر لکھتا اور گوشت پڑھتا)۔

اکثر زبانوں میں ہزوارش جیسی دو ایک شکلیں مل جاتی ہیں، مثلاً انگریزی میں e.g لکھ کر For example پڑھنا دراصل ہزوارش جیسی شکل ہے، چند لفظوں میں اس طرح کے عمل سے کوئی خاص دقت نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی زبان کے سینکڑوں ہزاروں

الفاظ محض علامت کا کام دیں تو اس سے زبان کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہو جاتا ہے پہلوی زبان جو اشکانیوں (۲۵۰ ق م - ۲۲۶ ء) اور ساسانیوں (۲۲۶ء - ۶۵۲ء) کے دور میں ایران میں صدیوں تک متداول رہی، وہ نہایت مشکل زبان ہے، اس کے اشکال کی دو بڑی وجہیں ہیں، اول ہزوارش کی کثرت، دوسرے حرفوں کی تعداد کی آواز سے کمی، پہلوی میں ایک حرف بعض اوقات کئی آوازوں کی نمایندگی کرتا ہے، اس بنا پر پہلوی زبان کی کسی کتاب کا ٹھیک ٹھیک پڑھنا مشکل ترین کام ہے۔ شاید ہی کوئی پہلوی کتاب ہو جس کے متن میں قرأت کے اعتبار سے اختلاف نہ پایا جاتا ہو اور ایرانیات سے متعلق شاید ہی کوئی نشست ہو جس میں قرأت الفاظ سے متعلق کوئی نہ کوئی مسئلہ موضوع بحث نہ ہو۔

فارسی فرہنگ نگاروں میں سب سے پہلے جمال الدین حسین انجو صاحب فرہنگ جہانگیری (تالیف ۱۰۱۷ھ) اس سلسلے میں غلط فہمی کے شکار ہوئے۔ ان کو کسی زرتشتی کے پاس ایک قدیم کتاب کے اوراق نے گمراہی میں مبتلا کر دیا۔ اس نے اس کتاب کے تمام لفظوں کو زند و پازند کا لفظ قرار دے کر اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا، لفظ آذر کے ذیل میں فرہنگ جہانگیری میں آیا ہے :

"فقیر حقیر کہ راقم این حروفم پیری از پارسیان را کہ بر دین زردشت بود، دیدم کہ جزوی چند از کتاب زند و ستا داشت، چون مرا رغبت و شغف تمام بجمیع لغات فرس بود، و در فرس از زند و ستا معتبر تر نیست، بجہت تحقیق لغات با او صحبت میداشتم و اکثر لغاتی کہ در خاتمۂ کتاب از زند و پازند و ستا نقل شدہ از تقریر آن زردشتی است"

یہ حقیقت ہے اسلامی دور کے اکثر فضلا ایران کی قدیم زبانوں کے مسائل سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ اس بنا پر یہ توقع کہ گیارہویں صدی ہجری کے فرہنگ نویس مثلاً حسین انجو صاحب فرہنگ جہانگیری یا محمد حسین برہان صاحب برہان قاطع قبل اسلام کی ایرانی زبان کے مسائل سے روشناس ہوں گے، بیکار ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حسین انجو اور اس کے ازردشتی دوست سے یہ حقیقت پنہاں رہی کہ جن کو وہ اوستا، زند اور پازند کے الفاظ

سمجھے وہ دراصل جداگانہ حیثیت کے حامل نہ تھے۔ حسین تبریزی جو انجو سے تقریباً نصف صدی کے اندر ایک فرہنگ لکھتا ہے، وہ بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہوا اور وہ الفاظ جو صاحب جہانگیری نے الگ باب کے ذیل میں درج کئے برہان قاطع میں باعتبار حروف تہجی خالص فارسی لفظوں کے دوش بدوش شامل ہوئے، اس طرح کے الفاظ کم وبیش تین سو ہوں گے جو زند و پازند کی تخصیص کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

دراصل یہ دونوں فرہنگ نویس زند و پازند کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔ زند اوستا کی شرح پہلوی زبان میں ہے جس میں ہزوارش کا استعمال کثرت سے ہوا ہے اور جو پہلوی کے ناقص رسم خط میں تحریر ہوئی۔ پازند، زند کی شرح ہے، اس طرح کہ زند کے ہزوارش الفاظ کی جگہ پہلوی کے متبادل الفاظ درج ہوئے اور اس کا رسم خط پہلوی کے ناقص خط کے بجائے کبھی اوستا کا دقیق رسم خط قرار پایا اور کبھی وہ جدید رسم خط (فارسی) میں لکھے گئے؟ اوستائی خط جو ایران قدیم کا جدید رسم خط ہے، پہلوی کے ناقص خط سے مقتبس ہے لیکن اس میں ہر آواز کے لئے الگ حرف ہے اور متعدد حروف مصوتوں (Vowels) کے لئے قرار دئے گئے، اس کی بنا پر اوستائی رسم خط میں دقیق آواز بھی ادا ہو سکتی ہے۔

حسین تبریزی، انجوے شیرازی کی پیروی میں زند و پازند مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے، کبھی پہلوی لفظ کے لئے کبھی زرتشتی دینی لغات کے لئے اور کبھی دساتیر کے جعلی کلمات کے لئے زند و پازند کی اصطلاح درج کرتا ہے، لیکن اکثر الفاظ جو زند و پازند کی تخصیص کے ساتھ نقل ہوئے ہیں وہ ہزوارش ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ زند و پازند میں بنیادی اختلاف کے باوجود صاحب جہانگیری و برہان قاطع کے نزدیک یہ دونوں مترادف ہیں۔
جب قدیم زبانوں کے ناموں کے بارے میں ان فرہنگ نویسوں کی واقفیت کا یہ عالم ہو تو ان سے پہلوی، دساتیری، آذرکیوانی یا ہزوارش الفاظ کے متعلق دقیق تحقیق کی توقع ہی بے کار ہے۔

فارسی فرہنگوں میں ہزوارش الفاظ کی نشاندہی ایک اہم اور دلچسپ موضوع ہے، لیکن اس سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونے کے لئے بعض سامی الاصل زبانوں میں بصیرت

پیدا کرنا ضروری ہے۔ ڈاکٹر محمد معین نے بالکل درست لکھا ہے:

"اگر اصلاً یاد کردن این گونہ لغات ہزوارش در فرہنگہای فارسی لازم باشد نگفتہ پیداست کہ باید رشتہ و بن آنہا را از ہمان زبان آرامی یا زبانہای دیگر سامی چون سریانی و عبری و بالاتر از آنہا در زبانہای بابلی و آشوری و اکدی بدست آورد۔ معادل بسیاری از آنہا در زبان عربی ہم کہ ہم خویشاوندان این زبانہای سامی است، موجود است، ہمین کلمات آرامی است کہ در برہان قاطع بیدر و سر ہمہ از لغات زند و پازند یاد گردیدہ است"

آرامی زبان سے عدم واقفیت کے نتیجے میں ہمارے فرہنگ نویسوں کو غلط فہمی ہوئی اور آج بھی وہی صورت حال باقی ہے، اس کی بنا پر ہزوارش کلمات کا تعین اور ان کے ماخذ کی نشاندہی آسان نہیں، لیکن یہ بات حیرت انگیز ضرور ہے کہ ان چند الفاظ کے علاوہ جن کے متبادل الفاظ عربی زبان میں پائے جاتے ہیں ہزاروں ہزوارش الفاظ میں سے ایک لفظ بھی فرہنگ جہانگیری کی تالیف سے قبل ایرانی شعرا یا ادبا کی تصانیف میں نہیں پایا جاتا۔ اس زبردست قرینے کے باوجود فرہنگ نگاروں کے دل میں ان الفاظ کی طرف سے کسی قسم کا شک نہ پیدا ہونا موجب حیرت ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ پچاسوں مصادر اور افعال کی ایسی ہزوارش شکلیں ان فرہنگوں ملتی ہیں جن کا نہ پہلوی سے کوئی تعلق ہے اور نہ فارسی سے کوئی سروکار۔ ان بزرگوں نے بغیر کسی جرح و تعدیل کے ہزوارش الفاظ کو قبول کر کے فارسی اور پہلوی دونوں کی روح کو صدمہ پہنچایا ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ فرہنگوں کی بنیاد ادب پر نہیں، بلکہ قبل کی فرہنگوں پر ہے۔ لیکن ایک قابل ذکر بات ضرور ہے کہ باوجود اس کے کہ فرہنگ نگاروں نے ان ہزوارش کلمات کو رائج الوقت زبان میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن فارسی کے کسی شاعر یا ادیب نے ان کو مطلق درخور اعتنا نہ سمجھا اور ان کے استعمال سے مکمل طور پر احتراز برتا۔

برہان قاطع میں جس طرح تصحیف کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں، اور صاحب برہان قاطع صحیح اور مصحف الفاظ کی نشاندھی نہیں کرتا، بالکل اسی طرح اس لغت میں ہزوارش

الفاظ میں اکثر جگہ تصحیف کی شکلیں سامنے آتی ہیں، چند مثالوں سے اس کی توضیح ہو سکے گی:

آتین بروزن لاچین، بلغت زند و پازند بمعنی موجود شدہ و پیدا گردیدہ بہم رسیدہ باشد (۱۸)، دراصل ہزوارش لفظ کی صحیح شکل آیتن یا آیت ہے جو برہان یا اس کے ماخذ میں تای مقدم کے ساتھ آیا ہے۔ آیت پہلوی "است" ہے۔

اتبا بلغت زند و پازند بمعنی تیر باشد (۸۷)؛ دراصل اس ہزوارش کی قرأت atyā ہے جس کے معنی تیر کے ہیں (پہلوی تغر)۔

انتونتن با نون و تای قرشت بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی داشتن باشد کہ از دارندگی است (۱۶۵): دراصل انتونتن ہزوارش کے لئے پہلوی متبادل مصدر دانستن ہے اس سے واضح ہے کہ داشتن دانستن کی تصحیف ہے، داشتن پہلوی مصدر کا ہزوارش جاسونتن ہے

انہوبا: با ہای ہوز و بای ابجد بروزن محمودا، بلغت زند و پازند ستارہ مشتری را گویند (۱۷۹)؛ دراصل ہزوارش لفظ کی قرأت انہوما ہے، انہوبا اس کی تصحیف ہے اور انہوما کا متبادل پہلوی کلمہ اورمزد ہے جو ایک ایزد یا دیوتا کا نام ہے، چونکہ فارسی میں اس کو مشتری کہتے ہیں، اس لئے برہان میں مشتری سیارہ قرار دے دیا گیا۔

اینبا: با بای ابجد بروزن چلیپا، بلغت زند و پازند درخت . . . را گویند و بجای بای ابجد تای قرشت ہم بنظر آمدہ است (۱۷۹)، دراصل ہزوارش کی قرأت اینبا کے بجائے اینتا ہے،

اہلبوب: بلغت زند و پازند بہشتی را گویند (۱۹۰): دراصل ہزوارش اہلنوب ہے جس کے لئے متبادل پہلوی لفظ اشوک (Ashvak) بمعنی پاک و مقدس ہے۔

بشرونتن: بروزن پہلوشکن، بزبان زند و پازند بمعنی پرستش کردن باشد (۲۸۳) دراصل اس ہزوارش مصدر کا پہلوی متبادل مصدر برشتن ہے، متن برہان میں پرستش برشتن کی تصحیف ہے۔

بوجبا: بلغت زند و پازند خیار بادرنک را گویند (۳۱۳)؛ دراصل ہزوارش بوجینا ہے اور بوجبا اس کی تصحیف

تکرونتن: بروزن پہلوشکن بلغت زند و پازند بمعنی پیچیدن است (۵۰۴)؛ یہ

ہزوارش ہے پہلوی مصدر سختن بمعنی سنجیدن کا، اس سے واضح ہے کہ برہان میں پیچیدن سنجیدن سے مصحف ہے۔

جانونتن۔ بروزن تار موشکن، بلغت زند و پازند بمعنی گفتن باشد (۵۵۶)، دراصل یہ ہزوارش پہلوی مصدر رسیتن (= رسیدن) کا، گفتن مصدر کے لئے ہزوارش شکل جالونتن ہے، یہی لفظ برہان میں تصحیف کے ساتھ نقل ہوا ہے۔

جامتونتن: بروزن تار موشکن، بلغت زند و پازند بمعنی رسیدن باشد (۵۰۵)؛ در اصل ہزوارش لفظ میں حرف چہارم تے کے بجاے نون ہے۔

خاتم: بلغت زند و پازند بمعنی خواہر است . . بجای رای قرشت نون ہم بنظر آمده است کہ خاتمن باشد؛ دراصل ہزوارش لفظ خاتمن بمعنی خواہر ہے، خاتم تصحیف ہے۔

ربزبا: بلغت زند و پازند خورشید را گویند (۹۳۷)؛ دراصل صحیح ہزوارش زبزبا ہے جو برہان میں ربزبا ہوگیا۔

رمن: بلغت زند و پازند بمعنی مجموع و ہمہ باشد چنانکہ ہرگاہ گویند رمن را دیدم یعنی ہمہ و مجموع را دیدم (۹۶۲)؛ ہزوارش ژمن، کا پہلوی متبادل ama (ما ضمیر جمع متکلم) ہے، بظاہر برہان کے ماخذ میں nah کو غلطی سے hamak (= ہمہ) پڑھا گیا حالانکہ hamak کا ہزوارش Kola ہے۔ برہان قاطع میں رمن جس فارسی جملے میں استعمال ہوا ہے وہ خود صاحب برہان کا تراشا ہوا ہے، فارسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں،

رویشند: بلغت زند و پازند سپر را گویند . . و در جای دیگر سر را گفتہ اند (۱۰۰۱)؛ دراصل اس ہزوارش کی پہلوی شکل، سر ہے سپر تصحیف ہے۔

زکیا: بلغت زند و پازند کار در را گویند (۱۰۲۶): دراصل ہزوارش لفظ sagina اور sky ہے، اسی سے زکیا مصحف ہے، سکینا عربی لفظ سکین کا ہم ریشہ ہے۔

سوسبار: بکسر ثالث و بای ابجد بروزن روزگار، بلغت زند و پازند اسب را گویند و باین معنی بحذف رای قرشت یعنی سوسبا ہم بنظر آمده: دراصل سوسار مصحف ہے سوسیا کا یعنی حرف چہارم بای ابجد کے بجاے یای حطی ہے۔

شتان: بضم اول بروزن فلاں، بلغت زند و پازند بمعنی سالہا باشد کہ جمع سال است و بعربی سنین خوانند (۱۲۵۲)؛ شتان مصحف شنتان اور شنتان جمع ہے شنتہ (آرامی) کی بمعنی عربی سنتہ۔

شوہارمند: بمعنی گریہ و نوحہ، و گریہ نوحہ کننده باشد بلغت زند و پازند؛ دراصل یہ ہزوارش ہے متبادل پہلوی کلمہ گربک بمعنی گریہ کا؛ گربہ کو گریہ پڑھ کر اس کے ساتھ نوحہ کا اضافہ ہوا نوحہ کناں و گریہ کناں معنی کا مزید علیہ ہے۔

کنا: بکسر اول بلغت زند و پازند ماہی را گویند، عربی حوت؛ کنا ہزوارش کا اصل پہلوی کلمہ ورک (= بره) ہے ماہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایک دوسرا ہزوارش کنارہ ہے جس کا پہلوی متبادل کلمہ ماہیک (= ماہی) ہے؛ کنارہ کو اشتباہاً کنا پڑھا گیا۔

مربویا: بلغت زند و پازند بمعنی خربزۂ شیریں باشد و در نسخۂ دیگر جزیرۂ میان دریا نوشتہ شدہ بود و بر ہیچیک شاہدی نیاوردہ بودند (۱۹۸۱)؛ بظاہر خربزہ برہان کے ماخذ میں جزیرہ درج ہوا، مزید توضیح کے لئے (میان دریا) کا اضافہ ہوا۔ صاحب برہان قاطع نے اس غلط ٹکڑے یعنی جزیرۂ میان دریا کو خربزۂ میان دریا پڑھ کر اپنے کو کشمکش میں مبتلا کر لیا۔

نگ: بلغت زند و پازند درخت نخل خرما را گویند (۲۰۲۹)؛ دراصل ہزوارش تگ ہے جس کے معنی خرما کے ہیں، یہی تگ مصحف شکل میں نگ ہو گیا۔ تک آرامی کلمہ ہے جو عربی کلمہ تاک کے ہم ریشہ ہے۔

نشمن: بلغت زند و پازند خویش و تبار را گویند (۲۴۶)؛ دراصل ہزوارش لفظ پشمن پہلوی میں خویش ہے، اس سے واضح ہے کہ متن برہان قاطع میں نشمن تصحیف ہے۔

ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ برہان قاطع اور کبھی کبھی اس کے ماخذ میں ہزوارش الفاظ جن کی فارسی میں کوئی بنیاد نہیں، ان میں بھی تصحیف کا عمل ہوا اور صاحب برہان قاطع کی نظر سے یہ بات اوجھل رہی، جو کسی لغت نویس کے شایان شان نہیں۔

ان امور کے ذکر کے بعد ذیل میں ہزوارش الفاظ کی چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جاتی

ہیں، ان مثالوں کو دو عنوانات کے تحت درج کیا جائے گا، اول مصادر (کہیں فعل)؛ دوسرے ایسے دوسرے کلمے جو اگرچہ اکثر آرامی سے ماخوذ ہیں لیکن جو عربی سے مشابہ ہیں۔

ہزوارش مصادر:

ابرونتن : بالون و تای قرشت بروزن پہلوشکن؛ بہ زبان زند و پازند بمعنی مردن باشد کہ در مقابل زیستن است (ص ۱۰۸)۔ عموماً مرتن پہلوی کا ہزوارش میتونتن (عربی لفظ موت) کا ہم ریشہ ہے۔

اجدرونتن : اندرون تن؛ بلغت زند و پازند بمعنی درو کردن و درویدن باشد و اجدرونمن یعنی درویدم من و اجدرونید یعنی بدروید (۱۰۸) یہ ہزوارش پہلوی مصدر دروتن (درودن) کا ہے۔ افعال کی مثال دیتے وقت صاحب برہان کے دل میں یہ شک کیوں کر نہ پیدا ہوا کہ اس طرح کے افعال کی صورتیں پہلوی یا فارسی میں کہاں ہیں۔

ارکونتن : بالون و تای قرشت بروزن پہلوشکن؛ بلغت زند و پازند بمعنی بخشیدن و بخشایش باشد (۱۰۸)؛ یہ پہلوی مصدر بخشیتن (= بخشیدن تعقیم کردن) کا ہزوارش ہے۔

ارمونتن : بروزن پہلوشکن؛ بلغت زند و پازند بمعنی خوابیدن و آرام گرفتن باشد (۱۱۰)؛ یہ ہزوارش ہے پہلوی مصدر Xvaftan کا

اردونتن : بروزن پہلوشکن؛ بلغت زند و پازند بمعنی شستن باشد و اردومن یعنی بشویم من و اردوئید یعنی بشوئید شما کہ امر شستن باشد (۱۱۱)۔ ایسے افعال جو پہلوی یا فارسی میں ہرگز نہ آئے ہوں، شواہد میں پیش کرنا بڑی جسارت ہے۔ در اصل پہلوی مصدر شستن کے لئے ہزوارش اردنتن آتا ہے یعنی رای مشدد ہے۔

اسبونتن : باتای قرشت بروزن پہلوشکن؛ بلغت زند و پازند بمعنی دیدن و مشاہدہ کردن باشد و بمعنی دوانیدن ہم بنظر آمدہ (۱۲۱)۔ ہزوارش دیتن (= دیدن)

پہلوی مصدر کا ہزوارش استونتن ہے، برہان میں درج صورت مصحف ہے اور معنی دوم غلط ہے۔

استرونتن : بروزن اندرون تن؛ بلغت زند و پازند بمعنی بستن باشد کہ در مقابل گشودن است (۱۲۶)، دراصل پہلوی مصدر بستن کا ہزوارش اسرونتن ہے، یعنی برہان میں س کے بعد ت کا اضافہ غلط ہے۔

اناوونتن : بروزن جفاجوی من، بلغت زند و پازند بمعنی گذاشتن و نہادن باشد (۱۶۳)۔ دراصل پہلوی مصدر نہاتن = نہادن کا ہزوارش ہے۔

بزپونتن : بروزن پہلوشکن، بزبان زند و پازند بمعنی دادن باشد و بزپونی بمعنی میدہم و بزپونید یعنی بدہید (۲۷۲)، دراصل یہ ہزوارش غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ دادن کا ہزوارش Yehabonitan یہبونتن آتا ہے

پزیونتن : بروزن پہلوشکن، بزبان زند و پازند بمعنی دادن باشد: وپزپونی یعنی میدہم و پزپونید یعنی بدہید (۳۹۸) دراصل یہ ہزوارش ہے پہلوی مصدر hixtan کا (فارسی میں نہیں ہے) بمعنی ترکردن، آب دادن کا، برہان میں آب کا لفظ درج نہیں ہو سکا، اس وجہ سے اس کے صحیح معنی نہیں لکھے جاسکے۔

پسانتن : بلغت زند و پازند بمعنی افشاندن باشد و بایں معنی باضافہ ہا نیز بنظر آمدہ است کہ پسہانتن باشد، پسانی و پسہانی بمعنی افشانم و پسانید و پسہانید یعنی بیفشانید ۴۰۳، یہ دونوں ہزوارش ہیں افشاتن = افشاندن مصدر کے۔

پسہانتن : (رک: ص ۴۰۶)۔

تبلوونتن : بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی شکستن باشد (۴۶۸)؛ یہ ہزوارش ہے اصل مصدر شکستن ہے۔

ترزونتن : بروزن پہلوزدن، بلغت زند و پازند بمعنی باریدن باشد (۴۷۱)؛ یہ

ہزوارش ہے پہلوی مصدر واریتن = باریدن کا، اس سلسلے میں عربی مصدر تقطر ذہن نشین رہنا چاہیے۔

جاتونتن : بروزن بازوشکن؛ بلغت زند و پازند بمعنی آمدن باشد (۵۵۲)؛ یہ ہزوارش ہے پہلوی مصدر آمتن = آمدن کا۔

جاسونتن : بروزن بازوشکن، بلغت، زند و پازند بمعنی داشتن و دارندگی باشد (۵۵۳)، یہ ہزوارش ہے پہلوی مصدر داشتن کا۔

جاکونتن : بروزن بازوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی آوردن باشد کہ در مقابل بردن است (۵۵۴)، دراصل ہزوارش کی صحیح صورت جاتیگونتن ہے، پہلوی مصدر آورتن (آوردن) ہے، اوران دونوں ہزوارش کی کوئی اصل نہیں۔

جانونتن : بروزن آہوفگن، بلغت زند و پازند بمعنی بودن باشد (۵۶۱)؛ یہ ہزوارش ہے، پہلوی مصدر بوتن = بودن ہے۔

جنبونتن : بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پازند نشستن باشد . . . (۵۶۴)؛ یہ ہزوارش ہے پہلوی مصدر نشستن کا۔

جگیتبونستن : بروزن منزل پرسیدن، بلغت زند و پازند بمعنی نوشتن باشد (۵۷۹)؛ پہلوی مصدر نپشتن = نوشتن کا ہزوارش ہے۔

جگرونتن : بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی زدن باشد کہ بعربی ضرب گویند (۵۸۰)؛ پہلوی مصدر اوزدتن = زدن کا ہزوارش ہے۔

جمیتونتن : بروزن پری روی من، بلغت زند و پازند بمعنی مردن باشد (۵۸۸)؛ پہلوی مصدر مرتن = مردن کا ہزوارش ہے۔

جوسبونتن : بروزن خوبروی من، بلغت زند و پازند بمعنی استدن و گرفتن باشد (۵۵۹)؛ پہلوی مصدر Sistan کا ہزوارش ہے۔

چیمونستن : بروزن خوبروی من، بلغت زند و پازند استادن باشد (۶۴۵)؛

یہ ہزوارش ہے پہلوی مصدر estatan کا، محققین کے نزدیک ہزوارش کلمے کی صحیح قرأت Yaqeman..an ہے جو عربی لفظ قیام کا ہم ریشہ ہے۔

دابا ہانتن : بروزن سرتا پا شکن، بلغت زند و پازند بمعنی خندیدن باشد (۸۰۶)؛
ہزوارش کلمہ کی اصل قرأت دا با ہانستن ہے جس کا اصل پہلوی مصدر خندیتن = خندیدن آتا ہے، متن برہان میں سین کا حذف غلط ہے۔

دابونتن : بروزن بازو شکن، بلغت زند و پازند بمعنی دادن باشد ..(۸۰۷)؛
پہلوی مصدر Datan (= دادن) کا ہزوارش ہے۔

ربرونتن : بروزن پہلو شکن بمعنی مردن باشد (۹۳۷)؛ پہلوی Murtan کا ہزوارش Ymytan (یمیتن) ہے جو عربی لفظ موت کا ہم ریشہ ہے :
متن برہان خلط مبحث کا آئینہ دار ہے۔

زدونتن : بروزن سبو شکن، بلغت زند و پازند بمعنی خریدن باشد (۱۰۰۸)؛
پہلوی مصدر خرتین کا ہزوارش یہی ہے ورنہ اس کی کوئی اصل نہیں

زرہانتن : بروزن صفر اشکن، بلغت زند و پازند بمعنی زاییدن (۱۰۱۹)؛
اصل ہزوارش جس کا متبادل پہلوی مصدر Z.tan = زادن ہے زرہونتن ہے۔

زریتونتن : بروزن پر پرو فکن، بلغت زند و پازند بمعنی کاشتن است (۱۰۹)؛
پہلوی مصدر کشتن کا یہ ہزوارش عربی لفظ زرع کا ہم ریشہ ہے۔

زمرونتن : بروزن پہلو شکن بلغت زند و پازند بمعنی سرائیدن وخواندگی کردن است (۱۰۳)؛ اس ہزوارش کی صحیح قرأت زمرونتن (Zamaron.tan) یا زملونتن (Zamlalomitan) ہے۔

سریتونتن : بروزن پر پرو فکن، بلغت زند و پازند بمعنی رفتن است (۱۱۳۷)؛
پہلوی مصدر رفتن کا یہ ہزوارش ہے۔

سوجرونتن : بلغت زند و پازند بمعنی آوردن باشد (۱۱۸۳)؛ پہلوی مصدر اپورتن

(آوردن) کا ہزوارش یہی ہے۔

شکونتن : بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پاژند بمعنی گذاشتن باشد۔۔ (۱۲۴۷)؛ پہلوی مصدر Hishtan کا ہزوارش ہے۔

شنونتن : بروزن سبوشکن؛ بلغت زند و پاژند بمعنی نوشتن باشد۔۔ (۱۳۰۴)؛ نوشتن کا ہزوارش عربی مصدر کتب کا ہم ریشہ یکتیبونتن Yektibuntan ہے، برہان میں خلط مبحث ہے۔

کترونتن : بروزن پہلوشکن؛ بلغت زند و پاژند بمعنی ماندن و بجائی نرفتن باشد (۱۵۹۵)؛ یہ ماندن کا ہزوارش ہے؛ اصل لفظ سے کوئی تعلق نہیں۔

کریونتن : بروزن پری روفکن؛ بلغت زند و پاژند بمعنی خواندن باشد (۱۶۳۴)؛ یہ ہزوارش مصحف ہے کریتونتن کا جو ہزوارش ہے مصدر خواندن کا۔

گیمونستن : بلغت زند و پاژند بمعنی خواستن و طلبیدن باشد (۱۷۵۹)؛ پہلوی مصدر خواستن کا یہ ہزوارش بعض محققین کے نزدیک مصحف ہے۔

کیہونستن : بلغت زند و پاژند بمعنی برآمدن و روییدن و سبز شدن باشد (۱۷٦۱)؛ پہلوی مصدر رستن کا ہزوارش ہے۔

کیہوئید : ماضی کیہوئیدن است بلغت زند و پاژند بمعنی روئید و برآمد و سبز شد (ایضاً) در اصل پہلوی مصدر روئید = Rodhet کا ہزوارش ہے۔

مشرونتن : بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پاژند بمعنی چیدن باشد۔۔۔ (۲۰۱۳)؛ پہلوی مصدر چیتن کا ہزوارش ہے۔

مکرونتن : بروزن پہلوشکن، بلغت زند و پاژند بمعنی پذیرفتن و قبول کردن باشد (۲۰۲۷)؛ در اصل اس ہزوارش کی صحیح قرأت مکدرونتن و ومکبرونتن ہے جس کا اصل پہلوی مصدر پت گرفتن (پذیرفتن) ہے۔

موزدونتن : بروزن غرض گوفکن؛ بلغت زند و پاژند بمعنی فروختن باشد که در مقابل خریدن است (۲۰۵۱)؛ پہلوی مصدر فروختن کا ہزوارش ہے، یعنی

موزدونتن لکھتے اور فروختن پڑھتے ہیں، اصلاً ان ہزوارش کی کوئی حیثیت نہیں۔

موی تونتن : بروزن پری روفکن، بلغت زند و پازند بمعنی شمردن زر و چیزی دیگر باشد (۲۰۵۷)، پہلوی مصدر Oshmurtan کا ہزوارش ہے۔

نسہانتن : بروزن صفراشکن، بزبان زند و پازند بمعنی پختن باشد کہ نقیض خام بودن است . . (۲۱۴۱)، دراصل پختن کا ہزوارش ہے، پہلوی میں pazānītan پختن کے معنی میں آتے ہیں جو ہزوارش نہیں ہیں۔

دزرانتن : بروزن صفراشکن، بلغت زند و پازند بمعنی رفتن باشد کہ در مقابل آمدن است (۲۲۰۸)؛ یہ پہلوی مصدر شدن بمعنی رفتن کا ہزوارش ہے،

وانکونتن : بروزن آرزوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی گرفتن باشد (۲۲۵۵)؛ یہ ہزوارش مصحف ہے واگونتن یا وادونتن کا، اصل پہلوی مصدر گرفتن ہے۔

وشمونتن : بروزن لبلبوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی خوردن و آشامیدن باشد (۲۲۸۵)؛ پہلوی مصدر خورتن کا ہزوارش یہی ہے۔

وشمونتن : بروزن لبلبوشکن، بلغت زند و پازند بمعنی شنیدن و گوش کردن باشد (۲۲۸۷)؛ یہ پہلوی مصدر اشموتن (شنیدن) کا ہزوارش ہے۔

یزبہانتن : بروزن اژدہاشکن، بلغت زند و پازند زمزمہ کردن مغان راگویند بوقت طعام خوردن (۲۳۴۳)؛ پہلوی مصدر یشتن بمعنی پرستش کردن کا ہزوارش (یزبہونتن) آتا ہے۔

ان مصادر میں سے ایک بھی فارسی یا پہلوی سے دور کا تعلق نہیں رکھتا، یہ سب لکھنے کی صورتیں ہیں پڑھنے سے ان کا تعلق نہیں، ایسی حالت میں ان کے غلط و مشتبہ قرار پانے میں کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہتا۔ ان مصادر کے اصل قرار دئے جانے سے زیادہ

فارسی فرہنگ نویسی کے تاریخ کا کوئی مضحکہ خیز باب نہ ہوگا،

ذیل میں ایسے ہزوارش الفاظ کی فہرست درج کی جاتی ہے جو عربی کے بہت قریب ہیں، عربی آرامی کی طرح سامی الاصل ہے، اس لیے اگرچند آرامی الفاظ جو پہلوی میں ہزوارش کے درجے پر ہیں، عربی کے مماثل ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اب : بزبان زند و پازند پدر را گویند، در عربی نیز ہمیں معنی دارد (۶)۔

ارتا۔ بلغت زند و پازند بوم و زمین را گویند (۹۷)۔ عربی لفظ ارض کا ہم ریشہ ہے۔

ارشیا : بلغت زند و پازند تخت و اورنگ شہان را گویند (۱۰۵)، عربی لفظ عرش کے مشابہ ہے۔

انبمن : بروزن صف شکن، بلغت زند و پازند انگور باشد، بعربی عنب گویند (۱۶۴)؛ دراصل اسی عربی لفظ کا یہ ہزوارش ہم ریشہ ہے۔

ایومن : بلغت زند و پازند چشم را گویند کہ بعربی عین خوانند (۲۰۰)، اسی عربی عین کے مشابہ ہے؛ دراصل انیمن و ایومن، آینہ کی تصحیف ہے۔

بزرا : بلغت زند و پازند تخم زراعت را گویند الخ (۲۷۲)۔ دراصل بذر عربی کا ہم ریشہ ہے۔

بن ہین : بلغت زند و پازند پسر را گویند۔ ۔ (۳۱۰) بظاہر ابن عربی کے مشابہ ہے۔

بتیا : بلغت زند و پازند بمعنی خانہ است کہ بعربی بیت خوانند (۳۳۱) اس عربی لفظ کا ہم ریشہ ہے۔

بیل و بیلای : بلغت زند و پازند بمعنی چاہ کہ بعربی بیر خوانند (۳۳۹)، یہی عربی اس ہزوارش آرامی لفظ کا ہم ریشہ ہے۔

تابا : (۴۵۲) دابا (۸۰۶)، زابا (۹۹۳) بلغت زند و پازند بمعنی زر، عربی لفظ ذہب کے ہم ریشہ یہ تینوں ہزوارش ہیں۔

تبنا : بلغت زند و پازند کاہی کہ اندر گندم و جو بہم رسد (۴۶۰)، یہ ہزوارش ہم ریشہ تبن عربی ہے بمعنی کاہ۔

توپا : بلغت زند و پازند سیب را گویند (۵۲۶)، عربی میں سیب کو تفاح کہتے ہیں، گویا توپا اور تفاح کا مادہ مشترک ہے۔

تورا : بلغت زند و پازند گاو را گویند کہ بعربی بقر خوانند (۵۳۵)؛ یہ ہزوارش عربی کلمہ ثور کا ہم ریشہ ہے۔

تین : بلغت زند و پازند انجیر را گویند و در عربی نیز ہمیں نام دارد (۵۴۷)؛ واضح ہے کہ عربی اور آرامی میں یہ لفظ مشترک ہے۔ ہزوارش آرامی سے لیا گیا ہے نہ عربی سے۔

تینا : بلغت زند و پازند گل را گویند، بعربی طین خوانند (۵۴۷)، اس عربی طین سے یہ ہزوارش مشابہ ہے۔

جلتا : بلغت زند و پازند پوست آدمی و حیوانات دیگر باشد، و بعربی جلد گویند (۵۸۱)؛ اس عربی جلد کا ہم ریشہ ہے۔

جوام : بلغت زند و پازند بمعنی روز است کہ بعربی یوم گویند (۵۹۵)، اسی عربی یوم کا ہم ریشہ یہ ہزوارش ہے۔

دمیا : بلغت زند و پازند خون را گویند و بعربی دم خوانند (۸۸۱)، دم ہی کا ہم ریشہ یہ آرامی لفظ ہے،

ذکر : بلغت زند و پازند بمعنی باشد کہ در مقابل مادہ است۔ و بعربی نیز ہمین معنی دارد؛ واضح رہے کہ یہ اتفاق کی بات نہیں بلکہ بعض سامی زبانوں میں یہ لفظ اس معنی میں آتا ہے اور یہ ہزوارش سامی الاصل ہے،

رودمنا : (۹۷۰) و رودمنا (۹۷۰) بلغت زند و پازند انار را گویند و بعربی رمان خوانند؛ اسی عربی کے ہم ریشے دونوں ہزوارش الفاظ ہیں۔

زک : بلغت زند و پازند بمعنی آن باشد کہ کلمۂ اشارہ باشد (۱۰۲۵)؛ عربی ذاک۔ ذلک کا ہم ریشہ ہے۔

شجارا : بلغت زند و پازند بمعنی درخت باشد کہ عربان شجر گویند (۱۲۵۴)؛ صاحب

برہان کے خیال میں نہ آیا کہ شجارا کا ریشہ اسی شجر میں ہے۔

شک : درعربی بمعنی گمان باشد۔ وبزبان زند و پازند ہم بایں معنی است (۱۲۷۵)؛ یہ ہزوارش اسی عربی لفظ کا ہم ریشہ ہے

شمسا : بلغت زند و پازند بمعنی نور باشد۔ ۔ وپرتو آفتاب و ماہ وچراغ و آتش الخ (۱۲۹۳)۔ دراصل ہزوارش شمسیا پہلوی میں خور ہے؛ اس سے بخوبی واضح ہے کہ ہزوارش کا ہم ریشہ شمس ہے۔

شنت وشنتان: بلغت زند و پازند سال است (یا سالہا) وبعربی سنین خوانند (ص ۱۳۰)۔ ان ہزوارش الفاظ کی اصل آرامی لفظ شنتہ (Sharata) ہے، جو عربی میں سنۃ باسین غیر منقوطہ آیا ہے۔

شوک : بلغت زند و پازند بمعنی بازار است کہ عربان سوق گویند؛ (۱۳۰) یہ ہزوارش اسی لفظ کا ہم ریشہ ہے۔

کدبا : بلغت زند و پازند بمعنی دروغ باشد وبعربی کذب خوانند (ص ۱۶۰۴)؛ اسی عربی لغت کا ہم ریشہ یہ ہزوارش ہے۔

کلبا : بلغت زند و پازند بمعنی سگ باشد وبتازی کلب خوانند (۱۶۷۲)؛ اسی کلب کا ہم ریشہ ہے۔

کوکبا : بلغت زند و پازند ستارہ را گویند وعربان کوکب خوانند (۱۷۳۳)؛ اسی عربی کے لفظ کا یہ ہزوارش ہم ریشہ ہے۔

کومر : بلغت زند و پازند بمعنی امرود باشد۔ کہ بعربی کمثری خوانند (۱۷۳۷)؛ اسی عربی لفظ کا یہ آرامی ہزوارش ہے۔

لامان : بزبان زند و پازند نان را گویند : (۱۸۸۱)؛ لحما بمعنی غذا و نان آیا ہے، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ لامان، لحما دونوں عربی لفظ لحم کے ہم ریشہ ہیں

لیلیا : بلغت زند و پازند بمعنی شب است کہ عربی لیل گویند (۱۹۲۲)؛ واضح ہے کہ یہ ہزوارش اس عربی لیل کا ہم ریشہ ہے۔

مترا : بلغت زند پازند باران راگویند وبعربی مطر خوانند (۱۹۶۵)، بخوبی واضح ہے کہ اس مطر عربی کا یہ ہزوارش ہمریشہ ہے۔

مدینا : بلغت زند و پازند بمعنی شہر است وبعربی مدینہ گویند (۱۹۸۰)؛ دونوں کے ہمریشہ ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

مزنا : بلغت زند بمعنی ترازو باشد وبعربی میزان گویند (۲۰۰۲)، میزان عربی ہی کا یہ ہزوارش ہمریشہ ہے۔

مشمشا : بلغت زند و پازند نوعی از زردآلو باشد (۲۰۱۷)؛ عربی مشمش اس ہزوارش کا ہمریشہ ہے۔

ملکا : بلغت زند و پازند پادشاہ راگویند (۲۰۳۲)؛ عربی مُلک کا ہمریشہ ہے۔

ملکوتا : بلغت زند و پازند بمعنی شہریار باشد (۲۰۳۳)؛ پہلوی لفظ شہریار کا ہزوارش ہے اور ملک عربی کا ہمریشہ ہے۔

ممن : بزبان زند و پازند بمعنی چہ باشد چنانکہ ہرگاہ گویند ممن میگوئی، ارادہ باشد چہ می گوئی (۲۰۳۵)؛ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ممن گوئی؟ کس دور کی فارسی ہے جس کی طرف صاحب برہان اشارہ کر رہے ہیں؛ پہلوی لفظ میں اس ہزوارش کے معنی چہ اور کدام ہے، اس بنا پر عربی مَن سے اس کا رشتہ ہے۔

نیرا : بلغت زند و پازند آتش راگویند وبعربی نار خوانند (۲۲۱۴)؛ واضح ہے یہ ہزوارش اس عربی لفظ کا ہمریشہ ہے۔

ورتا : بلغت زند و پازند گل راگویند وبعربی ورد خوانند (۲۲۶۴)؛ اس عربی لفظ کا یہ ہزوارش ہمریشہ ہے۔

یدمن : بلغت زند و پازند بمعنی دست است کہ بعربی ید خوانند (۲۴۲۸)، واضح ہے کہ ید، یدمن کا ہمریشہ ہے۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے :

برہان قاطع کا مولف فن فارسی فرہنگ نگاری کا نقاذ نہ تھا، اس کی بنا پر اس سے بنیادی

غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔اس نے الفاظ و معنی کے اضافے کے شوق میں اس کتاب میں رطب و یابس سب کچھ جمع کر دیا ہے۔

لیکن اس کتاب پر ایراد و انتقاد کرنے کے لئے حسب ذیل امور پیش نظر رکھے جائیں:

اول سب قدیم فرہنگیں جمع کی جائیں، ان کے انتقادی متن شائع ہوں اور ان کا باہمی مقابلہ و متقایسہ کیا جائے اس کے بعد ہی اکثر امور واضح ہو سکیں گے۔

دوسری بات جو اس سلسلے میں قابل غور ہے یہ ہے کہ قدیم ایران کی زبانوں سے کما حقہ واقفیت کے بغیر نہ الفاظ کے مادے کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ معانی ہی صحیح طور پر مقرر کئے جا سکتے ہیں،

مادے کے تعین پر الفاظ کی اصل حیثیت کا دارومدار ہے، اس سے واضح ہے کہ اس امر میں کامیابی مصحف الفاظ کی نشاندہی پر موقوف ہے۔

ہزوارش الفاظ کی اصل حقیقت اس وقت روشن ہو سکے گی جب فرہنگ نویس یا نقاد فن سریانی اور اس کے مختلف لہجے سے واقفیت حاصل کرلے گا، اور ساتھ ہی کلدانی اور بابلی زبانوں کے مسائل سے کسی قدر شناسائی پیدا کر سکے گا،

واضح رہے کہ ان امور کا حصول نہایت مشکل ہے اور اس کے نتیجے میں فرہنگ نویسی کا معاملہ پیچیدہ اور دشوار ہے۔

غالب اور محمد حسین تبریزی مؤلف برہان قاطع میں اختلاف نظر

محمد حسین تبریزی صاحب برہانِ قاطع علمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ، اس کی فرہنگ باوجود اپنی بعض خامیوں کے فارسی زبان کی اہم فرہنگ تصور ہوتی ہے۔ محمد حسین تبریزی اور برہانِ قاطع کا نام آتے ہی انیسویں صدی کے سب سے بڑے علمی و ادبی معرکے کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ غالب نے برہان قاطع کے بعض مندرجات پر سخت اعتراض کئے ہیں جو ان کے ایک رسالے قاطع برہان میں شامل ہیں۔ اس رسالے کا نکلنا تھا کہ اختلافات کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ سید سعادت علی میر منشی ریذیڈنٹ راجپوتانہ نے ۱۲۸۰ھ میں ایک رسالہ محرق قاطع برہان اور مرزا رحیم بیگ میرٹھی نے ۱۲۷۶ھ میں دوسرا رسالہ "ساطع برہان" غالب کے رسالے قاطع برہان کی رد میں لکھا۔ آغا احمد علی شیرازی جہانگیر نگری نے بھی ۱۲۸۰ھ میں برہانِ قاطع کی تائید میں ایک رسالہ مؤید برہان کے نام سے لکھا جس میں غالب کے نقطۂ نظر کی تردید ہے۔ ۱۲۸۱ھ میں محرق قاطع کی رد میں دافعِ ہذیان اور لطائف غیبی لکھے گئے، رسالہ سوالات عبدالکریم جو اسی سال کی تالیف ہے وہ بھی محرق قاطع کی تردید

میں ہے۔ ان رسالوں کے علاوہ تیغ تیز، تیغ تیز تر، شمشیر تیز تر، بتیان نافع وغیرہ متعدد چھوٹے بڑے اردو اور فارسی رسالے تالیف ہوئے جن میں غالب اور محمد حسین کی تائید یا تردید[۵۱] ملتی ہے۔

اگرچہ غالب نے صاحبِ برہان پر سخت تنقید کی ہے، لیکن دونوں مصنفوں میں ایک زبردست قسم کا اتحادِ نظر اور توافقِ فکر پایا جاتا ہے۔ محمد حسین تبریزی کی طرح غالب دساتیر کی صداقت کے علمبردار تھے اور آذر کیوانی فرقے سے متعلق جو تاریخی و علمی و ادبی امور ہیں ان کو وہ مستند سمجھتے تھے حالانکہ دساتیر ایک جعلی کتاب[۵۲] ہے اور فرقۂ آذر کیوان سے متعلق اکثر امور ناقابلِ اعتنا[۵۳] ہیں۔ میری گفتگو برہان قاطع اور تالیفاتِ غالب کے دساتیری اور فرقہ آذر کیوانی عناصر کی نشاندہی اور ان کے تقابلی مطالعے تک محدود رہے گی۔

محمد حسین تبریزی ان قدیم مصنفین میں ہے بلکہ شاید قدیم ترین مصنف ہو جس نے دساتیر کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے، اس کی فرہنگ برہان قاطع میں اس کتاب کے صدہا الفاظ فارسی کے اصیل لفظوں کے دوش بدوش بغیر کسی امتیازی نشان کے شامل ہو گئے ہیں، اس کی وجہ سے فارسی زبان کو سخت دھکا پہنچا ہے۔

۵۱؎ مقدمۂ برہان قاطع از ڈاکٹر محمد معین، ص ۱۱۰ - ۱۱۶

۵۲؎ رک مقدمۂ برہان قاطع، ہ۔ دساتیر ص ۵۲ - ۵۹؛ فرہنگ ایران باستان مجلد اص ۱۷ - ۵۱، ۳۲۹ - ۳۳۵ مجلۂ فکر و نظر علی گڑھ سال ۱، شمارہ ۲؛ ASIATIC JOURN. : NORRIS AND MONTHLY REGISTER FOR BRITISH INDIA بابت نومبر ۱۸۲۰؛ JOURNAL DE SEVANS : DE SACY جنوری ۱۸۲۱؛ ولیم ارسکین: بمبئی لٹریری سوسائٹی جرنل ج ۲؛ مقدمہ ترجمۂ دبستان المذاہب (انگریزی)

۵۳؎ رک، رسالۂ فرقۂ آذر کیوان، از ڈاکٹر محمد معین (تہران)؛ مجلۂ دانشکدۂ ادبیات تہران شمارہ ۲، ۳

غالب نے بھی اس تحریک کو آگے بڑھایا ہے۔ ان کی تحریروں کی بدولت دساتیری لفظوں کا رواج اور زیادہ ہوا۔ اگر ان کو دساتیر کی اصل حقیقت اور آذرکیوانی تحریک کے جعل کا پتہ چلا ہوتا تو برہان پر ان کے اعتراض کی نوعیت کچھ اور ہی ہوتی، لیکن یہ راز افشا نہ ہو سکا اور غالب بھی اس طلسم کے اسیر رہے چنانچہ قاطع برہان کے مقدمے میں[۵۱] رقم طراز ہیں:

"چنانکہ کمال اسماعیل را خلاق المعانی لقب است، اگر این بزرگوار را خلاق الالفاظ خوانند چہ عجب است، جز لغتی چندکہ از دساتیر آوردہ یا دیگر لغات اندک کہ دران تصرف بکار نبردہ ہمہ آشوبِ چشم است و آزارِ دل"

یہ بھی عجب ستم ظریفی ہے کہ برہان قاطع کا سب سے بڑا نقص اس کے سب سے بڑے نکتہ چین کی نظر میں اس کا سب سے بڑا ہنر نظر آیا۔ غالب کے اعتراض کا یہ پہلو کہ صاحب برہان نے الفاظ تراشی میں بڑی فیاضی دکھائی ہے یقیناً قابلِ توجہ ہے اس لئے کہ برہان قاطع میں صدہا مصحف اور مسخ شدہ الفاظ بغیر کسی جرح و تعدیل کے شامل ہو گئے ہیں۔ فرہنگ نویسی کا اہم تقاضا ہے اصل و محرف الفاظ میں فرق کیا جائے، اگر مصحف و محرف الفاظ شامل بھی کر لئے گئے ہوں تو بھی ان کی نشاندہی لازمی قرار پانی چاہیے۔

برہان قاطع بہت مقبول و متداول لغت ثابت ہوئی، ہندوستان کے علاوہ ایران میں بھی اس نے اپنا حلقۂ اثر بڑھایا، بعض فرہنگیں محض اس کی پیروی میں لکھی گئیں، اور اس طرح دساتیری الفاظ فرہنگوں میں شامل ہوئے، ان کے علاوہ متعدد ایرانی مصنفین کے کلام میں اس طرح کے الفاظ راہ پاتے رہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل ادیب قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ ہدایت صاحبِ مجمع الفصحا و انجمن آرای ناصری؛ پور داود لکھتے ہیں[۵۲]:

---

۵۱ ص ۲ ۵۲ رک: مقدمۂ برہان ص ۵۶-۵۳

رضا قلی خاں ہدایت نے مؤلف برہان قاطع کی طرح دساتیر کے سینکڑوں الفاظ کو اپنی فرہنگ انجمن آرائے ناصری میں شامل کر لیا! بعض مقام پر دساتیر یا برہان قاطع کا حوالہ بھی دیا ہے مگر بیشتر جگہوں پر ان دو ماخذوں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ان جعلی لفظوں کے لئے کسی قسم کی مثال ہی پیش کی ہے . . . . ہدایت جس وقت فرہنگ مذکور کی تدوین میں مصروف تھے، اسی درمیان ملا فیروز نے دساتیر شائع کر دی چنانچہ ملک کے بہت سے ادیبوں کی طرح ہدایت نے دساتیر کو قدیم ایران کی مذہبی کتاب سمجھ کر اس کے مہملات کو اپنی تالیف میں شامل کرنے میں صاحب برہان قاطع سے زیادہ مستعدی دکھائی اور بعض مقام پر برہان کی غلطیوں کی اصلاح کی۔

۲۔ دانش متخلص بحکیم، صاحب گنج دانش نے دساتیر کو آسمانی کتاب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کو بمبئی میں چھاپ کر انگریزی ترجمے کے ساتھ ایران بھیجا گیا ہے، اس کی فرہنگ بھی کتاب کے ساتھ شامل ہے۔ ابن خلف تبریزی صاحب برہان نے اس کو دیکھا تھا اور اس کے الفاظ کا ذکر کیا ہے، اب یہ کتاب سامنے ہے، اور اس میں "خرد پسند" مطالب بہت ہیں، پارسیوں کے نزدیک وہ بہت عزیز ہے، وہ اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔[۵۱]

۳۔ فتح اللہ شیبانی نے اپنے دیوان میں مہ آباد اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا ہے، وہ کہتا ہے[۵۲]:

مہ آباد ایں گفت و احمد ہمیں ‏ ‏ ‏ ‏ چہ پیچی تو در آن سنہ عیسوی

۴۔ میرزا فرصت شیرازی شاہ نامہ کی مدح[۵۳] میں لکھتا ہے:

فرو ہیدہ کز رہ نیسر نود ‏ ‏ ‏ ‏ ہویداست از گفت او فرزبود

نہ شہنامہ، دریای ژرف است این ‏ ‏ ‏ ‏ نہ افسانہ، پند شگرف است این

فری برفرازین فردیدہ اش ‏ ‏ ‏ ‏ جہی جامہ ہای ابرخیدہ اش

---

۵۱ مقدمۂ برہان ص ۵۶ ۵۲ ایضاً ص ۵۲ ۵۳ ایضاً ص ۵۳

بفرجو ہای سخن پروری سزد گر زند لاف پیغمبری

۵- امیری ادیب الممالک فراہانی دساتیر شناسی کا دعوے دار اور اس کا دلدادہ تھا، چنانچہ اس کے کلام میں کافی دساتیری الفاظ پائے جاتے ہیں، ایک جگہ کہتا ہے[۵] :

پنج فرجود پدید آمد زشت زرتشت کہ بہ پیغمبریش راست بود پنج گواہ

۶- مرزا اسنگلاخ نے تذکرۃ الخطاطین مسمی بامتحان الفضلا میں ایک طرف عربی کے نامانوس الفاظ کا بکثرت استعمال کیا ہے تو دوسری طرف دساتیری الفاظ نہایت صفائی سے برتے ہیں، اس ضخیم دو جلدی کتاب کا کوئی صفحہ مشکل سے دساتیری لفظ سے خالی ملے گا۔

۷- مرزا رضا خان افتشار نے "پروز نگارش" نام کا ایک رسالہ دساتیری زبان میں لکھا ہے، محمد معین نے اس کی چند سطریں بطور نمونہ درج کی ہیں۔

۸- حاجی زین العابدین نے بستان السیاحہ میں دساتیری الفاظ داخل کئے ہیں۔

۹- سپہر کی ناسخ التواریخ دساتیری عنصر کی حامل ہے۔

۱۰- شیخ احمد کرمانی کا سالار نامہ دساتیری الفاظ کو حاوی ہے۔

۱۱- ناظم الاطبا نے دساتیری اثر کے تحت اپنی فرہنگ کا نام ہی "فرنودسار" قرار دیا ہے۔

آقای پورداود کا خیال ہے کہ قاچاری دور کے بعض[۲] شعرا کا کلام جیسے قاآنی، یغما، سروش، فروغی وغیرہ دساتیری الفاظ سے یکسر پاک نہیں، دساتیری الفاظ کے لئے فارسی میں کوئی جگہ نہیں؛ ان کی آمیزش سے فارسی زبان پر ضرب کاری لگی۔ ملک الشعراء بہار نے عبارتِ ذیل میں اس کی طرف اشارہ[۳] کیا ہے :

"اگرچہ در عصر محمد شاہ (قاچار) بوسیلۂ کتاب برہان جامع خواستند اصلاحی بعمل آورند ولی فائدۂ نہ بخشید و آن ہرج و مرج ہنوز دایر و سائر است۔"

لیکن آقای پورداود، ملک الشعراء بہار وغیرہ کی کوشش بے سود نہیں رہی آخر

۱؎ مقدمہ برہان ص ۵۳ ۲؎ ایضاً ۳؎ سبک شناسی ج ۱ ص ۱۷۲

دساتیری طلسم کا پردہ چاک ہوگیا، ڈاکٹر معین نے صراحتہً[۵۱] لکھا ہے :

"خوش بختانہ بر اثر انتشار مقالات بعضی فضلا و معاصر از استعمال لغات و اصطلاحات خاص فرقۂ آذر کیوانی (پیرو دساتیر) بسیار کاستہ شدہ و امید است بکوشش ادبای و دانشمندانی زبانِ ابن سینا و بیرونی و فردوسی و سعدی و حافظ از تباہی بدور ماند"

برہان قاطع کے دساتیری عنصر کی طرف ایرانی ادیبوں میں سب سے پہلے بہار اور پورداود نے توجہ کی، ملک الشعراء بہار سبک شناسی[۵۲] میں لکھتے ہیں :

"ہندوستان میں پرانے مذہبی و فلسفیانہ عقائد کی طرف عام میلان کا یہ اثر ہوا کہ بعض لوگ، کے دل میں موقع سے فائدہ اٹھانے اور ہندوستان کے ان لوگوں کی توجہ جلب کرنے کا خیال پیدا ہوا جو فارسی دانی یا قدیم ایران کی تاریخ و زبان کی استادی کے دعوے دار تھے۔ وہ لوگ خالص فارسی (فارسی سرہ) میں کتابیں لکھنے اور مہ آباد و جی افرام وغیرہ کے بے بنیاد حالات کے سلسلے میں بے اصل مطالب کے نشر کرنے میں مشغول ہوئے اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی کے اندر لغت و تاریخ کی بعض کتابیں از قسم برہان قاطع و دساتیر و شارستان و چہار چمن و آئین ہوشنگ وغیرہ جو تمام تر وہمی خیالات و بے بنیاد الفاظ و اصطلاحات پر مشتمل تھیں، مرتب ہوگئیں ..... اور ایران میں بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز قرار پائیں۔ انھیں ایام میں قاچار یہ دور آ گیا اور ادب فارسی میں وسعت و تازگی پیدا ہوئی خصوصاً اس دور کے ادیب و شاعر قدیم طرز پسند کرنے لگے۔ پرانے الفاظ کے سمجھنے کی فکر ہوئی تو دساتیر و برہان قاطع (جو[۵۳] باہم ایک دوسرے کے مقابل تھیں) ادیبوں کے مطالعے میں آئیں اور اس طرح ان کے جعلی

---

[۵۲] مجلۂ دانشکدۂ ادبیات ۲ ص ۲۴ ۱۳۳۵ سبک شناسی ج ۳ ص ۱۹۱ میں بہار نے برہان کو کتاب نفیس قرار دیا ہے، یہاں اس کے دساتیری عنصر کی طرف اشارہ ہے۔

الفاظ اور بے اصل روایات اشعار میں داخل ہونے لگے"

ایک بار پھر لکھا ہے[94]:

"ہندوستان میں عہدِ اکبری میں جب آزادیٔ فکر کا دور دورہ ہوا تو بعض جعل سازوں نے جن کو حکمت مشائی (ارسطوئی)، داشراق (افلاطونی) اور علم لغت کے بارے میں کچھ دستگاہ تھی، بے اصل کتابیں دساتیر کے مانند لکھیں۔ دساتیر ایک مجہول شخص کی جعلی کتاب ہے جو اپنے کو زرتشتی کہتا تھا، مگر اس کو نہ دین زرتشت کے اصول سے واقفیت تھی اور نہ اوستائی اور پہلوی زبانوں سے سروکار تھا۔ اس نے بذاتِ خود جعلی الفاظ بنائے اور بے بنیاد تاریخیں اور بے اصل باتیں فلسفیانہ رنگ میں ایسی جماعت کی طرف منسوب کیں جو اس کے خیال میں قدیم ایران میں حکومت و نبوت کے منصب پر فائز تھی۔ ملا فیروز پسر کاوس زرتشتی نے دھوکے میں آکر دساتیر اور جہار چمن کو شائع کر دیا۔ یہ اور اس سلسلہ کی دوسری کتابیں جیسے شارستان، آئین ہوشنگ دبستان المذاہب وغیرہ گیارھویں صدی اور اس کے بعد مرتب ہوتی رہیں، اور بعض فرہنگ نویس از قسم محمد حسین تبریزی مؤلف برہان قاطع، اس فریب میں آکر ان کتابوں کے بے بنیاد و خود ساختہ لفظوں کو صحیح سمجھ کر اپنی کتابوں میں شامل کرنے لگے۔ مولف برہان کو ایک دھوکہ ہوا، فارسی الفاظ کی جمع آوری کے شوق میں وہ بعض کم پڑھے لکھے زرتشیتوں سے ملا۔ ان لوگوں نے بعض ہزوارش الفاظ جنھیں اپنے اجداد سے سنا تھا. . . لیکن جن کے پڑھنے سے وہ واقف نہ تھے، ان کو مؤلف برہان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ یہ زند و پازند کے لغات ہیں، چنانچہ اس نے ان ہزوارش الفاظ کو تحریف اور غلط خوانی کے ساتھ برہان قاطع میں محفوظ[95]

---

[94] سبک شناسی ج ۱ ص ۲۹۲ [95] مثلاً چشم کا ہزوارش عینہ ہے جس میں ا، ی، ن، ہ چار حرف آئے ہیں، پہلوی میں الف کو عین پڑھنا چاہیے۔ چونکہ آخری کلمہ کی ہ پہلوی حرف 'م' اور 'ن' کے مشابہ ہے جو ملا کر لکھے گئے ہوں، اس بنا پر غلطی سے اس کو ایمن پڑھا اور صاحبِ برہان نے اس کو الگ لفظ سمجھ کر اس کے معنی اس طرح بیان کئے: ایمن بزبان زند و پازند چشم را گویند (رک سبک شناسی ج ۱ ص ۲۲۵) ڈاکٹر محمد معین نے مقدمۂ برہان ص ۱۰۲ - ۱۰۳ پر برہان کے تمام ہزوارش لغات کی فہرست درج کر دی ہے۔

کردیا۔ یہ سارے کے سارے الفاظ فارسی میں داخل ہو گئے اور شیبانی، ادیب الممالک اور فرصت الدولہ وغیرہ کے کلام میں بے تکلف استعمال ہونے لگے ؟"

پورداود نے دساتیر کے جعل سے متعلق کئی مقالے لکھے ہیں، ایک مقالہ میں بُرہان کے دساتیری عنصر کے بارے میں چند بار اشارہ کیا ہے[1] :

"زبان تفسیر دساتیر فارسی است، اما چہ فارسی، پارسی سرہ در ہر جا کہ معادل کلمۂ عربی لغتی در فارسی نیافت خودش ساخت، ہمیں لغتہای ساختگی است کہ پارسی درست پنداشتہ شدہ ودر برہان قاطع و انجمن آرای ناصری رفتہ یافتہ است . . . . نویسندۂ برہان قاطع صدہا ازاین لغتہا یادکردہ و در ہیچ جای آن فرہنگ بروز نداده کہ این گوہر گرانبہا ازکدام گنج شایگان بچنگ آوردہ است . . . . اگر دساتیر درست است چرا ہیچیک از فرہنگہای کہ پیش از برہان قاطع نوشتہ شدہ لغتہای آنرا یاد نکردہ اند ؟ چرا در اشعار شعرای پیش . . . . یکی ازاین لغتہا ہم دیدہ نمی شود ؟ چرا در ہزارہا کتاب نظم ونثر سخنی ازمہا باد وجی افرام وشا کلیو ویاسان نیست ؟ چرا از خود دساتیر پیش از انتشارش در ہیچ جا نام ونشانی نبود؟"

تفصیلاتِ بالا سے بخوبی واضح ہے کہ مؤلف بُرہانِ قاطع نے دساتیر اور آذرکیوانی فرقہ کے مہملات سے کافی دھوکا کھایا ہے ؛ وہ دساتیر کو آسمانی کتاب سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کے مطالب ومندرجات دقیع اور اس کی زبان کی حیثیت مستند ہے، قطع نظر دساتیری الفاظ کے جو اس کی فرہنگ میں کئی سو کی تعداد میں ملتے ہیں، وہ دساتیری مطالب کا ذکر بڑی اہمیت کے ساتھ کرتا ہے ؛ مثلاً آبادیان کے ذیل میں لکھتا ہے :

"آبادیان بایای حطی بروزن ناقابلان امت مہ آباد را گویند واو اولین

---

[1] مقدمۂ برہان ص ۵۴ - ۵۵

پیغمبری بودہ است کہ در عجم مبعوث شدہ وکتاب اورا دساتیر خوانند"
لغت اجنبان کے ذیل میں رقم طراز ہیں :

"اجنبان بز-بان دساتیری حرکت را گویند چنانچہ جنبان صاحب حرکت را"

اخواستی کے متعلق یہ اطلاع دیتا ہے :

"اخواستی بواو معدولہ بروزن نخواستی بمعنی غیر ارادی باشد چہ خواستی بمعنی ارادی است، بزبان دساتیر"

آذر ہوشنگ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے :

"نام اولین پیغمبری است کہ بہ عجم مبعوث وا ورامہ آباد نیز گویند وامتان اورا ہوشنگیان خوانند۔"

پیمان فرہنگ کو اس طرح متعارف کیا ہے :

"نام کتابی است در آدابِ جہانداری از مہ آباد کہ اولین پیغمبر عجمیان است"

جی افرام کے بارے میں یہ اطلاع بہم پہنچائی گئی ہے :

"جی افرام با فا ورای قرشت، نام پیغمبری است از پیغمبرانِ عجم"

شای کلیو کے بارے میں لکھتا ہے :

"شای کلیو بفتح کاف ولاف بتحتانی رسیدہ وبواو زدہ، نام پیغمبری است از پیغمبرانِ عجم"

مہ آباد دساتیری عقاید کے لحاظ سے اولین پیغمبر ہے، صاحبِ بُرہان اس کو اس طرح متعارف کراتا ہے :

"مہ آباد بابای الف کشیدہ وبدال ابجد زدہ نام اولین پیغمبری است کہ بہ عجم مبعوث شدہ وکتابی آورد کہ آنرا دساتیر خوانند"

یاسان کے متعلق یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے :

"یاسان بروزن آسان بمعنی لائق وسزاوار باشد ونام پیغمبری ہم ہست از پیغمبران عجم"

اس سلسلہ میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ معنی اول جو یہاں بیان ہوئے ہیں وہ فارسی لفظ یاسان کے ہیں اور معنی دوم دساتیری ہے، اس کا فارسی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

برہان کے سلسلہ سے یہ بات بھی کم اہم نہیں کہ اس کتاب میں لفظ دساتیر کی جداگانہ لغت کی حیثیت سے تشریح نہیں ہوئی، شاید فرہنگ نگار کے ذہن میں یہ بات رہی ہوگی کہ یہ لفظ عربی ہے اس لئے اس کو خالص فارسی الفاظ کے ذیل میں ذکر نہ کرنا چاہئے۔

اگرچہ ابن خلف نے برہان قاطع میں سارے دساتیری الفاظ شامل نہیں کئے، لیکن جو الفاظ اس میں داخل ہیں وہ کئی سو کی تعداد میں ہیں۔ ڈاکٹر معین نے برہان قاطع کے ایڈیشن میں جا بجا حاشیے میں ان کی نشاندہی کی ہے، ان کی تشریح سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کون سے الفاظ دساتیری ہیں جو فارسی میں نہیں پائے جاتے اور کون سے الفاظ ایسے ہیں جو فارسی میں مستعمل ہیں، لیکن دساتیر میں ان کے کچھ اور معانی بیان ہوئے ہیں۔ راقم الحروف نے اس سلسلہ میں کوشش کی ہے کہ ایسے الفاظ کی ایک فہرست مرتب ہو جائے تاکہ واضح طور پر معلوم ہو سکے کہ برہان قاطع میں دساتیری عناصر کی اصل حقیقت کیا ہے:

آباد (معنی مخصوص)[1]	آبادیان	آبتین (معنی مخصوص)	آدم پیرا
آذرہوشنگ	آرش	آشام[2]	آمیزہ (معنی مخصوص)
آمیغ (معنی مخصوص)	آمیغی	ابرخیدہ	اجنبان
اخواستی	ارزانش	اشکیود	اوچیزی
اہمہ	ایگینی	ایرج (معنی مخصوص)	
بادآہنگ	بادنوا	باس (معنی مخصوص)	بالستہ ہستی

---

[1] اس فہرست میں جو الفاظ فارسی اور دساتیر دونوں میں مشترک ہیں ان کے سامنے معنی مخصوص لکھ دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ دساتیر میں دوسرے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

[2] فرہنگ دساتیر اور جہانگیری و برہان میں یکساں ہیں۔

بربست	بربستگان[1]	برفر	برموده[2]
بس خواسته	بشین	بندیشه	بوباش
بیارش بندور	بموری	پاچایه	پاز (معنی مخصوص)
پازتاری	پازتاریان	پای خوان	پرخیده
پروردگار (معنی مخصوص)	پنده (معنی مخصوص)	پودات	پوداتان
پوران (معنی مخصوص)	پیچه (معنی مخصوص)	پیره	پیمان فرہنگ
پیکرستان (معنی مخصوص)	تازه (معنی مخصوص)	تادریده	تادر
تمودان	تندبار	تنگسار	توان (معنی مخصوص)
تیل (معنی مخصوص)	تیمسار	تہمورس (معنی مخصوص)	جاور
جادرکردن	چرخ (معنی مخصوص)	چرخه (معنی مخصوص)	چمراس
چمیان	خدیه	خوش خواہش	داددند
دادی گونه	درایش	دششته	دشمیر
دما (معنی مخصوص)	دمان (معنی مخصوص)	دمان کش	دھضاو
راست بود	روان آورد	روان بخش	روان بد
روان کرد	روائی (معنی مخصوص)	رودکش معنی مخصوص	زاب
زابیدن	زنجه (معنی مخصوص)	زندش	زودانداز (معنی مخصوص)
ساک	سپہرار	سپہره بند	سترسا
سترکش	سمیز	سمینه	سنجر
سنجرستان	سنگاش	سنگسار (معنی مخصوص)	سومه
سیاک (معنی مخصوص)	سیاوخش (معنی مخصوص)	سیمراخ	سیمتاخ

۱؎ اس کو بربست کی جمع قرار دیا ہے جو صحیح نہیں، یہ بربستہ کی جمع ہے، مگر بربستہ کے معنی الگ ہیں اور بے جان ہے اس لئے' ان کے اضافے سے اس کی جمع بھی اس اعتبار سے درست نہ ہوگی۔

۲؎ برموتہ بھی اسی معنی کے اعتبار سے دساتیری ہے۔

سیمناد	شایسته بود	شایسته هستی	شای کلیو
شمپوری	شمرسش	شمندہ (معنی مخصوص)	شمیدہ (معنی مخصوص)
شوند	شوندان	شوہ (معنی مخصوص)	شیداسپہبد
شیداب	شیدآہرمن	شیدرنگ	شیم (معنی مخصوص)
فراتین	فرازمان	فرت (معنی مخصوص)	فربارہ
فربود (معنی مذکور)	فربودی	فرتاش	فرجاد
فرجود	فرخشور	فروفر	فرزبود
فرزندشاد	فرزو	فرساد	فرسنداخ
فرفروزان	فرگاہ	فرگفت	فرمند
فرنود	فرنودسار	فروتندہ	فروز (فروزہ)
فروزان فر	فروزگان	فروزہا	فروکاس
فروہر	فروہندہ (معنی مخصوص)	فرہنگاخ	فرہودی (معنی مخصوص)
فند (معنی مخصوص)	فیمان	فریب گاہ	کات (معنی مخصوص)
کامود	کادس (معنی مخصوص)	کرتاخ	کرسنج
کرویز	کریود دویم	کسود	کشاک
کشتاد	کشنب (معنی مخصوص)	کشکہای پرتو	کشیدہ
کشود (معنی مخصوص)	کیاباد	کیش مند	کیفوس
کیو (معنی مخصوص)	کیود (معنی مخصوص)	کیودہ کیش	گران دود (معنی مخصوص)
گردش (معنی مخصوص)	گردشندہ	گردک (معنی مخصوص)	گرِدَر
گرورفرتاش	گریود دم	گزنیش (معنی مخصوص)	گزینی
گشپ (معنی مخصوص)	گشپی	گودرز (معنی مخصوص)	گویہ
گویش (معنی مخصوص)	گیور (معنی مخصوص)	لخت (معنی مخصوص)	لختیہا
لہاک	مانندآباد	مانیستار	مسرود

مود	مہ آباد	مہ مرد (معنی مخصوص)	میدن
ناندیش	نابسی	ناجزانجام	ناسرایش
نادر	نادرفرتاش	نبناد	نپرایش
نبوت	نمار	نمشتہ	نمیرا
ننگسار (معنی مخصوص)	نواد	نوتاش	نودر
نودسار	نودہ	نورسادہ	نوسیرہ
نوشو	نولہ	نوہ (معنی مخصوص)	نیرنود
نیماد	نیناد	نیواد	نیوار
نیوتش	نیوتور	نیور	نیوراد
نیورنیوار	نیوساد		نیوسوم
نیوہ چمینہ	وخر	وخشورنہاد	درشیم
دن (معنی مخصوص)	وندسار	ونکہ	وئیرش
ہابیغی	ہدمان	ہرآئنید	ہرتوز
ہرزید	ہرنیدساد	ہرنیز	ہرنیزمند
ہستی (معنی مخصوص)	ہماد	ہمادی	ہمادیان
ہمافتہ	ہمرس ہمرفشدہ	ہمیراز	ہنایش
ہنوتاس	ہودل	ہودل بناد	ہوشنگ (معنی مخصوص)
ہوش وآز واژن	ہوشیدن	ہیراد	یاسان

غالب دساتیراور فرقۂ آذرکیوان کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے تھے جو صاحبِ برہان قاطع کا تھا، چنانچہ اسی توافقِ نظر کا ذکر ہم شروع میں کرچکے ہیں اور غالب کا وہ قول جو انھوں نے مقدمۂ برہان قاطع میں پیش کیا ہے درج کرچکے ہیں غالب مزید اسی کتاب میں ایک جگہ پھر لکھتے ہیں :

"مگر گفتہ آید کہ نبی بپارسی زبان گفتار خدارا گویند، گوئیم آری پارسیان

نیز دساتیر و ژند و اوستا را کلامِ الٰہی گویند لیکن آنرا نامۂ آسمانی و فراتین نواد نامند نہ نبی، بایں ہمہ پذیرفتیم کہ کلامِ الٰہی را نبی گویند الخ "

اس بیان میں تین کتابوں کے نام جس ترتیب سے آئے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں، دساتیر ایران کی قدیم ترین آسمانی کتاب سمجھی جاتی ہے، اس لحاظ سے اس کا نام سب سے پہلے آیا، لیکن زند (ژند غلط ہے) اوستا کی پہلوی شرح ہے۔ اول یہ کوئی الگ کتاب نہیں دوم اوستا کے بعد وجود میں آئی اس لئے اگر اس کے ذکر کی ضرورت بھی ہوتی تو اس کو اوستا کے بعد ذکر کرنا چاہیئے۔ فراتین نواد دساتیری لفظ ہے۔ اس کی بحث بعد میں آئے گی۔

دساتیر کے متعلق غالب نے اپنا نقطۂ نظر اس طرح پیش کیا ہے :

" دساتیر صحیفۂ چند است کہ بر پیمبرانِ پارس نازل شدہ است و آن زبان بہیچ زبان مشابہ نیست، ساسان پنجم آنرا در زبان پارسی ناآمیختہ بعربی ترجمہ کردہ است "

دستنبو کے آخر میں ایک رباعی میں بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے :

زینسان کہ ہمیشہ در روانی مائیم ٭ سرچشمۂ راز آسمانی مائیم
لختی ز دساتیر بود نامۂ ما ٭ ساسان ششم بہ کاردانی مائیم

غالب نے دساتیری الفاظ بڑی چابک دستی سے استعمال کئے ہیں اس سلسلہ میں چند مثالوں پر قناعت کی جائے گی :

مثلاً آرش بمعنی " معنی " کی مثال ———— :

" کوتاہی سخن ایں گزارش در نگارش بریں آرش اساس گزید کہ سر آغاز عبارت کتاب را بنام کتاب کہ برہان قاطع است، امتیاز دادہ ام "

" از روی نگارش سراسر آرش نامی نامہ کہ بنام خود ازین بہ نشان دفتر نواب ..... خواستہ اند، پیدائی گرفت " (پنج آہنگ ص ۲۴۰)

" ہرگاہ ہوشمندان سخندان این نگارش بی آرش را خواہند نگریست الخ "

(ایضاً ص ۲۵۲)

چہر بمعنی ہویدا و آشکار کی مثال ایک دلچسپ عبارت میں :

"ہمچنیں ساسان در فارسی و سنیاسی بہ تغیر صورتِ لفظ در ہندی بمعنی درویش مجرد نامقید و اینکہ ساسان نام خسروی بود از خسروان ایران ہم از اینجاست کہ آن خسروزادہ ترک لباس کردہ بکسوت قلندران در آباد و ویران وکوہ و دشت میگشت۔ چون این چنین درویش را در ایران ساسان گفتندی وا و در ایران بدان پوشش خجر شد لاجرم بدین نام سمر شد بہمین نام بر تخمہ و نشراددی ماند در روایتی آنست کہ پدرش برای زیستن نام وی ساسان نہاد، ہمدرین دو فائدہ دیگر توان اندوخت، یکی اینکہ خجر بہرد و فتحہ بزبان دری با ہویدا و نمودار و آشکار مترادف بالمعنی است الخ (قاطع برہان ص ۹۳)

سمراد بمعنی وہم وگمان کی مثال :

"گرانجا نانی کہ بہستی اشیا ہستو شدہ انداز سمراد جز سمراد چہ وا شکافتہ چنانکہ پردہ سنج این سوز و ساز خداوند گلشن راز فرماید۔

ہر آں کس راکہ اندر دل شکی نیست یقین داند کہ ہستی جز یکی نیست"

(پنج آہنگ کلیات ص ۵۴)

سنجر بمعنی درویش وسنجرستان بمعنی خانقاہ :

"چنانکہ درویش قلندر، ریش و بروت وابرو استردہ را ساسان نامند سنجر فقیر متورع متشرع صاحبِ خرقہ وعمامہ را خوانند و سنجرستان خانقاہ "

(قاطع برہان ص ۹۳)

فرتاب بمعنی کرامت کی مثال :

"چون این ہمہ نام آوری بفرتاب سخن گستریست این فیض ازلی را اگر نپذیرم چہ کنم ؟ "

فریور بمعنی صاحبِ دبدبہ و بزرگ کی مثال :

"نگارندہ این نامہ را آن در سر است کہ بس از انتخاب دیوان ریختہ بگرد آوردن سرمایۂ دیوان فارسی برخیزد و باستفاضۂ کمال این فریورفن پس

زانوی خویشتن نشیند" (پنج آہنگ کلیات ص ۶۰)

فروکاس بمعنی فرومایہ کی مثال :

"چہ گفتم و ازین چہ خواستم ؟ فرومایہ کتابی نوشت و در آن فروکاس نام جامع برہان قاطع را کہ یکی از عوام دکن است بہمہ دانی نام گرفت و غالب را کہ جز زباندانی فرزانگان پارس گناہی ندارد بزبانِ خامہ بباد دشنام گرفت"

ذیل میں غالب کے کلام کے دساتیری الفاظ کے بارے میں ایک یادداشت پیش کی جاتی ہے :

آرش بہ رای مکسور بمعنی معنی (آ، د، فش، ق) برہان قاطع میں بفتح سوم و سکون سین کئی معنی دئے ہیں پھر یہ آیا ہے : بکسر ثالث بمعنی معنی باشد کہ در مقابل لفظ است۔

یہ معنی دساتیری ہے جیسا کہ فرہنگِ دساتیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

(رک : برہان ج ۱ ص ۳۱)

میغ بمعنی حقیقت، آمیغی بمعنی حقیقی (د، قغ)؛ برہان قاطع میں ہے :

آمیغی بسکون غ نقطہ دار بمعنی حقیقت بود کہ در مقابل مجاز است، و آمیزش دو چیز باشد باہم ......"

معانی اخیر کے لحاظ سے یہ لفظ فارسی ہے، مگر آمیغ کے معنی حقیقت دساتیری اثر کی نشاندہی کرتا ہے۔ جیسا کہ فرہنگ ایران باستان اور فرہنگ دساتیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

آمیغی کے صرف ایک ہی معنی یعنی حقیقی برہان قاطع میں بیان ہوئے ہیں، چونکہ آمیغ خود اسم مصدر ہے، اس لئے اس پر 'ی' کے اضافے سے اس کو صفت مصدری میں تبدیل کر لیا گیا ہے۔

اجنبان : مرادف ناجنبندہ بمعنی ساکن (فش، ق)۔ برہان قاطع میں ہے :

اجنبان بزبان دساتیر بروزن مجنبان، بی حرکت را گویند چنانچہ جنبان صاحب حرکت را؛ برہان اور خود فرہنگ دساتیر سے واضح ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے۔

(رک : برہان ص ۸۹)

ارزانش : بروزن ہر دانش خیرات و ایثار، خیر خیرات (تیغ، فش، ق) برہان قاطع میں یہی معنی

درج ہوئے ہیں، فرہنگ دساتیر سے واضح ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے، برہان ہی میں ارزانی کے ایک معنی مردم درویش و فقیر و مستحق بھی دئے ہیں ممکن ہے یہ بھی دساتیری ہوں، اس لئے کہ ارزانش کے معنی: چیزی در راہِ خدا بردن دادن باشد، سے مناسبت ہے۔

باس: در لسانین مشترک است، بزبان دری اشارہ بہ ماضی بعید و در عرف اہلِ ہند ایما بہ ماضی قریب، چنانکہ آب و نان دوشینہ را باسی خوانند دیگر باس در ہندی بمعنی سکونت است و در فارسی باش و باشندہ و بود باش نویسند و گویند، و تبدیل شین منقوط بسین بی نقطہ در ہر دو زبان دستور است۔ (فش، ق)

برہان قاطع سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں آیا ہے:

باس بروزن طاس بمعنی قدیم باشد کہ در مقابل حادث است۔

لیکن یہ معنی دساتیر سے ماخوذ ہے۔ دراصل یہ لفظ فارسی کے اصیل لفظ باستان میں حذف 'تان' سے تراشا گیا ہے' (رک: برہان حاشیہ اص ۲۲۱)

برشِ دید: بضمۂ بای موحدہ و تشدید رای قرشت مکسور بسین زدہ، ترجمۂ قطع نظر (د، م) دساتیر کے ماننے والوں نے صدہا الفاظ و اصطلاحات وضع کئے ہیں، ان میں سے بعض عربی الفاظ و مرکبات کے ترجمے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے، اسی قبیل کے پنج یا بندہ درونی (حواسِ خمسۂ باطنی) اور پنج یا بندہ برونی (حواس خمسۂ ظاہر) وغیرہ ہیں

(رک مجلۂ دانشکدہ ادبیات تہران شمارہ ۲، ۳)

برینی بمعنی علوی؛ برنیان بمعنی علویان: واضح ہے کہ 'برینی' فارسی لفظ برین میں 'ی' کے اضافے سے بنا ہے۔ فارسی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جب یہ اصل ہے تو برینیان اس کی جمع بدرجۂ اتم بے بنیاد ہے۔ یہ دونوں لفظ دساتیری ہیں، جیسا کہ مجلۂ دانشکدہ ادبیات سال سوم سے ظاہر ہے۔

پایخوان: بمعنی ترجمہ (د، فش، ق، م)؛ برہان میں اس کی شرح یوں ہے:

پایخوان بواد معدولہ بروزن آسمان بمعنی ترجمہ باشد و آن معنی لغتی است ازربانی بزبانی دیگر، لغت نامہ دھخدا میں) یہ جعلی قرار دیا گیا ہے اور فرہنگ دساتیر میں بھی

یہ بھی لفظ شامل ہے۔

پاچایہ: بجیم تازی، اسم مستراح است واینکہ در عرف مستراح را پاخانہ گویند، ہمان تصحیف پاچایہ است کہ شہرت یافت (فش، ق)؛

مرزا نے تیغ تیز میں مزید یہ اضافہ کیا ہے:

"پاخانہ و پاجایہ دونوں متحد المعنی ہیں، وہ پانو کا گھر یا پانو کی جگہ، قدم جای و قدم خانہ دونوں ان کے مرادف مسمی ایک اور اسم چار..... پاجایہ میں ہای ہوز نسبتی نہیں ہای زاید ہے۔ جیسے بوس و بوسہ، آتش گیر و آتش گیرہ، بلکہ عربی لغات میں بھی جیسے موج و موجہ، یا جیسے سبز کے آگے ہای ہوز بڑھا کر سبزہ ایک اسم قرار دیا اسی طرح پاجای کے آگے ہای ہوز لا کر اسم بنا دیا؛ دراصل نہ پاخانہ پانو کا گھر نہ پاجایہ پانو کی جگہ، پای اور پاژ زبان فارسی میں ارذل چیز کو کہتے ہیں جیسے کہنا اس کو پا کار، چونکہ یہ گھر اور جگہ ذلیل ہے اس کو پاخانہ یا پاجایہ کہا۔

بُرہان قاطع میں پاجایہ کے بجائے پاچایہ ہے اور اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

"پاچایہ بفتح تحتانی پلیدی و نجاست ہر دو راہ را گویند کہ بول و غایط باشد"

فرہنگ دساتیر اور فرہنگ ایران باستان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہیں۔ برہان کے معنی کی تائید فرہنگ دساتیر اور فرہنگ ایران باستان سے ہوتی ہے جو غالب سے بالکل مختلف ہے بہرحال پاجایہ یا پاچایہ کا زبانِ فارسی سے کوئی تعلق نہیں۔

تیمسار... بروزن تیم کار مرادف شت کہ ترجمۂ حضرت است (فش، ق) برہان قاطع میں اس کی تشریح یوں ملتی ہے:

"تیمسار با سین بے نقطہ بروزن پیشکار کلمہ ایست کہ آنرا بعربی حضرت میگویند"

آقای دکتر معین نے حاشیہ میں لکھا ہے:

"از برساختہ ہای (فرقۂ آذر کیوان، رک فرہنگ ایران باستان و فرہنگ دساتیر، مرکب از تیم (کارہ و انسرا) سار، امروز عنوان خطاب امرای لشکر از سرتیپ بالا

جادر: بروزن بادر بمعنی حال؛ جادر گردش بمعنی تغیر حال یعنی انقلاب
(بر قع، س، م)

برہان قاطع میں ہے: جادر بروزن بادر بمعنی حال باشد چنانکہ اگر گویند چہ جادر داری؟ مراد آن باشد کہ چہ حال داری؟ ڈاکٹر معین کی حاشیۂ برہان میں مندرجہ تشریح سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لفظ پہلوی ہے جس کے معنی مدت، وقفہ کے ہیں اور بندھشن وغیرہ میں اس کا استعمال ہوا ہے لیکن یہ لفظ فارسی میں مستعمل نہیں اور برہان نے جو معنی دیا ہے وہ دساتیری ہے۔ جیسا کہ فرہنگ دساتیر سے بھی ظاہر ہے؛ جادر گردش جس کا ذکر غالب کے یہاں پایا جاتا ہے وہ برہان سے غیر حاضر ہے۔

چمر:- بہر دو فتحہ بزبان دری با ہویدا و نمودار و آشکار مترادف با لمعنی است۔ برہان میں یہ لفظ شامل نہیں، دراصل یہ لفظ فارسی لفظ "چم" (فش، ق) میں را کے اضافے سے تراشا گیا ہے۔ جیسا کہ پورداود نے قیاس کیا ہے۔ (مقدمہ برہان ج ا ص ۵۵)

دشست: بروزن ہر شست بہر دو کسرہ در فارسی چیزی کہ حس بصر مدرک آن تواند بود (فش؛ ق) لیکن دری کشا میں دشستہ درج ہے اور برہان قاطع میں دشستہ بمعنی محسوس اور دشستہا بمعنی محسوسات آیا ہے۔ آقای دکتر معین کی نشاندہی کے مطابق یہ لفظ دساتیری ہے؛ فارسی سے کوئی تعلق نہیں۔ (رک: حاشیہ برہان قاطع)

دیماس: لغتی است دری و پہلوی بمعنی توضیح و تصریح، تیمسار ساسان نجم کہ ترجمۂ دساتیر رقم کردہ اند، دیماس را بمعنی توضیح چند جا آوردہ اند (فش، ق)

برہان قاطع میں ہے:

"دیماس ترجمۂ توضیح شدن و ظاہر گردیدن است" حاشیۂ برہان چاپ سوم کلکتہ میں اضافہ ہے۔ مخفی نماند کہ دیماس در کتب لغت عربی مثل قاموس وغیر آن بمعنی پوشیدگی و بمعنی خانۂ کہ حیوانات مثل روباہ و شغال زیر زمین کندہ باشند، و بمعنی حمام و نام محبسی کہ حجاج بن یوسف ساختہ بود، آمدہ است۔ اما بمعنی توضیح و واضح شدن و ظاہر گردیدن کہ مصنف برہان آوردہ

در ہیچ کتبِ متداولہ عربی و فارسی بنظر نرسیدہ"
ڈاکٹر معین کی نشاندہی کے مطابق یہ لفظ آذر کیوانی فرقہ کا تراشا ہوا ہے۔
(رک : برہان حاشیہ)

سمراد : بسین مفتوح (پ۔د)۔ برہان میں ہے : سمراد بروزن فرہاد بمعنی وہم وفکر وخیال باشد۔ ڈاکٹر معین کی توضیح کے مطابق یہ لفظ آذر کیوانی فرقے کا وضع کیا ہوا ہے جو دبستان المذاہب میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی مزید تائید فرہنگِ ایران باستان اور فرہنگ دساتیر سے ہو جاتی ہے۔ (رک : حاشیۂ برہان ص ۱۱۶۵)

سنجر : چنانکہ قلندر، ریش و بروت و ابرو ستردہ را ساسان نامند، سنجر فقیر متورع صاحب خرقہ و عمامہ را خوانند، (فش۔ق) برہان قاطع میں ہے : سنجر بروزن خنجر . . . . مردمان صاحب حال و وجد و سماع را نیز گویند۔ لیکن یہ معنی دساتیری ہے جیسا کہ فرہنگ دساتیر سے واضح ہے۔
(رک : برہان حاشیہ ص ۱۱۷۱)

سنجرستان : خانقاہ، (فش۔ق) برہان میں اس کے صرف یہ معنی درج ہیں :
بمعنی خانقاہ باشد و آن جائی است کہ مردمان در آن وجد و سماع کنند، چہ
سنجر بمعنی مردمان صاحبِ حال و ستان جای بسیار چیزہا باشد"
فرہنگ دساتیر میں اس لفظ کا شمول اس کے دساتیری ہونے پر گواہِ عادل ہے۔

سیمراخ : بوزن نیم باز آنچہ از حق بہ تضرع خواہند و سیمراخ را بہ پذیرفتہ شدن و ناپذیرفتہ شدن ستایند یعنی اجابت و عدمِ اجابت (فش۔ق)
برہان قاطع میں اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے : سیمراخ چیزی از خدای خواستن۔ ڈاکٹر محمد معین کی نشاندہی کے مطابق یہ لفظ دساتیری ہے۔ (رک : برہان قاطع حاشیہ ۱۲۱۰)

سومہ (بمعنی حدود)، برہان میں بھی انتہا و حد و طرف کے معنی میں آیا ہے۔ یہ لفظ فارسی میں مستعمل نہیں اور فرہنگ دساتیر میں شامل ہے۔ برہان میں "سون" بھی اسی معنی میں ہے اور بظن قوی دساتیری معلوم ہوتا ہے۔ (رک : حاشیہ برہان ص ۱۹۲)

شیدا سپہبد و اسپہبدی شید، عبارت از نفس ناطقہ است کہ پارسیان آنرا روان گویا نیز گویند

(فش-ق)- برہان قاطع میں ہے: شیداسپہبد بمعنی روان بخش است کہ بعربی روح القدس گویند، یہ دونوں لغات فرقۂ آذرکیوان کے تراشے ہوئے ہیں۔ (رک: حاشیہ برہان ص ۱۲۳۰)

شوہ: ترجمہ سبب (د،م)؛ برہان قاطع میں آیا ہے: بروزن و معنی شبہ است و باخای ہا بمعنی سبب و باعث و مادہ باشد۔ اس اعتبار سے یہ لفظ دساتیری ہے جیسا کہ فرہنگ ایران باستان اور فرہنگ دساتیر سے واضح ہے۔

فرازمان: حکم (د)؛ برہان قاطع میں بھی فرمان و حکم کے معنی میں آیا ہے۔ یہ لفظ دساتیری ہے اور فرمان کے درمیان' از' کے اضافے سے تراش لیا گیا ہے' فارسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس کی تصدیق فرہنگ ایران باستان اور فرہنگ دساتیر سے ہوتی ہے۔

فرتاب و پرتاب: در ہر دو زبان بمعنی بزرگی و قدرت و وحی و کرامت۔

(آ-پ-د-س-فش-ق) یہ لفظ برہان قاطع میں شامل نہیں، لیکن فرتاب و فرداب دونوں دساتیری ہیں جیسا کہ ڈاکٹر معین مجلۂ دانشکدۂ ادبیات تہران سال سوم شمارہ ۲، ۳ سے واضح ہے

فراتین نواد: یہ مرکب قاطع برہان میں آیا ہے جو دو لفظوں سے بنا ہے 'فراتین اور نواد دونوں دساتیری ہیں' برہان قاطع میں فراتین کی اس طرح تشریح کی گئی ہے:

"فراتین با تای قرشت بروزن سلاطین، سخن و گفتار آسمانی باشد چہ فراتین نواد بمعنی آسمانی زبانست و بلغت زند و اوستا نواد زبان را گویند۔"

نواد برہان میں اس طرح حرف نون کے ذیل میں آیا ہے ..... "و بمعنی زبان ہم بنظر آمدہ است کہ عربان لسان خوانند" یہ دونوں لفظ فرہنگ دساتیر اور فرہنگ ایران باستان میں آئے ہیں۔ اس بنا پر ان کا دساتیری ہونا ظاہر ہے۔ فرتاش: وجود (د)؛ برہان میں ہے: بمعنی موجود است کہ در برابر عدم باشد۔ یہ لفظ فرقہ آذرکیوان کا تراشا ہوا ہے دیکھیے حاشیہ برہان ص ۱۴۵۰

فرجود: لغتی است پہلوی بمعنی کرامت و فرجد بضم جیم مخفف آن و درین مصراع امیر خسرو:

فرجدا ز فرجد خود یافتہ

ہمان فرجد است بضم جیم و معنی مصرع اینکہ ممدوح من فرجد یعنی سلطنت جدا ز کرامت دیا وری اقبال یافت (فش،ق)- فرجود دساتیری لفظ ہے جیسا کہ فرہنگ دساتیر سے ظاہر ہے۔ برہان

میں اس کے معنی اس طرح مذکور ہیں :

"فرجود بمعنی معجزہ و اعجاز باشد و اعجاز خلاف عادتی است کہ از انبیاء و کرامت از اولیا بظہور میرسد"

دراصل مصراعِ مذکور میں فرجد اور فرجد میں ایہام ہے فرجد بمعنی باپ دادا کی شان و شوکت اور فرجد بمعنی دادا اور نانا۔ اس اعتبار سے مصراع مذکور کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے اپنے باپ دادا کی شان و شوکت ورثے میں پائی تھی۔

فرزبود : بہ فای مفتوحہ برای زدہ و زای موقوفہ، حکمت، برہان قاطع میں بعینہ اسی معنی میں آیا ہے لیکن ڈاکٹر محمد معین کی توضیح سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے فارسی نہیں۔
(رک : حاشیۂ برہان قاطع ص ۱۴۵۹ و فرہنگ دساتیر ۲۵۶-۲۵۷)

فرسنداخ : بمعنی امت و ہم بمعنی شریعت (فش۔ ق) برہان میں ہے، فرسنداخ مطلق امت را گویند یعنی امت ہر پیغمبر کہ باشد۔ فرہنگِ ایران باستان اور فرہنگ دساتیر سے واضح ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے۔

فرشاد و پرساد : ہم در پارسی ..... باستانی و ہم در ہندیٔ قدیم، ترجمہ تبرک (فش۔ ق)۔ یہ دونوں لفظ برہان قاطع سے غائب ہیں، اصل بات یہ ہے کہ فرشاد سنسکرت لفظ پرساد ہی سے تراشا گیا ہے فارسی سے اس کا تعلق نہیں، دساتیری و آذر کیوانی مجعولیت کی مثال ہے۔ ایک اور دساتیری لفظ فرساد بمعنی حکیم و دانشمند آیا ہے جو شاید غالب کے یہاں استعمال نہیں ہوا۔

فرگاہ : بمعنی بارگاہ و حضرت (د، س، فش، ق م)۔ برہان میں اس کی تشریح یوں ملتی ہے: فرگاہ بروزن خرگاہ، لفظی است کہ آنرا بعربی حضرت میگویند۔ آقای دکتر معین نے حاشیہ میں اضافہ کیا ہے : برساختۂ دساتیر، فرہنگ دساتیر ص ۲۵۷ از فر (پیشوند) + گاہ (جاہ)؛ اس سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے۔

فرگفت : بمعنی حکم (د، م)؛ برہان قاطع میں بھی یہی معنی درج ہیں مگر فرہنگ دساتیر سے معلوم ہوا کہ یہ فارسی نہیں دساتیری ہے (رک : حاشیہ برہان ص ۱۴۶۰)

فروزہ : ترجمہ صفت (د، م)؛ یہ دساتیری لفظ ہے جیسا کہ فرہنگ دساتیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

برہان قاطع میں فروز بضم اول و ثانی و سکون واو و زائے ہوز بمعنی تابش و روشنی و فروغ آفتاب و نیز بمعنی صفت بھی آیا ہے۔ برہان ہی میں دو اور لفظ فروزگان اور فروزہا بھی درج ہیں اور دونوں بصورتِ جمع آئے ہیں فروزگان (جمع فروزہ) بمعنی صفتہا و صفات اور فروزہا جمع فروز بمعنی روشنائیہا و فروغہا و بمعنی صفتہا (جمع صفت) استعمال ہوا ہے، خلاصۂ کلام یہ کہ فروزہ اور فروزگان تو لفظاً اور معناً اور فروز و فروزہا محض صفت اور صفتہا معنی کے لحاظ سے دساتیری ہیں ورنہ باعتبار معنی تابش یہ دونوں لفظ فارسی ہیں۔

فروکاس: مرادف فرومایہ (۱)، پنج آہنگ ص ۲۵۷ میں غالب نے "فروکاس نامہ" بمعنی کتاب فرومایہ استعمال کیا ہے۔ فرہنگ ایران باستان و فرہنگ دساتیر سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے لیکن برہان میں اس کے معنی مردم خسیس و دون ہمت دئے ہیں۔ اس اعتبار سے "فروکاس نامہ" کی ترکیب درست نہ ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ فروکاس اپنے معنی کے لحاظ سے اسم فاعل ہے اور غالب نے بطور صفت کے بمعنی دون و فرومایہ استعمال کیا ہے۔

فرہنگاخ: درمیان، وسط (د، قنغ)؛ برہان میں بھی بعینہ یہی معنی درج ہیں۔ لیکن فرہنگِ ایران باستان اور فرہنگِ دساتیر کی شہادت سے اس کا دساتیری ہونا مسلّم ہے، فارسی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔

فریور: صاحبِ دبدبہ و بزرگ (بُرد، قنغ)؛ لیکن برہان قاطع میں اس کے معنی یہ ہیں:

فریور بمعنی راست و درست باشد ہم چنانکہ گویند فلانی فریور دین و فریور کیش یعنی راست کیش و راست مذہب است،؛ فریور سے فریوری بھی آیا ہے جس کے معنی راستی در دین و درستی در اعتقاد مذکور ہے۔ برہان میں فریور کے ایک اور معنی "گھاس" درج ہیں اور اس اعتبار سے یہ لفظ فارسی ہے۔ چنانچہ یہی معنی فرہنگِ جہانگیری میں بھی آیا ہے اس کے بعد جہانگیری میں اضافہ ہوا ہے۔

"در کتاب فرہنگ قدیم بنظر رسیدہ کہ فربودی راست و درست کیش را گویند۔"

فربود فارسی میں تکبر کے معنوں میں آتا ہے، لیکن برہان قاطع میں فربود کی اس طرح تشریح

کی گئی ہے :

"فربود بمعنی راست و درست باشد چہ فربود کیش' و' فربود دین' کسی را گویند
کہ در کیش و ملت و مذہب خود راست و درست باشد'

فربود سے فربودی بھی بنا ہے جو برہان قاطع میں' فربود کیش' کا مترادف ہے ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فربود فربودی اس معنی کے لحاظ سے اور فربودی لفظاً اور معناً دساتیری ہے ۔ بظاہر صاحب جہانگیری نے جس فرہنگ قدیم کا ذکر کیا ہے وہ دساتیر ہی کی کوئی فرہنگ ہوگی' اس اعتبار سے دساتیر کی مجہولیت گیارھویں صدی کے اوائل تک پہنچتی ہے ۔ غالب نے پنج آہنگ (ص ۶۰) میں فربود فن بمعنی درست فن لکھا ہے' وہاں صاحب دبدبہ منطبق نہیں ہوتا ہے ۔

ناور : بروزن یاور ممکن (د، قنع)؛ ناور فرتاش : ممکن الوجود (د)؛ برہان میں ہے' ناور بروزن خاور بمعنی ممکن باشد کہ در برابر واجب است'؛ ناور فرتاش بمعنی ممکن الوجود چہ ناور بمعنی ممکن و فرتاش وجود را گویند' برہان ہی میں ناوران بمعنی ممکنات درج ہے' یہ تینوں لفظ یعنی ناور' ناوران' ناور فرتاش دساتیری ہیں' فارسی سے ان کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ فرہنگ دساتیر سے ظاہر ہے ۔

مہ آباد : بکسرۂ میم نام نخستین پیمبر است از پیمبران عجم (فش - ق) ۔ برہان قاطع میں مہ آباد کے ذیل میں دساتیر کا بھی نام درج ہے ۔ دساتیر کے اعتبار سے مہ آباد سب سے پہلے انسان تھے جو پیمبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے ۔ دساتیر انھیں پر نازل ہوئی' لیکن یہ سب باتیں جعلی اور فرضی ہیں' نہ مہ آباد کا کوئی وجود تھا اور نہ دساتیر ہی کوئی آسمانی کتاب ہے' لطف یہ ہے کہ اس کتاب کی زبان بھی جعلی ہے جس کا نہ رشتہ کسی زبان سے ملتا ہے اور نہ اس کتاب کا اور نہ اس پیغمبر کا ذکر گیارھویں صدی ہجری سے قبل کی کتاب میں ملتا ہے

درک : مقدمہ برہان قاطع میں ۵۲ بعد و مجلۂ فکر و نظر سال اول شمارہ ۲ ص ۱۰ ابعد)

ہرنیز : تعین و تقرر (د)؛ برہان میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں : ہرنیز بروزن ہمیز بمعنی تعین و چیزی بخود سپردن باشد چہ ہرنیز مند صاحب یقین را گویند بلغت زند و پازند' و بمعنی تعین و قرار دادن ہم ہست چنانکہ گویند مواجب فلان را ہرنیز کردیم یعنی تعین کردیم و قرار دادیم ۔ آقای دکتر معین نے حاشیۂ برہان میں فرہنگ دساتیر کے حوالے سے اس لغت کو دساتیری لکھا ہے ۔

لیکن مقدمۂ کتاب برہان قاطع ص ۱۰۲-۱۰۳ پر لغات ہزوارش کی فہرست میں یہ کلمہ نظر آ رہا ہے، اور حاشیہ میں ان لغات ہزوارش کے تلفظ و معانی کے لئے متن برہان کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ راقم حروف دکتر مذکور کے اس اختلافی بیان کی کوئی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگر ہرنیز ہزوارش ہو تو اس کے تلفظ اور معنی کا تعین متن کے ذیل میں حاشیہ میں درج ہونا چاہیے، مگر اس لفظ کے ساتھ یہ عمل نہیں ہوا، اس کے بجائے واضح طور پر اس کو دساتیری کہا گیا ہے، اس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ مقدمہ میں ہزوارش کی فہرست میں ہرنیز کا اندراج سہواً ہوا ہے۔

ہر دو نیرو: دستنبو میں اس لفظ کے معنی ہر دو تقدیر درج ہیں؛ برہان قاطع میں نیرد کے ضمن میں ہے:

"نیرو بکسر اول بروزن نیکو بمعنی زور و قوت و توانائی باشد، و بمعنی تقدیر ہم بنظر آمدہ است، چنانکہ گویند "بر ہر نیرو" یعنی بر ہر تقدیر۔"

فرہنگ دساتیر سے واضح ہے کہ "نیرو" اس معنی آخیر کے لحاظ سے دساتیری ہے، فارسی میں یہ معنی نہیں آتے۔

ہمسیراز: بمعنی ترجمہ (فش۔ق)؛ برہان قاطع میں یہ تشریح ملتی ہے: (بفتح اول و سکون ثانی و سین بی نقطہ بہ تحتانی رسیدہ و رای بی نقطہ بالف کشیدہ و بزای نقطہ دار زدہ) بمعنی ترجمہ باشد یعنی لغتی را از زبانی بزبان دیگر معنی نوشتہ باشند۔ فرہنگ ایران باستان اور فرہنگ دساتیر سے واضح ہے کہ یہ لفظ دساتیری ہے، فارسی سے کوئی تعلق نہیں۔

ہودل: بہای مضموم و دال مفتوح رصد (د)؛ ہودل بند، منجم؛ ہودل بندان: رصد نویسان (د، قغ) برہان قاطع میں یہ تشریح ملتی ہے: ہودل بکسر ثالث بروزن موصل بمعنی رصد باشد چہ ہودل بند رصد بند را گویند۔ فرہنگ دساتیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لفظ دساتیری ہیں، (رک: برہان حاشیہ ص ۲۳۰۹)

اس میں شبہ نہیں کہ غالب کے دساتیری الفاظ کی فہرست میں اضافے کی گنجائش ہے اس لئے کہ بعض ایسے الفاظ جو دساتیر میں اوستا یا پہلوی ماخذ سے استعمال ہوئے

ہیں جیسے وخشور وغیرہ، ان سے صرفِ نظر ہوا ہے۔ لیکن اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ محمد حسین ابن خلف تبریزی صاحب برہان قاطع اور مرزا غالب کے نقطۂ نظر میں، دساتیری اور فرقۂ آذر کیوان کے تراشے ہوئے لغات کے استعمال کے اعتبار سے کامل توافق و مماثلت ہے کیوں کہ برہان قاطع یا کلامِ غالب میں شامل دساتیری لغات و اصطلاحات سے قطع نظر مرزا صاحب برہان کے لغات دساتیر کے شمول کو اس مصنف کا سب سے بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔

غالبؔ اور ذال فارسی

ذال فارسی یا ذال معجمہ سے مراد وہ ذال ہے جو فارسی الفاظ کے ساتھ مخصوص ہو۔ یہ ذال اگر مضارع کے ساتھ مخصوص ہوتی تو گردان میں حسبِ ضرورت دال مہملہ میں تبدیل ہوجاتی تھی، مثلاً آیذ اور آییذ میں ذال اور آیند میں دال آتی تھی۔ ذال معجمہ اور ذال تازی میں تلفّظ کے اعتبار سے کیا فرق قدیم میں رہا ہے' اس کے بارے میں کوئی بات قطعی طور پر نہیں کہی جاسکتی بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ ایران میں دونوں ذالوں کا تلفّظ زے جیسا ہو جیسا کہ آج ایران، افغانستان، تاجیکستان، آذربائیجان اور ہندستان میں ہے۔ املائی اعتبار سے بھی دونوں ذالوں میں کوئی تفاوت نہ تھا، البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ذال معجمہ کسی لفظ کے شروع میں نہیں آتی، درمیان یا آخر کلمے میں آتی ہے جب کہ ذال تازی شروع میں بھی آتی ہے اور درمیان اور آخر میں بھی۔

ہندستان میں گیارھویں صدی ہجری کی دو مشہور فرہنگوں فرہنگِ جہانگیری (تالیف ۱۰۱۷ھ) اور فرہنگِ رشیدی (تالیف ۱۰۶۴ھ) کے مصنّفوں کے بعض اقوال نے فارسی زبان میں ذال کے وجود کو مُشتبہ قرار دے دیا۔ مثلاً جہانگیری[1] میں ایک جگہ

---

[1] جہانگیری: ج ۱ ذیل لغت آذر۔

عجیب خیال ظاہر کیا گیا ہے :

" اس حقیر و بے بضاعت کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ زمان قدیم میں دال کے اوپر ایک نقطہ لگاتے تھے، متاخرین اس قاعدے سے واقف نہ تھے، وہ دال کو ذال منقوطہ سمجھنے لگے۔"

رشیدی میں بعینہٖ یہی بات دُہرا دی گئی ہے، چناں چہ آذر[1] کے ذیل میں آیا ہے :

" فرہنگ نویسوں نے اس لغت (آذر) کو ذال منقوطہ سے تصحیح کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں دال پر نقطہ رکھتے تھے اور متاخرین اس قاعدے سے ناواقف تھے، اس بنا پر وہ ذال سمجھنے لگے۔"

اسی آخری لغت[2] میں آیا ہے :

" فرہنگِ جہانگیری میں نقل ہُوا ہے کہ اردشیر زردشتی جو لغت فرس کا ماہر تھا، ژند (کذا) و پاژند (کذا) اور استا کو بخوبی جانتا تھا۔ جب ژند میں اس کو یہ لفظ (آذر) ملتا تو اسے دال (مُہملہ) سے پڑھتا اور کہتا تھا کہ ژند و استا میں یہ لفظ ذال معجمہ سے نہیں آیا ہے۔"

تیرھویں صدی ہجری میں غالب دہلوی نے ظاہراً انھیں فرہنگ نویسوں کی تحریر سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ فارسی زبان میں ذال کا وجود ہی نہیں، پذیرفتن، گذشتن وغیرہ میں ذ غلط ہے، ز لکھنا چاہیے۔ (حالاں کہ جہانگیری اور رشیدی دونوں میں دال مہملہ سے پڑھنے کی طرف اشارہ ہے، نہ 'ز' سے)۔

غالب کا دعویٰ تھا کہ فارسی میں ذال معجمہ نہیں ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ دو متحد المخرج یا قریب المخرج حرف فارسی میں نہیں آتے۔ ان کے بعض بیانات اس طرح پر ہیں:

خواجہ نصیر الدین[3] آٹھ حرف کا فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور ذال نقطے دار کا ذکر نہیں کرتے، الّا کوئی لغت فارسی ایسا بتائیے جس میں ذال آئی ہو؟ گزاشتن، گزشتن،

---

[1] جلد ۱، ص ۳۸ [2] ایضاً [3] خط بنام صاحب عالم مارہروی۔

پزیرفتن سب زے سے ہیں۔ کاغذ دال مہملہ سے ہے، اس کا ذال سے لکھنا اور کواغذ اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے۔ بتحقیق آذر اسم آتش بدال ابجد ہے نہ بذال ثخذ۔ کوئی متحد المخرج فارسی میں نہیں بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ تے ہے طوئے نہیں۔ سین ہے 'ث' نہیں اور 'ص' نہیں۔ ہای ہوز ہے حای حطی نہیں؛ یہاں تک کہ قاف نہیں اس راہ سے کہ غین متحد المخرج بلکہ قریب المخرج ہے، زے کے ہوتے ذال کیوں کر ہو؟

قاطع برہان میں بھی اس بحث کے خاتمے میں لکھا ہے[1]:

"آرے دبیران پارس را قاعدہ چنان بود کہ بر سر دال ابجد نقطہ نہادندی؛ پسینان از این رسم الخط بوجود ذال منقوطہ در گمان افتادند. چون در این اندیشہ وجودِ دالِ بی نقطہ از میان می رفت و ہمہ ذال منقوطہ می ماند اکابر عرب قاعدہ ای قرار دادند و تفرقۂ دال و ذال را بر آن قاعدہ اساس نہادند۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ میرا قول نہیں میرے استاد ہرمزد ثُمَّ عبدالصمد کا بیان ہے۔

اس سلسلے میں ہماری گزارش یہ ہے:

۱۔ غالب نے جو بات اپنے استاد عبدالصمد کی طرف منسوب کی ہے وہ دراصل جہانگیری اور رشیدی کی ہے، کیوں کہ بہرحال اتنا تو یقینی ہے کہ انھوں نے ان دونوں فرہنگوں کا مطالعہ کیا ہوگا۔

۲۔ جہانگیری اور رشیدی میں ذال معجمہ کی تبدیلی دال مہملہ میں بتائی گئی ہے۔ غالب نے اپنے اختیار خصوصی سے اسے زے میں تبدیل کر لیا لیکن اس قاعدے پر وہ پوری طرح عامل نہ رہ سکے، اس لیے بعض لفظوں میں وہ ذال کے بجائے دال درست جانتے ہیں، جیسے آذر، تذرو وغیرہ۔

۳۔ دال کے اوپر نقطہ لگانے کا حکم دبیران پارس پر سراسر بُہتان ہے، اس لیے کہ جہاں تک

---

[1] قاطع برہان: ص ۷؛ درفش کاویانی: ص ۱۳۔

میں سمجھ سکا ہوں اس سے مراد فارسی اسلامی کے کاتب ہیں۔ پہلوی یا قدیم ایران کی دوسری زبانوں یعنی اوستا اور فارسی باستان کے کاتب مراد نہیں لیے جا سکتے، اس لیے کہ ان تینوں زبانوں کے رسم خط میں نقطے نہیں ہیں اور اس بنا پر دال اور ذال میں خلط ہونے کا امکان نہیں۔ فارسی اسلامی کے قدیم کاتبوں کی چند کتابیں اس وقت تک موجود ہیں۔ اوّل اسدی طوسی کا کتابت کیا ہوا ویانا کتاب خانے کا نسخہ کتاب الابنیہ[۱] (۴۴۷ھ)؛ دوم کتاب خانہ مولانا صمدانی پیشاوری کے کتاب خانے کا نسخہ شرح تعرف کتابت ۴۷۳ھ[۲] ہجری؛ سوم ترکی کا نسخہ ترجمان البلاغہ مکتوبہ اردشیر بن دیلمسپار[۳] ۵۰۷ ہجری۔ اوّل الذکر میں دال مہملہ پر کوئی نقطہ نہیں، ذال معجمہ نقطہ دار ہے۔ دوسرے اور تیسرے نسخوں میں 'د' کے نیچے نقطہ ہے، ذال معجمہ تمام تر نقطہ دار ہے' بالکل اسی طرح جیسے سین سعفص کے نیچے تین نقطے اور شین قرشت کے اوپر تین نقطے ڈال کر دونوں میں امتیاز کیا گیا ہے۔ ان قدیم نسخوں کی دریافت سے جہانگیری اور رشیدی اور بہر غالبؔ کے مفروضات کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔ اس کی مفصل بحث آگے آتی ہے۔

۴۔ اکابر عجم نے جو قاعدہ تفریق دال و ذال کا مقرر کیا تھا وہ اس بنا پر ہرگز نہ تھا کہ سارے دال ذال ہو گئے تھے بلکہ معاملہ بالکل برعکس تھا۔ جب ذال کو غلط طور پر دال مہملہ سے لکھنے کا رواج بڑھنے لگا تو اس غلط رجحان کو روکنے کے لیے دال و ذال کے امتیاز کے اصول پر زور دیا جانے لگا اور یہ قواعد آسانی سے ذہن نشین کرانے کے لیے نظم کے جامے میں پیش کیے گئے۔

۵۔ قریب المخرج کی بحث غالبؔ نے ناحق چھیڑی۔ وہ صوتیات کے مسائل سے واقف نہ تھے۔ ان متنازع فیہ حروف سے قطع نظر فارسی میں قریب المخرج بلکہ نیم مخرج آوازیں موجود ہیں۔

---

[۱] بیست مقالہ، قزوینی: ج ۱، ص ۶۶ پر ایک ورق کا عکس ہے۔ یہ نسخہ ویانا کے کتاب خانے میں ہے اور پروفیسر زیلگماں کے اعتنا سے ۱۸۵۹ء میں چھپ چکا ہے۔ [۲] اس کے بارے میں ایک یادداشت پروفیسر عبدالحی حبیبی نے ارمغان علمی میں شائع کی ہے۔ [۳] یہ نسخہ پروفیسر احمد آتش مرحوم کے اعتنا سے ۱۹۴۹ء میں ترکی سے شائع ہوا۔

دراصل غالبؔ نے برہان قاطع کی رد میں بعض جگہ جذبات سے کام لیا ہے، انھیں میں سے دال اور ذال کی بحث بھی ہے۔ قاطع برہان میں برہان قاطع کی ایک بڑی خامی یعنی مصحف الفاظ کی عدم نشان دہی، بڑے شد و مد سے واضح کی گئی ہے لیکن اس کی دو بڑی خامیاں غالب کو اپنی طرف مطلق متوجّہ نہ کر سکیں: اوّل یہ کہ برہان قاطع میں دساتیر جو ایک جعلی کتاب ہے، اس کے سارے الفاظ بغیر کسی جرح و تعدیل کے فارسی کے "اصیل" الفاظ کے دوش بدوش[۱] ملتے ہیں۔ برہان کے نکتہ چین کی نظر میں یہ خامی برہان کا سب سے بڑا حُسن قرار پایا۔ چناں چہ قاطع برہان[۲] میں لکھتے ہیں:

"جس طرح کمال اسماعیل کا لقب خلق المعانی ہے، اگر ان بزرگوار کو (صاحب برہان قاطع) خلاق الالفاظ (لفظ تراش) کہوں تو کوئی تعجّب کا مقام نہ ہوگا، سوائے چند لغات کے جو دساتیر سے لیے یا تھوڑے سے اور الفاظ جن میں تصرف نہیں کیا، سب کے سب آشوب چشم اور آزار دل ہیں۔"

برہان قاطع کی دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں پہلوی کی سیکڑوں ہزوارش[۳] شکلیں اصل لفظ قرار دے دی گئی ہیں، حالاں کہ ہزوارش صحیح لفظ کی ایک علامت ہے نہ خود مستقل لفظ۔ مثلاً چشم کا[۴] ہزوارش عینہ ہے جس میں ا، ی، ن، ہ چار حرف آئے ہیں (پہلوی میں 'ع' نہیں، اس کے بجائے الف ہے) چوں کہ آخر کلمے کی 'ہ' پہلوی حرف م اور ن کے مشابہ ہے جو ملا کر لکھے گئے ہوں، اس پر علینہ (اینہ) ایمن پڑھا گیا، چناں چہ برہان میں ایمن ایک الگ لفظ کی صورت میں اس طرح آیا:

---

[۱] غالبؔ نے اپنی تحریروں میں خال خال دساتیر کے الفاظ استعمال کیے ہیں، راقم اس پر ایک الگ مقالہ لکھ چکا ہے۔ [۲] ص ۲۔

[۳] برہان اور اس سے قبل جہانگیری میں ان کو لغات زند و پازند قرار دیا گیا ہے۔ دکتر محمد معین نے بڑی تعداد میں ان الفاظ کی فہرست درج کر دی ہے (برہان: ۱، مقدمہ ص ۱۰۲)۔

[۴] سبک شناسی ج ۱ ص ۲۰۰ دیکھیے مقالہ برہان قاطع اسی کتاب میں

"ایمن[۱] بزبان زند و پازند چشم را گویند۔"

بہرحال غالبؔ سے فرہنگ نویسی کے ایسے دقیق مسائل سے واقفیت کی توقّع نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن دال و ذال کے مسئلے میں ان سے بجا طور پر توقّع تھی کہ وہ کوئی کام کی بات کہیں گے مگر توقّع پوری نہ ہوئی۔

آج سے ۲۲ سال قبل قاضی عبدالودود صاحب نے اپنے ایک مقالے[۲] میں بڑی تحقیق سے پانچویں صدی ہجری سے لے کر اس وقت تک کے ایرانی فاضلوں اور شاعروں کے اقوال و اشعار سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ یہ سب ذال کو فارسی حرف مانتے اور دال اور ذال کے فرق پر زور دیتے آئے ہیں۔ تین سال بعد ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی نے اپنے ایک عالمانہ مقالے[۳] کے ذریعے قاضی صاحب کے نقطۂ نظر کی تائید کی اور ذالِ فارسی کے وجود پر مزید شواہد بہم پہنچائے۔ ان مقالات کے بعد میرے خیال میں یہ مسئلہ قطعی طور پر طے ہو چکا ہے کہ ذال فارسی حرف ہے اور قدیم زمانے ہی سے اس کا تواتر کے ساتھ استعمال ہوتا رہا ہے۔ لیکن حال ہی میں قدرت نقوی صاحب نے اپنے ضخیم مقالے میں جو صحیفہ (غالبؔ نمبر) میں شائع ہوا ہے، پھر وہی ابتدائی بحثیں چھیڑ دی ہیں۔ وہ ذال فارسی کے قائل نہیں اور غالبؔ کی طرح اس کو وہ عربی حرف جانتے ہیں۔ یہ بات ضرور ہے کہ ان کے پیشِ نظر ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی کا مقالہ نہیں لیکن ان کے مضمون کے انداز سے مجھے یقین ہے کہ اگر ان کو موصوف کا مقالہ مل بھی جاتا تو بھی وہ اپنا نقطۂ نظر تبدیل نہ کرتے۔ اسی بنا پر راقم نے بھی اس سلسلے میں بعض اہم باتوں کی طرف قارئین کی توجّہ مبذول کرانے کی ضرورت محسوس کی۔ قاضی صاحب اور صدّیقی صاحب کے بعض نتائج کو حسبِ ضرورت اس

---

[۱] برہان قاطع میں ایومن ہے (ج ۱، ص ۱۰۰) پہلوی رسم خط میں م، ن کے لیے ایک ہی حرف ہے۔

[۲] رسالہ آج کل دہلی، بابت فروری ۱۹۵۲ء، استدراک اگست ۱۹۵۲ء۔

[۳] ارمغان علمی، ص ۱۳۹

مقالے میں شامل کر لیا گیا ہے۔

ایرانیات کے فضلا قدیم زمانے سے ذال معجمہ کے فارسی میں رائج ہونے کے بارے میں واضح طور پر لکھتے رہے ہیں لیکن غالب کے نزدیک کسی فرہنگ میں ذال فارسی نہیں ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ جہانگیری اور رشیدی کے علاوہ کسی اور قدیمی فرہنگ تک ان کی رسائی نہ تھی ورنہ یہ دعوٰی ـــــ کوئی لغت فارسی ایسی بتائیے کہ جس میں ذال آئی ہو ـــــ بے معنی تھا۔ جہانگیری تالیف ۱۰۱۷ھ اور رشیدی تالیف ۱۰۶۴ھ کے قبل کی حسبِ ذیل فرہنگوں میں ذال فارسی، فارسی زبان کی ذال بتائی گئی ہے:

۱۔ لغت فرس اسدی: یہ قدیم ترین لغت ہے جو ہم تک پہنچی ہے، اس کا مولف اسدی طوسی (م: ۴۶۵ھ) ہے۔ اس کا ایک باب' باب الذّال ہے (ص ۳۳-۳۶) جس میں ذال یا ہای غیر ملفوظہ پر ختم ہونے والے حسبِ ذیل الفاظ مذکور ہیں:

مانیذ، موبذ، کہبذ، نہاذ، آباذ (آفرین)، خاذ، لاذ (دیبا)، لاذ (دیوار)، آباذ (جای آبادان)، بنلاذ، واشاذ، راذ، وسناذ، سرواذ، بالاذ، روخ چکاذ، نژاذ، گرد باذ، زشت یاذ، آماذہ وسخیذہ، فلاذہ، بیہوذہ، رذ، ھیربذ، نخجذ، برازذ۔

لغت فرس طبع پاول ہورن[۱] کی بنیاد ایک ایسے نسخے پر ہے جو ۷۳۳ ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ اس بنا پر اس نسخے میں دال اور ذال کا فرق باقی رکھا گیا ہے۔

۲۔ ابو نصر فراہی (م: ۶۴۰ھ) نے نصاب الصّبیان میں آٹھ حرف عربی کے لیے مخصوص کیے ہیں اور وہی قطعہ درج کیا ہے جو شرف الدین یزدی کے نام سے جہانگیری میں درج ہے' اور دال و ذال کے درمیان تمیز کرنے کے لیے حسبِ ذیل قطعہ تین شعر کا نقل کیا ہے:

در زبان فارسی فرق میان دال و ذال
بشنو این را فصاحت را بدین منوال دان

---

[۱] یہ تین مرتبہ چھپی: پہلی مرتبہ ۱۸۹۷ء میں دوسری بار عباس اقبال کی تصحیح سے اور تیسری مرتبہ دبیر سیاقی کی ترتیب سے

آنکہ ما قبلش بود با حرف علّۃ ساکنی

ہمچو بوذ و باذ و بیذ و فاذ آنرا ذال خوان

آنکہ ما قبلش بود بے حرف علّۃ ساکنی

ہمچو مرد و درد و زرد و برد آنرا دال خوان[۱]

۳۔ صحاح الفرس تالیف محمد بن ہندو شاہ نخجوانی (قبل ۷۳۰ھ) کے مقدمے (ص ۱۳) کی حسب ذیل عبارت قابلِ توجہ ہے:

"ہشت حرف در ترکیب عرب مستعمل ہست: ضع، حظ، ثص، قط کہ در لغت فرس نیاید مگر بعضی از آن در لغت ماوراء النہریان و آن عین و حاء و ثاء و طاء و قاف باشد۔"

اس سے واضح ہے کہ صرف ۸ حرف عربی کے لیے مخصوص ہیں۔ نخجوانی ذال کو فارسی حرف شمار کرتا ہے چناں چہ ایک باب ذال (ص ۸۶-۹۵) کا قائم کیا ہے جس کے ذیل میں ۲۱ فصلیں ہیں اور کل لغات جو ذال پر ختم ہوتے ہیں ۶۳ ہیں۔ دوسرے لغات جن میں ذال درمیان میں آئی ہے، وہ ان کے علاوہ ہیں۔

۴۔ معیار جمالی تالیف شمس فخری اصفہانی (۷۴۴-۴۵ھ) میں باب ذال الگ آیا ہے (ص ۹۸-۱۱۵)، اس کے ذیل میں ۵۶ لغات جو ذال پر ختم ہوتے ہیں اور ۳ لغات جن میں ذال کے بعد ہای غیر ملفوظ ہے، ۸ جز کے تحت بیان ہوئے ہیں۔

۵۔ زفان گویا[۲] تالیف بدر ابراہیم (قبل ۸۳۷ھ) میں اگرچہ ذال کا الگ باب نہیں لیکن بعض بیانات میں ذال معجمہ کا صاف صاف ذکر موجود ہے، مثلاً:

باد معروف .... و بیشتر بذال معجمہ گویند

تذرو دراج و بعضی بذال معجمہ گویند

۱۔ دیکھیے: نصاب الصبیان، چاپ برلن، ص ۶۵۔

۲۔ اس کے صرف دو نسخے ملتے ہیں: ایک بانکی پور پٹنہ میں، دوسرا لینن گراڈ میں۔ اس کی جلد اول راقم کی تصحیح سے زیر طبع ہے۔

خاد غلیواز، اسدی طوسی بذال معجمہ زغن یعنی کویل
سرواد شعر و نظم بزبان عجم و اسدی بذال معجمہ گوید
زفان گویا ہندوستان میں مرتب ہوئی تھی۔

۶۔ شرف نامہ تالیف ابراہیم بن قوام فاروقی (بعد ۸۶۵ھ) میں ایک فصل اس عنوان کی ہے:

"فصل فی الفرق بین الدّال والذّال فی الکلام الفرس"

اس کے ذیل میں لکھتا ہے:

"صدر الحکما حکیم شہاب[1] الدین کرمانی کی مجالس کے فوائد میں سے حسبِ ذیل[2] قطعہ ہے جس سے ایک روز خاکسار کو مستفید کیا گیا تھا:

در کلامِ فارسی فرقی میان دال و ذال
بشنو و اسب فصاحت را برین منوال ران
ہر کجا ما قبل او ساکن بحرفِ علت است
ہمچو باذ و بوذ و بیذ و دیذ آنرا ذال خوان

لہٰذا اساتذۂ سخن عود، جود، عید، بود، دود، دید، شنید کے ساتھ قافیہ نہیں لائے ہیں، البتہ رسیذ و کشیذ، نبیذ و لذیذ کے ساتھ بطورِ قوافی استعمال ہوئے ہیں۔ حافظؔ کہتے ہیں:

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید
وظیفہ گر برسد مصرفش گلست و نبیذ

---

[1] لغت کے ایک رسالے کے علاوہ وہ ایک تاریخ مآثر محمود شاہی (سلطانِ مالوہ) کا مولف ہے۔ اس کی تلخیص ۱۹۶۹ء میں دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر نورالحسن انصاری نے شائع کی ہے۔

[2] حکیم شہاب اس قطعے کا ناظم نہیں، کیوں کہ فراہی کی نصاب الصبیان (قبل ۶۴۰ھ) میں یہی قطعہ مندرج ہے جس میں تین بیت شامل ہیں۔

زمیوہای بہشتی چہ ذوق در یابد
کسی کہ سیب زنخدان شاہدی نگزید

پس ابراہیم قوام فاروقی جو خداوند سخن و معانی کا بندہ ہے، اس کتاب شرف نامہ میں اساتذۂ سخن کے بیان کی رعایت سے صرف نظر اور اپنے شعر و غزل میں قدما کے طریقے سے انحراف نہیں کرسکتا، اگرچہ بعضی متاخّر اساتذۂ فن اس سے منحرف ہو چکے ہیں۔"

۷۔ مویّد الفضلا تالیف محمد بن لاد دہلوی (۱۰۰۱ھ) (ج ۲، ص ۲۹۶) میں آیا ہے :

"ہشت حرف در فارسی نیاید: ص، ض، طا، ظا، ع، ث، ح، ق۔
ہر دال کہ در فارسی بعد مد آید ذال شود چناں چہ استاذ و اوستاذ"

اگرچہ اس میں دال و ذال کے درمیان فرق کرنے کا قاعدہ ادھورا لکھا ہے لیکن مولف درمیان کتاب میں ایسے الفاظ لایا ہے جن سے یہ اندازہ لگانے میں دقّت نہ ہوگی کہ اس کے یہاں بھی پورے قاعدے پر بطور شاذ عمل ہوا ہے جو قدما کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اس کتاب میں صرف چند الفاظ ایسے ملتے ہیں جو ذال پر ختم ہوئے ہیں، سارے دال جن کے ماقبل حروف متحرکہ ہوں یا و، الف، ی وہ دال مہملہ سے ملتے ہیں، اس لیے کہ معلوم ہے کہ دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں ذال کی جگہ دال نے لے لی تھی۔

ذال فارسی پر ختم ہونے والے الفاظ مویّد میں حسب ذیل ہیں :

باب الف فصل ذال :	اسپندارمذ، اوستاذ	(۲ لفظ)	ج ۱، ص ۲۸
باب پ فصل ذال :	پانیذ، پشخذ	(۲ لفظ)	ج ۱، ص ۱۹۹
باب شین فصل ذال :	شفتالوذ	(ایک لفظ)	ج ۱، ص ۵۲۵
باب میم فصل ذال :	مذ	(ایک لفظ)	ج ۲، ص ۱۸۰

یہ چھے الفاظ ان کے علاوہ ہیں جن میں ذال درمیان میں آئی ہے۔

۸۔ فرہنگ سروری تالیف محمد قاسم سروری (۱۰۰۸ھ)۔ اس فرہنگ میں ہر باب کے

ذیل میں فصل ذال آئی ہے جن میں ایسے سارے الفاظ جو دال ماقبل متحرک یا دا، ی پر ختم ہوں ذال قرار دیے گئے ہیں۔ یہ بات یقیناً عجیب معلوم ہوتی ہے کہ یہ قاعدہ سروری کے دور میں معمول نہ تھا لیکن قدما کی پیروی اس حد تک کی کہ پرانے متروک قاعدے پر بھی عمل پیرا ہوا لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ فصل ذال کے ذیل کے الفاظ دال مہملہ ہی سے لکھتا ہے۔ بہر حال اس کی توضیحات سے بخوبی واضح ہے کہ قدیم میں ذال فارسی پوری طرح مروّج تھی۔ سروری اور جہانگیری نہ صرف معاصر تھے بلکہ ایک دوسرے کی تالیف سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ جہانگیری سے وہ اس حد تک متاثر تھا کہ اس کی روشنی میں اس نے اپنی فرہنگ پر نظر ثانی بھی کی تھی لیکن ذال فارسی کے معاملے میں وہ جہانگیری کے قول کو غلط اور اس کے خلاف عمل کرتا رہا۔

رسالۂ عروض و قافیہ نویسوں کی شہادت

شمس قیس رازی کی کتاب "المعجم فی معاییر اشعار العجم" فنِ عروض و قافیہ و نقد الشعر پر نہایت جامع اور مستند کتاب ہے جو ۶۳۰ھ میں شیراز میں مکمّل ہوئی، گو اس کا مسودہ مرو میں ۶۱۴ھ میں مکمّل ہو چکا تھا۔ اس میں حرف روی کی تعریف و تشریح کے سلسلے میں حروف مفردہ کی تفصیل آگئی ہے۔ مصنّف اس میں دال کے لواحق میں مند اور ند قرار دیتا ہے، مثلاً لکھتا ہے :

حرف دال کے زوائد دو سے زیادہ نہیں ہیں : حرف نعت، اور یہ م، ن، د ہے جو صفات کے آخر میں آتا ہے، جیسے دانش مند، حاجت مند، ہنر مند، درد مند اور اسی معنی کے قریب خداوند، خویشاوند، باوند، آوند.....

حرف رابطہ و جمع، اور یہ 'ن' 'و' 'د' ہے جو صفات کے آخر میں ربط کا کام کرتا ہے جیسے عالمند، توانگرند یا جمع کی حالت میں کہتے ہیں می آیند و می روند و رفتند و آمدند...

حرف ذال کے زوائد کے سلسلے میں شمس قیس لکھتا ہے :

اس کے زوائد تین ہیں : حرف مضارع اور یہ ذال مفرد ہے جو آخر کلمے میں

مضارع کا کام کرتا ہے جیسے آیذ، روذ، می گویذ، می شنوذ۔ حرف ضمیر اور یہ ی اور ذال ہے جو آخر کلمے میں مضارع حاضر کا کام کرتا ہے جیسے می آییذ، می رویذ اور یہی ربط کا بھی کام کرتا ہے جیسے عالمیذ و توانگریذ۔ حرف دعا اور یہ الف و ذال ہے جو افعال کے آخر میں دعا کے معنی دیتا ہے جیسے برساذ و بدہاذ۔

اسی ضمن میں وہ مزید رقم طراز ہے:

"جاننا چاہیے صحیح لغات دری میں دال مہملہ کے ماقبل سوائے را، ساکن مانند ورد و مرد یا زا، ساکن مانند دزد و مزد یا نون ساکن مانند کمند و گزند اور کچھ نہیں ہوتا۔ و جس دال کے ماقبل حروف مدّو لین (و، ا، ی) میں سے کوئی ہو جیسے باذ، شاذ، سوذ و شنوذ و دیذ و کلیذ یا حروف صحیح متحرک میں سے کوئی جیسے نمذ و سبذ و آمذ، ایسی تمام حالتوں میں سب کے سب ذال معجمہ ہیں لیکن اہلِ غزنیں و بلخ و ماوراءالنہر کی زبان میں ذال معجمہ نہیں، سب جگہ دال مہملہ ہی لاتے ہیں جیسے اس مثال میں:

از دور چو بینی مرا بداری ٭ پیش رخ رخشندہ دست عمدا

چون رنگ شراب از پیالہ گردد رنگ رخت از پشت دست پیدا"

دال اور ذال [یعنی پیذا] کا قافیہ اس وجہ سے لایا گیا کہ وہاں دال مہملہ ہی کا استعمال ہوتا ہے۔

شمس قیس کے اس واضح بیان سے ذال معجمہ کے وجود پر کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا، رہا ماوراءالنہر کے علاقے میں اس کے عدم استعمال کا معاملہ تو اس سلسلے میں چند معروضات ہیں:

شمس قیس کا یہ بیان ذاتی مشاہدے کا نتیجہ ہے اس لیے کہ وہ مرو کے علاقے میں رہ چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اہل ماوراءالنہر سے اس کی برابر ملاقات رہتی ہوگی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس مصنف کے عہد سے قبل ان علاقوں میں ذال معجمہ کا وجود تھا۔ اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسدی طوسی نے پانچویں صدی کے وسط میں جب لغت فرس لکھی تو اس میں ذال معجمہ کا ایک باب قائم کیا اور چوں کہ یہ کتاب اہل بلخ و ماوراءالنہر و خراسان وغیرہ

کے لغات کی حامل تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے دَور میں ان علاقوں میں ذال معجمہ رائج تھی۔ اسدی لکھتا ہے :

"کتاب لغت فرس لسان اہل البلخ و ماوراءالنہر و خراسان و غیرہم واللہ الموفق"

۲۔ شرح تعرف ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کلاباذی (م : ۳۸۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس کتاب کا قدیم ترین نسخہ جس کی کتابت ۴۷۳ ہجری میں ہوئی، سیّد صمدانی کے کتاب خانے پشاور میں محفوظ ہے۔ اس نسخے میں ذال معجمہ آئی ہے۔ چوں کہ مولّف بُخارا کا رہنے والا ہے، گمان غالب ہے کہ اطراف ماوراءالنہر میں اس کی کتابت ہوئی ہوگی۔

۳۔ ترجمان البلاغہ تالیف محمد بن عمر الرادویانی کا ایک قدیمی نسخہ مورّخ ۵۰۷ ہجری اردشیر دیلمسپار کے ہاتھ کا ترکی میں موجود ہے۔ کاتب اپنے زمانے کا مشہور شاعر تھا اور اسی کی ایما پر اسدی طوسی نے لغت فرس لکھی۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ نسخہ علاقۂ خراسان میں تیار ہُوا ہوگا اور اس میں ذال معجمہ کا استعمال نہایت اہتمام سے ہُوا ہے۔

مختصر یہ کہ اگرچہ چھٹی صدی تک بلخ، خراسان اور ماوراءالنہّر کے خطّے میں ذال معجمہ کے استعمال ہونے کے بخوبی امکان ہیں لیکن ساتویں صدی سے اس کا استعمال ان علاقوں میں ختم ہونے لگا اور آٹھویں اور نویں صدی میں بالکل ختم ہوگیا۔ علاوہ شمس قیس کی شہادت کے بعض قدیمی مخطوطات سے اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے :

(۱) ایک مجموعہ جس کی کتابت ماوراءالنہّر کے قصبے اوش میں ۷۹۵ھ میں خواجہ محمد پارسا (م : ۸۲۲ھ) نے کی تھی، ذال معجمہ سے عاری ہے۔ یہ مجموعہ تین رسالوں کو حاوی : انشار خواجہ محمد پارسا، انتخاب رسالۂ حنفی از ابوالقاسم سمرقندی جو بقول مہدی بیانی سب سے قدیم نثر فارسی کا نمونہ ہے، انشار دیگر از خواجہ محمد پارسا، (دیکھیے : ارمغان علمی، ص ۲۲۴)

(۲) زیج خاقانی مولّفہ غیاث الدین جمشید کاشی کا ایک نسخہ، مکتوبہ ۸۴۳ ہجری،

کتاب خانۂ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ یہی نسخہ سلطان الغ بیگ کی تصحیحی یادداشت سے مزین ہے، اس میں حرف ذال کے استعمال کا مطلق التزام نہیں ہے۔

(۳) انتخاب انیس الطالبین تالیف خواجہ بہاء الدین نقش بند (م: ۷۹۱ھ) کا ایک اہم نسخہ پٹنہ میں موجود ہے، اس کی کتابت جامی نے ۸۵۶ھ میں کی۔ اس میں ذال فارسی کا استعمال نہیں ہوا ہے۔

(۴) سیّد اصیل الدین عبداللہ شیرازی کی درج الدُّرر کا ایک نادر نسخہ مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ اس کی کتابت ہرات میں مولانا معین الدین ہروی صاحبِ معارج النّبوہ نے ۸۶۳ ہجری سے ۸۶۷ ہجری تک کی۔ اس میں ذال فارسی کے استعمال سے کاملاً احتراز ملتا ہے۔

(۵) جامی کی سلسلۃ الذہب کا ایک نسخہ بانکی پور پٹنہ میں موجود ہے۔ اس پر جامی کی ایک تحریر ہے جس میں ان کے لڑکے ضیاء الدین یوسف کی تاریخِ پیدایش ۸۸۲ھ درج ہے۔ اس میں ایک قطعۂ تاریخ بھی اس طرح ہے:

سہیلی شد ز برج سعد او طالع

اس سے تاریخ ۸۸۲ھ نکلتی ہے۔ اس قطعے میں لفظ 'شد' میں حسب قاعدۂ فرق دال و ذال، ذال معجمہ ہونا چاہیے لیکن شاعر نے دال مہملہ رکھا ہے' ورنہ تاریخ مطلوبہ برآمد نہیں ہوسکتی۔ اس سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ اس سنہ سے پہلے ہی ذال فارسی کا رواج ختم ہوچکا تھا۔

لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہونا چاہیے کہ نویں صدی میں کسی علاقے میں فارسی زبان میں ذال معجمہ کا چلن باقی نہیں رہ گیا تھا۔ راقم حروف کے پیش نظر اس صدی کے متعدد مخطوطات ہیں جن میں اس صدی کے اواسط کے بعد تک ذال فارسی کا باقاعدہ استعمال ملتا ہے، اس کی بحث آگے آئے گی۔

دوسرا مولف رسالۂ قافیہ وعروض جس نے فارسی میں ذال معجمہ کے وجود پر روشنی ڈالی ہے وہ محقق طوسی ہے۔ اس کے رسالۂ معیار الاشعار میں وہی آٹھ حرف یعنی مں ،

ض، ط، ظ، ع، ق، ث اور ح عربی کے مخصوص حرف قرار دیے گئے ہیں۔ اس کے نزدیک ذال فارسی حرف ہے، جس کے امتیاز کے سلسلے کی حسب ذیل رباعی محقق طوسی ہی کی طرف منسوب ہے:

آنانکہ بفارسی سخن میرانند   در معرض دال ذال را بنشانند
ماقبل وی ار ساکن جز وای بود   دال است، وگرنہ ذال معجم خوانند

تیسرا مولّف رسالۂ قافیہ جس نے دال و ذال کے مسئلے پر روشنی ڈالی ہے وہ عطاء اللہ ہے۔ اس نے اپنے رسالۂ قافیہ میں لکھا ہے:

"واضح ہو کہ باید بایستن سے مشتق ہے، پس اس قاعدے کی بنا پر جس کو ایک عزیز نے نظم کیا ہے' اس میں ذال منقوط ہونا چاہیے:

در زبان فارسی فرقی میان دال و ذال   با تو گویم زانکہ آں نزد افاضل مبہم است
پیش ازو در لفظ مفرد گر صحیح ساکن است   دال باشد، ورنہ باقی جملہ ذال معجم است"

لیکن اس شہر (ہرات) میں اب (رسالۂ قافیہ کی تالیف کے وقت) فارسی لفظوں کے آخر میں ذال معجمہ کا استعمال متروک ہو چکا تھا۔ عطاء اللہ مشہدی جامی کا شاگرد تھا اور رسالہ قافیہ ۹۲۵ھ میں مرتّب ہُوا۔[۱]

شعرا اور ادیبوں کی شہادت

شرف الدین علی یزدی نے حسب ذیل قطعے میں صرف آٹھ حرف مخصوص عربی کے[۲] بتائے ہیں:

ہشت حرفست آنکہ اندر فارسی ناید ہمی   تا نیاموزی نباشی اندریں معنی معاف
بشنو از من تا کدام است ایں حروف و یاد گیر   ثا و حا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف

---

[۱] نذر عرشی: ص ۲۴۳

[۲] یہی قطعہ ابو نصر فراہی چاپ برلن، ص ۶۵ میں بھی درج ہے۔

علی یزدی نے مزید لکھا ہے کہ اہلِ فارس (ایران) ذال معجمہ استعمال کرتے ہیں اور اہل ماوراء النّہر دال مہملہ۔ بظاہر یزدی کا یہ بیان شمس قیس رازی کے مفصّل بیان پر مبنی ہے۔

تاریخ گزیدہ میں یہ دو شعر عربی ظہیر فاریابی کے نقل ہوئے ہیں جن میں دال و ذال کے درمیان امتیاز بتایا گیا ہے:

اعْرِفِ الْفَرقَ بَیْنَ دَالٍ وَ ذَالٍ وَهِیَ اَصلٌ بِالْفَارِسِیِّ مُعظَمٌ
کُلُّ مَا قبلہ سُکُوْنٌ بِلَاوَا یِ فَدَالٌ وَ مَا سِوَاہُ مُعجَمٌ

ابن یمین نے بھی ایک بیت میں دال و ذال کے فرق کو اس طرح نمایاں کیا ہے، جہانگیری میں بھی یہ بیت درج ہوئی ہے:

حرف صحیح ساکن اگر پیش از این بُوَد
دال است، ہرچہ ہست جزایں ذال معجم است

التزامی امور سے ذال فارسی کے وجود پر استدلال

قاضی عبدالودود صاحب نے سلمان ساوجی (م:۷۷۸ھ) کا ایک شعر صنعت رقطا کی مثال میں نقل کیا ہے جس میں گشاذ اگر ذال معجمہ سے نہ لکھا جائے تو صنعت برقرار نہیں رہتی۔ ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی نے رشید وطواط کی حدایق السحر سے صنعت خیفا کی یہ مثال درج کی ہے:

زین عالم شذ او ببخشش مال تیغ او زینت الممالک شذ

صنعت خیفا میں ایک لفظ کے سارے حروف منقوطہ اور دوسرے کے مہملہ ہوتے ہیں، اسی صنعت کا التزام بیت بالا میں ہُوا ہے۔ اس حساب سے دونوں مصرعوں میں لفظ شُذ کے دو حرف منقوطہ ہوں گے، پس آخری حرف دال مہملہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس سے واضح ہے کہ رشید وطواط کے دَور میں ذال معجمہ کا برابر استعمال ہوتا تھا۔

حافظ کے دیوان کے تمام قدیم و جدید نسخوں میں ایک قطعہ اس طرح آیا ہے:

اعظم قوام دولت و دین آنکہ بر درش — از بہر خاک بوس نمودی فلک سجود
با آن وجود و آن عظمت زیرِ خاک رفت — در نصف ماہ ذی قعد از عرصۂ وجود
تا کس امیذ جود ندارد دگر ز کس — آمد حروف سال وفاتش امیذ جود[1]

امیذ جود کے عدد ۷۶۴ ہوتے ہیں۔ اگر امیذ میں ذال کے بجاے دال پڑھیں تو تاریخ صرف ۶۸ ہوگی جو بالکل غلط ہوگا۔ اس سے واضح ہے کہ حافظ نے امید کے بجاے امیذ ہی نظم کیا ہے اور اس سے ذال معجم کا وجود بالکل ثابت ہے۔

مسائل قوافی سے ذال معجمہ کا ثبوت

شعرای فارسی دال و ذال کے قافیے کو جائز نہیں سمجھتے، چناں چہ اسی بنا پر سنائی نے یہ بیت لکھی:

فتنہ را نام عافیت کردہ — دال با ذال قافیت کردہ

اس کے نتیجے میں دو امور کی طرف شعرا نے خصوصی توجہ برتی ہے: اوّل یہ کہ وہ عربی الفاظ جو دال ماقبل متحرّک یا ماقبل حرف علّت پر ختم ہوتے ہیں، فارسی کے ایسے ہی الفاظ کے ساتھ بطور قوافی استعمال نہیں ہوئے ہیں کیوں کہ فارسی الفاظ جو دال پر ختم ہوں اور ان کے ماقبل حرف متحرّک یا حرف علّت میں سے کوئی ہو تو حسبِ قاعدہ وہ ذال ہے، دال نہیں۔ اس بنا پر ایسے الفاظ سے احتراز لازم آتا ہے۔ شعراے فارسی اس پر پوری طرح عامل رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ فارسی قوافی جو دال پر ختم ہوں، اور ان کے ماقبل حرف علت یا حرف متحرک ہو تو وہ عربی کے الفاظ جو دال پر ختم ہوں ان کے ساتھ ہم قافیہ نہیں قرار دیے جاتے ہیں۔ اس قاعدے پر شعراے فارسی برابر عمل کرتے رہے ہیں۔ پہلی صورت یعنی عربی قوافی کے ساتھ فارسی قوافی کے استعمال نہ کرنے کی مثالیں:

عبدالواسع جبلی (م: ۵۵۵) کے حسب ذیل قصائد قابلِ توجّہ ہیں:

---

[1] دیوان قزوینی، ص ۳۶۶۔ گورکھ پور کے نسخے میں بھی ہے۔ دیکھیے دیوان ترتیب نذیر احمد و نائینی ص ۵۴۳

(ا) ص ۸۲-۸۴ پر ایک قصیدے کے ۳۴ قوافی اس طرح کے ہیں جن میں ایک بھی فارسی نہیں :

بعید، سعید، عید، عبید، شہید، فرید، لبید، عتید، یزید، تہدید وغیرہ۔

(ب) ص ۸۷-۸۸ پر ایک قصیدے کے ۲۹ قوافی اس طرح کے ہیں اور ایک قافیہ بھی فارسی نہیں :

عود، ممدود، قود، محمود، حدود، موعود وغیرہ۔

(ج) ص ۱۰۷-۱۰۸ پر ایک قصیدے کے ۱۸ قوافی اس طرح کے ہیں جن میں ایک بھی فارسی نہیں :

شدّاد، مُراد، جماد، بِلاد، معاد، جواد، فساد، سداد، سواد وغیرہ۔

یہ بات انتہائی قابلِ توجّہ ہے کہ ایک دوسرے قصیدے میں اسی طرح کے فارسی قوافی کے ساتھ ایک بھی عربی قافیہ نہیں (ص ۱۰۱) مثلاً :

آباد، باد، داد، فریاد، فرہاد، باد،آباد، شاد، داد، راد، افتاد، آزاد، یاد، نوشاد، شمشاد۔

(د) ص ۱۱۶-۱۱۸ پر ایک قصیدے کے ۳۲ اس طرح کے قوافی میں ایک بھی فارسی نہیں :

جود، وجود، مودود، ممدود، محدود، صعود، یہود، خلود، سجود، سعود وغیرہ۔

(ہ) ص ۱۲۰-۱۲۱ پر ایک قصیدے کے ۲۴ اس طرح کے قوافی میں ایک بھی فارسی نہیں :

وجود، سعود، مودود، حدود، صعود، محمود، مولود، سجود، عود، حسود وغیرہ،

رشید وطواط (م : ۵۷۳) کے دیوان میں ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے :

آفتاب جلال و عالم جود

کہ چنو در جہان نشد موجود

اس کے ۱۹ قوافی میں سے ایک بھی فارسی نہیں۔

اسی کے ایک اور قصیدے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

زہی جمال ترا آفتاب کردہ سجود
نیامدست نظیر تو از عدم بوجود

اس کے ۴۴ قوافی میں سے ایک بھی فارسی لفظ نہیں۔

رشید وطواط کے ایک تیسرے قصیدے کا مطلع یہ ہے :

کمال دولت و دین صورت شجاعت و جود
کہ شد شجاعت و جود از خصال او موجود

اس میں ۳۶ قافیے ہیں جن میں کوئی فارسی نہیں۔

انوری ابیوردی (م : ۵۸۱ ھ) کے اس قصیدے کے ۱۳ قوافی میں سے کوئی بھی فارسی نہیں :

کرد عالی بنای این معدود
اختر سعد و طالع مسعود

انوری ہی کے حسب ذیل قطعے میں کوئی قافیہ فارسی نہیں :

ای شاہ ز نقدہا کہ باشد
در کیسۂ صبح و شام موجود

اس کے قوافی یہ ہیں :

معدود، معہود، مقصود، محمود، مفقود، مسعود، جود، معبود۔

دیوانِ حافظ کی حسب ذیل غزل میں کوئی قافیہ فارسی نہیں :

کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود
بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود

اس کے قوافی : عود، معدود، مسعود، ثمود، خلود، داود، نمرود، محمود، موجود ہیں۔

دوسری صورت یعنی فارسی قوافی جو دال پر ختم ہوں اور ان کے پہلے حروف متحرک یا وای ہو، ان کے ساتھ عربی قوافی نہ لانے کے شواہد چند شاعروں کے کلام سے پیش کیے جارہے ہیں :

قطران (م: بعد ۴۶۵ھ) کے ایک قصیدے (ص ۶۱-۶۲) کے قوافی یہ ہیں :

آباد بریں بر کہ وایں طارم آباد
وز ہر دو خداوند جہاں کامروا باد

باد، نوشاد، یاد، بغداد، فرہاد، بنیاد، شمشاد، آباد، داد، پولاد، نہاد، لاد، زاد، داماد، مرداد، آزاد، شاد۔

(بغداذ، ذال فارسی کے ساتھ آتا ہے اور اس اعتبار سے وہ پارسی متصور ہوگا۔)

اس کے ایک دوسرے قصیدے (۶۳-۶۴) میں یہ قافیے آئے ہیں :

آمد نو روز و گشت مشک فشان باد
ساحت باغ از نسیم باد شد آباد

آباد، شمشاد، افتاد، آزاد، فرہاد، نوشاد، فرستاد، بغداد، فریاد، یاد، استاد، پولاد، راد، بیداد، داد، بگشاد، زاد، شاد، باد۔

(بغداذ کی طرح استاذ بھی ذال فارسی سے آتا ہے ۔)

ایک تیسرے قصیدے (۸۱-۸۲) کے قوافی یہ ہیں :

شاد، گشاد، شمشاد، باد، بیداد، نہاد، داد، یاد، افتاد، استاد، نژاد وغیرہ مطلع یہ ہے۔

ہمی ستیزہ برد زلف یار با شمشاد
شگفت نیست گر از وی ہمیشہ باشم شاد

مسعود سعد سلمان (م: ۵۱۵ھ) کے ایک قصیدے (ص ۹۰-۹۱) کے قوافی یہ ہیں :

ز بار نامۂ دولت بزرگی آمد سود
بدین بشارت فرخندہ شاد باید بود

بود، سود، نمود، زود، افزود، نغنود، درود، پالود، بسود (فعل)، دود، گبود، پیمود، آلود، بدرود، بخشود، فرمود، ستود، شنود، آسود، فرسود، سرود، اندود، خوشنود۔

ایک دوسرے قصیدے (ص ۹۴) کے قوافی یہ ہیں :

ای خاصۂ شاہ مشرق فریاد
چرخم بکشد ہمی ز بیداد

بیداد، بگشاد، فریاد، زاد، پولاد، استاد، داد، فرستاد، نہاد، فرہاد، افتاد، راد، باد، بنیاد، یاد، آزاد، مرداد، ناشاد۔

ایک تیسرے قصیدے (ص ۱۰۵) میں حسب ذیل قوافی آئے ہیں :

روزگاریست سخت بی فریاد
کس گرفتار روزگار مباد

مباد، خاد، راد، لاد، زیاد، افتاد، نگشاد، شمشاد، پولاد، فریاد، استاد، زاد، باد، شاد، بنیاد۔

ایک طویل قصیدے (ص ۱۱۱) میں یہ قوافی استعمال ہوئے :

سزد کہ باشی شاہا ز ملک خرّم و شاد
کہ مُلکِ تو در شادی و خرّمی بگشاد

بگشاد، بداد، پولاد، نہاد، زاد، باد، بنیاد، فرستاد، ہمزاد، خرداد، آباد، فریاد، داماد، افتاد، یاد، شاد، راد، داد، بغداد، نوشاد، آزاد، نہاد، نژاد، مرداد، کناد۔

قطران کی طرح مسعود سعد سلمان نے بغداد کا قافیہ باندھا ہے جو دراصل بغداذ ہے اور سارے قوافی کی طرح اس کی ذال ذال معجمہ قرار دی جا سکتی ہے۔

شرف نامہ نظامی کا مطالعہ دال و ذال کے قافیے کے لحاظ سے قابلِ توجہ ہے۔ اس کے کئی ہزار اشعار کی مثنوی میں مجھے دو شعر عربی قافیے کے ملے :

بجز گوهرین جام و زرّین عمود　　بخروار عنبر بانبار عود　　(ص ۱۳۲)
که چون شاه فارغ شد از کار کید　　گهی رای می کرد و گه رای صید　　(ص ٣٦٦)

باقی سارے قوافی فارسی کے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

کلید و پلید (۱۵۱، ۲۲۳، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۸۶، ۲۸۴، ۴۷۶، ۴۹۱ وغیرہ۔)
رود و سرود (۲۵۱، ۲۹۲، ۴۱۰، ۴۷۱ وغیرہ۔)
رود و کبود (۲۷۹، ۲۸۰ وغیرہ۔)
بید و سپید (۲۷۶، ۴۲۷ وغیرہ۔)
نژاد، بامداد (۲۱۰، ۲۲۰ وغیرہ۔)
تود (= توت)، سود (ص ۳۴۶)۔
اوستاد و یاد (ص ۳۳۶)۔
بنیاد و بغداد (ص ۱۳۷)۔

فارسی اور عربی کے قافیے کی کوئی مثال سرسری مطالعے سے میری نظر میں نہ آئی۔ قطران اور مسعود سعد سلمان کی طرح نظامی کے یہاں 'بغداد'[1] کا قافیہ 'بنیاد' کے ساتھ قابلِ توجہ ہے۔

فارسی شعرا کے یہاں عربی کے بعض قوافی جو ذال پر ختم ہوتے ہیں، فارسی کے ایسے الفاظ کے ساتھ لائے گئے ہیں جو دال فارسی ماقبل متحرک یا وای پر ختم ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ فارسی کے یہ دال دراصل ذال معجمہ تھے کیوں کہ بہرحال معلوم ہے کہ دال و ذال کا قافیہ جائز نہیں۔ ذیلاً شعرا کے کلام سے اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن صالح نوایحی کے اس قطعے میں بغداد کا قافیہ باد کے ساتھ آیا ہے:

جعد بر سیمین بیشانیش گوئی که مگر　　لشکر زنگ همی غارت بغداد کند
وآن سیه زلف بر آن عارض گوئی که همی　　بپر زاغ کسی آتش را باد کند

لباب ۲۶۰، نیز دیکھیے دیوان فرخی ص ۳۴، ص ۳۸؛ ۴۳، ۴۴، ۴۵، پانچ بار بغداد، باد، شاد کے ساتھ قافیہ آیا ہے۔ دیوان خاقانی چاپ امیر کبیر ص ۲۹۷ بغداد، بگشاد، نزاد وغیرہ کے ساتھ قافیہ آیا ہے۔

انوری نے ذال کے ساتھ دال مہلہ کے قافیے لانے پر معذرت کی ہے۔ یہ نظم ایک رباعی کی شکل میں ہے جو دیوان کے علاوہ جہانگیری میں بھی نقل ہے :

دستت بسخا چون ید بیضا بنموذ   از جود تو بر جہان جہانی افزوذ
کس چون تو سخی نہ ہست و نی خواہذ بوذ   گو قافیہ دال شو، زہی عالم وجود

کسائی مروزی (وفات بعد ۳۹۱ھ) کے ایک قصیدے بمطلع زیر، کے قوافی یہ ہیں : درکشید، پدید، شنبلید، فروچکید :

بگشای چشم ژرف و نگہ کن بشنبلید
تابان بسان گوہر اندر میان خوید

اس میں ایک بیت میں 'نبیذ' قافیہ اس طرح آیا ہے :

وآن صافئ کہ چون بکف دست برنہی
کف از قدح ندانی نی از قدح نبیذ[۱]

اس سے ظاہر ہے کہ یہ سارے قوافی ذال معجمہ کے حامل تھے، نہ دال مہلہ کے۔

سعید نفیسی نے کسائی کا ایک قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے، نقل کیا ہے :

صبح آمد و علامت مصقول برکشید
وز آسمان شمامۂ کافور بردمید

اس میں حسب ذیل بیت کا قافیہ نبیذ ہے :

جام کبود و سرخ نبیذ آر کاسمان
گوئی کہ جامہای کبود است پر نبیذ[۲]

اس سے ظاہر ہے کہ اس کے قوافی ذال معجمہ کے حامل تھے۔

بشار مرغزی چوتھی صدی ہجری کا ایک قدیمی شاعر ہے۔ اس کا ایک قصیدہ ۳۱ ابیات پر مشتمل ہے جس میں دو قافیے عربی ہیں۔ مطلع اور ۱۷ ابیات حامل قوافی

---

[۱] رک : برگزیدہ شعر فارسی، ص ۳۳-۳۴۔ [۲] لباب، ص ۶۶۵۔

عربی حسب ذیل ہیں :

رز را خدای از قبل شادی آفرید　　شادی و خرّمی زرز آمد ہمہ پدید

از رز بود طعام و ہم از رز بود شراب　　از رز بودت نقل و ہم از رز بود نبیذ

آن خوشہ بین فتادہ برو برگہای سبز　　ہم دیدنش خجستہ و ہم خوردنش لذیذ

باقی قافیے یہ ہیں :

بیافرید، خرید، شنید، بنگرید، بیارید، بگسترید، رسید، بدید، برکشید، برید، بخوابنید، درید، دوید، گزید، سزید، شنبلید، دمید، پرید، چمید، طپید، بشکفید، چشید، چکید، ندید، کلید، بپژمرید، مزید[۱] = مکید۔

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ یہ تمام قوافی ذال معجمہ کے حامل تھے نہ دال مہملہ کے۔[۲]

ابوطاہر الطیب بن محمد الخسروانی کے حسب ذیل قطعے میں تعویذ اور نرسید کے قافیے ساتھ ساتھ آئے ہیں :

چہار گونہ کس از من بعجز بنشستند　　کزان چہار بمن ذرّۂ شفا نرسید

طبیب و زاہد و اخترشناس افسونگر　　بدارو و بدعا و بطالع و تعویذ[۳]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نرسید میں دال مہملہ کے بجائے ذال معجمہ تھی۔

۱؎ بشار کی اس بیت میں مزید فارسی لفظ اور فعل ہے :

و ایشان معلق از ہر جائی و ہر یکی

آویختہ ز مادر پستان ہمی مزید

ابو شکور بلخی کی اس بیت میں بھی مزید فعل ہے :

ہمان میوۂ تلخ آرد پدید

از و چرب و شیرین نخواہی مزید　　(برگزیدہ شعر فارسی، ص ۱۹)

۲؎ رک : برگزیدہ شعر فارسی، ص ۳۹-۴۲۔　۳؎ لباب چاپ نفیسی، ص ۲۵۸۔

قطران کے ایک قصیدے (دیوان ۷۴-۷۵) میں حسب ذیل فارسی قوافی آئے ہیں جو سب کے سب ذال معجمہ کے حامل تھے :

کبود، بود، پود، بغنود، بشخود، آلود، بنمود، بفرود، خود، بسود ، درود ، بزدود، زود ، بپیمود، بخشود ، بدرود، سود، رود۔

اسی قصیدے کی ایک بیت یہ ہے جس میں ذال عربی والی قافیہ ہے :

هر شهی که سپه سوی او کشد بنبرد
بخون خویش و بخون سپه شود ماخوذ

مگر اسی قصیدے میں دو عربی قافیے دال مہملہ کے ہیں یعنی نمرود و یہود ۔ یہی اصلاً دال کے قافیے ہیں جو ذال کے ساتھ آئے ہیں اور انھیں پر اہلِ فن اعتراض وارد کرتے ہیں۔

قطران کے ایک دوسرے قصیدے میں (دیوان ص ۷۸) جس کے سارے قوافی فارسی کے ہیں، یہ بیت شامل ہے :

هر کو بگه درد بایزد نزند دست
بر هر چه رود برسر او باشد ماخوذ

مطلعِ قصیدہ یہ ہے :

دیر آمدن شاه بر آورد زمن دود
گر دیر تر آید برود جان و تنم زود

اس سے یہ نتیجہ نکالنے میں کوئی دقّت نہیں کہ فارسی کے سارے قوافی ذال معجمہ کے حامل تھے۔

اسی شاعر کا ایک قطعہ (ص ۴۷۹) اس سلسلے میں نہایت قابلِ توجّہ ہے:

آذر فروز و می خور شاها بماه آذر — آئین ماه آذر بوی می است و آذر
بادا بدرد مانده دشمنت چون کمانه — بگذار شادمانه صد او رمزد و آذر
یک بخشش تو کردن بار دویست گردون — ایمن بزی زگردون همچو پسر ز مادر

هم بد سگال مالی هم بد سگال مالی — هم با سخا همالی هم با وفا برادر
تو بُت، جهان برہمن تو باد، خصم خرمن — از ہیبت تو دشمن جوشن دہد بچادر
روی عدوت پرچین وز خویش کردہ پرچین — از تیغ توشہ چین لرزندہ و تو ایدر
دوری ز بند و دستان بارای وہوش دستان — با زور پور دستان با فر و یال نوذر
گر خلق بی توانی دانا شوی تو آنی — بگذار تا توانی گیتی نیاز و بگذر

واضح ہے کہ مادر، برادر، چادر، ایدر میں ذال معجمہ تھی نہ کہ دال مہملہ۔

ایک اور قطعہ (دیوان ص ۴۸۱-۸۲) ملاحظہ ہو:

ای وصل تو آب و ہجر تو آذر — مانندۂ تو نزاید از مادر
با مہر تو لالہ روید از سندان — با فر تو آب زاید از آذر
از بیم تو خصم ترک و جوشن را — کردہ است بَدَل بمعجر و چادر
در غیبت، رہنمای چون سلمان — در حضرت، راستگوی چون بوذر
ای میر بجنگ کافران رفتی — با میر بسانِ طوس بن نوذر
بگذار جہان بدانش و آرامش — تا ہست جہان تو از جہان مگذر

پہلے قطعے کی طرح اس سے بھی یہی واضح ہو جاتا ہے کہ مادر، چادر میں ذال معجمہ ہے اور گذاشتن میں بھی ذال ہے، اور اس آخری لفظ میں "زے" کی کوئی گنجایش نہیں۔

سنائی غزنوی (م: ۵۲۵ھ) کے یہاں ایک قصیدے (دیوان ص ۱۰۷) میں نبیذ، لذیذ، تعویذ کے ساتھ حسبِ ذیل قوافی آئے ہیں:

دید، پلید، مروارید، چشید، چکید، برید، رسید، دمید، مکید، گزید، خید، پرید۔

مطلع قصیدہ یہ ہے:

در این مقام طرب بی تعب نخواہی دید
کہ جای نیک و بد است و سرای پاک و پلید

عربی قوافی ملاحظہ ہوں:

مدار امید ز دہر دو رنگ، یک رنگی   کہ خار جفت گلست و خمار جفت نبیذ
ز دور ہفت روندہ طمع مدار ثبات   میان چار مخالف مجوی عیش لذیذ
در این زمانہ کہ دیو از ضعیفی مردم   ہمی سلاح ز لاحول سازد و تعویذ

ان قوافی کی رو سے اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دقت نہیں کہ متذکرّ الصدر فارسی قوافی کے آخر میں ابتداءً ذال معجمہ تھی، دال مہملہ نہیں۔

عثمان مختاری کے حسب ذیل قطعے میں نبیذ قافیہ دوسرے فارسی قوافی کے ساتھ آیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ سارے قوافی ذال معجمہ کے حامل تھے:

جہان سیاہ نماید ہمی بچشم خرد   خبر دہید کسی کافتاب را چہ رسید
مگر ز گردش گردون تیز گرد بماند   کہ می نیاید خورشید نورمند پدید
چو ماند مہجور از دست او و مجلس او   بہیچ بزم نخندد بہیچ جام نبیذ

دوسرے قوافی: ندید، برمید، نوزید، برید، شنید، دوید، کلید ہیں[1]۔

ایک رباعی میں نبیذ قافیہ دوسرے فارسی قوافی کے ساتھ آیا ہے:

سلطان سدہ ای کرد کہ چون چرخ پدید   پنداشت کہ آفتاب در خاک افتید
معلوم فلک شد کہ چو شہ خواست نبیذ   خورشید بخاک ہم نتواند بخشید[2]

عطار کی ایک نظم میں عربی قافیہ (ذال)، ذال عربی و فارسی کے ساتھ اس طرح آیا:

در قعر جان مستم دردی پدید آمد   کان درد بندیان را دائم کلید آمد
گر مست این حدیثی ایمان تر است لائق   زیرا کہ کافر اینجا مست نبیذ آمد
تا دادہ اند بوئی عطار را از ین می   عمرش دراز تر شد عیشش لذیذ آمد
شد مست مغز جانم از بوی بادہ زیرا   جام محبت او با بو سعید آمد[3]

واضح ہے کہ پدید، کلید میں ذال معجمہ، نبیذ، لذیذ میں ذال تازی اور بوسعید میں دال مہملہ ہے۔

---

[1] دیوان، ص ۵۹۲۔ [2] ایضاً، ص ۶۱۳۔ [3] ایضاً، ص ۲۰۲۔

عطار کی دوسری نظم میں ذال معجمہ اور ذال تازی کے قوافی ہیں[1]:

هر کرا ذوق دین پدید آید | شهد دنیاش کی لذیذ آید
چه کنی در زمانه ای که درو | بر چون طفل نارسید آید
آنچنان عقل را چه خواهی کرد | که نگونسار یک نبیذ آید

ذال معجمہ کے دوسرے قوافی یہ ہیں: خرید، پدید، کلید، شنید، پلید، خوید۔

ابن یمین کے دیوان کا مطالعہ اس سلسلے میں نہایت اہم ہے، اس لیے کہ دو نظموں میں وہ دال مہملہ کو ذال معجمہ کے ساتھ قافیہ لایا ہے اور اس کا برملا ذکر کیا ہے:

گر ز من اقران بثروت فائق اند | گو همی باشید و بادا بر زیاد
من هنر می جستم ایشان سیم و زر | شکر ایزد داد هر یک را مراد
من گرفتم سر بسر کان زر اند | پیش من هستند، همچون کان جماد
نیست با ایشان عنادی در دلم | خود مسیحا کی کند با خر عناد
قافیه هر چند خواهد گشت ذال | سهل باشد تیز شان بر ریش باد

(دیوان، ص ۳۹۴)

واضح ہے کہ زیاد، مراد، جماد، عناد میں دال مہملہ اور باد میں ذال معجمہ ہے اور اسی آخری قافیے کی طرف آخری بیت میں اشارہ ہے۔

دوسرا قطعہ (ص ۳۸۶) ملاحظہ ہو:

بوستان گل فضل و گل بستان هنر | سیف دین ای ز وجود تو هنرها موجود
بکر فکرت دل صاحب نظران بر باید | چون ز کتم عدم آید سوی صحرای وجود
مهر رایت چو بر اقلیم هنر سایه فکند | طالع اهل هنر شد متوجّه به سعود
ذهن وقّاد تو از سلک معانی گه نظم | بسر انگشت بیان بار کشادست عقود

---

[1] دیوان، ص ۲۶۲۔

تادر اقلیم ہنر نوبت شادیت زدند — بندہ گشت از دل و جان، ہمچو ایازت محمود
گر زند تیر فلک با تو دم از شعر بلند — خرد از بانگ دہل فرق کند نغمۂ عود
ور حسد می برد از رای تو خورشید رواست — بی ہنر آنکہ در آفاق کسش نیست حسود
پیش صاحب نظران بر سر بازار ہنر — گوہری کو نبود نظم تو باشد مردود
قطعہ ای نزد من آوردی و از غایت لطف — روی بر خاک نہاد آب حیاتش بسجود
گرچہ یک قافیہ ذال است ولی گوہر جود — سیف از آن قطعۂ غرا بہمہ خلق نمود

یعنی نمود میں قافیہ ذال ہے یعنی نموذ، بقیہ سب دال مہملہ (عربی) ہیں۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ابن یمین کے دَور میں نمود کے بجائے نموذ تھا۔

انوری کا ایک قطعہ یہ ہے (دیوان، ص ۸۸-۵۸۷) :

مثال عالی دستور چون بہ بندہ رسید
قیام کردو ببوسید و برد و دیدہ نہاد

اس میں ایک بیت اس طرح آئی ہے :

توئی کہ بر در امروزدِی و فردا را
اگر بخواہی حاضر کنی ز روی نفاذ

بقیہ فارسی قوافی یہ ہیں :

بگشاد، باد، فرہاد، بنیاد، آباد، زاد، آزاد، شاد، مرداد، راد، یاد، استاد، فریاد، داد، قباد، افتاد۔

واضح ہے کہ اصلاً یہ سب ذال معجمہ کے حامل تھے۔

حافظ شیرازی کی دو غزلوں میں نبیذ کے ساتھ کے سارے قوافی فارسی ہیں۔ پہلی غزل (ص ۱۶۰) کا مطلع یہ ہے :

جہان بر ابروی عید از ہلال وسمہ کشید
ہلال عید در ابروی یار باید دید

نبیذ کا قافیہ اس طرح آیا ہے :

نبود چنگ و رباب و نبیذ و عود کہ بود
گِل وجود من آغشتۂ گلاب و نبیذ

اس غزل کے دوسرے قوافی یہ ہیں :

کشید، درید، شنید، خرید، گردید، رسید، مروارید۔

دوسری غزل (ص ۱۶۱) اس طرح شروع ہوتی ہے :

رسید مژدہ کہ آمد بہار و سبزہ دمید
وظیفہ گر برسد مصرفش گل است و نبیذ

بقیہ قوافی یہ ہیں :

کشید، نگزید، دمید، شنید، نخرید، بچشید۔

واضح ہے کہ دونوں غزلوں کے فارسی قوافی ذال معجمہ کے حامل تھے جو زمانۂ بعد میں دال مہملہ میں تبدیل ہو گئے۔

مسعود سعد سلمان کے ایک قصیدے بمطلع زیر میں فارسی قوافی کے ساتھ ملاذ اور نفاذ بھی بطور قافیہ استعمال ہوئے ہیں :

لوا و عہد خطاب خلیفۂ بغداد　　خدای عزّ و جل بر مَلِک خجستہ کناد

عربی قافیے ان ابیات میں پائے جاتے ہیں :

نشاط را ہمہ در مجلس تو باد مقام　　ملوک را ہمہ بر درگہ تو باد ملاذ
بحل و عقد و بد و نیک عزم و جزم ترا　　چو کوہ باد ثبات و چو باد باد نفاذ

اس قصیدے کے فارسی قوافی یہ ہیں :

کناد، یاد، آباد، بنیاد، خرداد، نوشاد، زاد، پولاد، داد، میلاد (نام پہلوان ایرانی)، نہاد، باد، ہمزاد، بنیاد، لاد، نژاد، راد، آزاد، شاد، شمشاد، فرستاد، گشاد، افتاد، زیاد (فعل)، فریاد، داد، فرہاد، بغداد (جو بغداذ کی شکل میں آتا ہے)۔

یہ سارے قوافی اصلاً ذال معجمہ پر ختم ہوتے تھے، نہ کہ دال مہملہ پر۔

قدیم متون سے ذال معجمہ کی شہادت

قاضی عبدالودود صاحب نے متعدد حوالوں سے جو پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتے ہیں، یہ ثابت کر دیا ہے کہ قدیم زمانے سے ذال معجمہ فارسی زبان میں مروّج ہے۔ راقم کے پیش نظر چند اور متون ہیں جن سے اسی دعوے کی تائید بخوبی ہوتی ہے اور اس میں کسی شُبہے کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی:

بعض فارسی کے کلمات اور جملے جو عربی متون میں شامل ہو گئے ہیں، ان سے ذال معجمہ کا بخوبی پتا چلتا ہے۔ مثلاً یزید کے زمانۂ خلافت (۶۰-۶۴ھ) میں سیستان کا حاکم عبیداللہ بن زیاد کا بھائی عَباد بن زیاد تھا۔ یزید بن مفرغ جو عَباد کے دربار میں رہ چکا تھا، بالآخر ان دونوں بھائیوں کی ہجو پر اُتر آیا اور چند فقرے نظم کیے جو اگرچہ ادبی شعر نہیں لیکن ان کے عوامی شعر ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ یہ فقرے ابن قتیبہ کی طبقات الشعرا (ص ۲۱۰)، طبری کی تاریخ کبیر (س۲، ص ۹۲-۱۹۲)، ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی (ج ۱۷، ص ۵۶ ببعد) میں باختلاف درج ہیں۔ مگر ان کی جو صورت میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بیست مقالہ (ج ۱، ص ۴۱) میں دی ہے، وہ درست معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً:

آب است نبیذ است، عصارات زبیب است، سمیہ روسپیذ است

سمیہ عبیداللہ کی ماں تھی، روسپیذ یا روسپی زن بدکار کے معنی میں ہے۔ روسپیذ میں ذال معجمہ موجود ہے۔

دوسری مثال بیست مقالۂ قزوینی (ج ۱، ص ۴۳-۴۴) میں تاریخ طبری (س ۲، ص ۱۴۹۱) کے حوالے سے درج ہے۔ ابو منذر اسد بن عبداللہ نے ۱۰۸ھ میں ختلان پر حملہ کیا۔ خاقان ترک نے سخت مقابلہ کیا۔ اس کے نتیجے میں اسد کی فوج پسپا اور تتر بتر ہو گئی۔ اس انتشار و زبون حالی کے موقعے پر اس طرح کے ابیات خراسان میں پڑھے جاتے تھے:

از ختلان آمذی، بر و تباه آمذی، بیدل فراز آمذی۔

دوسرا اہم مخطوطہ شرح تعرّف کا ہے جو پشاور میں سیّد صمدانی کے پاس محفوظ ہے اور ۴۷۳ ہجری کا مکتوبہ ہے۔ اس کا خط اسدی طوسی کے مکتوبہ نسخہ کتاب الابنیہ (۴۴۷ھ) سے کافی مشابہہ ہے۔ اس میں فارسی الفاظ میں ذال معجمہ کا برابر استعمال ہُوا ہے۔

تیسری اہم کتاب ترجمان البلاغہ تالیف محمد بن عمر الرادویانی کی ہے۔ یہ کتاب عرصے سے فرخی سیستانی کی طرف منسوب ہوتی رہی ہے لیکن بیس سال قبل ترکی کے پروفیسر استاد احمد آتش نے ایک ایسے نسخے کی مدد سے جو ۵۰۷ھ کا مکتوبہ تھا۔ اس کا ایک ناقدانہ متن مع پوری کتاب کے عکس کے شائع کیا۔ اس نسخے کا کاتب اہم تاریخی شخصیت کا حامل ہے۔ اردشیر بن دیلمسپار وہی شخص ہے جس کی تشویق پر اسدی طوسی نے لغت فرس لکھی۔ ترجمان البلاغہ کا نسخہ ایسے اہم کاتب کی یادگار ہے۔ ترقیمہ یہ ہے:

> اسپری شذ این کتاب بپیروزی و بہ روزی و نیک اختری و فرخی
> بر دست ابوالھیجا اردشیر بن دیلمسپار النجمی القطبی الشاعر اندر
> اواخر شہر اللہ المبارک رمضان سال بر پانصد و ہفت از ہجرت
> پیغامبر محمد المصطفیٰ مبارک باذ۔ بر خذاوندش

پوری کتاب میں ذال کا استعمال بڑے اہتمام سے ہُوا۔ شاید مشکل ہی سے کوئی فارسی لفظ ملے جس میں ذال معجمہ پر نقطے نہ دیے گئے ہوں۔ دال مہملہ سے ممتاز کرنے کے لیے ذال پر ایک نقطہ اور دال مہملہ کے نیچے ایک نقطے کا اہتمام نہایت باقاعدگی سے ملتا ہے۔ یہاں تک کہ اسم بھی اس کلیے سے مستثنا نہیں۔ روذ کی ہمیشہ ذال معجمہ سے درج ہُوا ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ توجہ یہ ہے کہ ذال اور زے میں بھی امتیاز برقرار رکھا گیا ہے۔ مثلاً ابیات ذیل میں گذشتن و گذاشتن سے جو افعال بنائے ہیں ان میں ذال بدون استثنا پائی جاتی ہے:

گره گذاشته از قیر بر صحیفهٔ سیم ۲۳۷ ا

نگذاشت هیچ رزم رستم الخ ۲۳۸ ا

مگذر ببلغ سروسهی پاک بشکنی ۲۵۵ ب

سحرگاهان یکی عمدا بصحرا بر گذر بنگر ۲۵۸ ا

بکوه مانند و مردم بذو گذاران کوه

بمردمی که شکفتست کوه کوه گذار ۲۵۸ ب

بگذر ایندی سپاه از روزهای کژ قیاس ۲۶۷ ب

'گزاردن' بمعنی بیان کرنا، عرض کرنا ہے۔ اس سے مضارع 'گزارد' اور حاصل مصدر 'گزارش' بنتا ہے۔ ان سب حالتوں میں 'ز' ہے، ذال نہیں۔ ترجمان البلاغہ میں بھی 'خواب گزار' اس بیت میں صحیح املا کے ساتھ آیا ہے:

نہ رہنمای بکار آیدش نہ طالع گیر

نہ فال گوی بکار آیدش نہ خواب گزار

اسی کتاب کی حسبِ ذیل توضیح سے ثابت ہوتا ہے کہ 'بوذ' میں ذال معجمہ ہے، دال مہملہ نہیں:

"بوذ بی ذال پیش او بنگار عرب اندر عجم مولف کن ....

'بوذ' را چون ذال بیفگنی بو بُوَذ۔"

ترجمان البلاغہ میں 'پذیرفتن' ذال سے درست سمجھا گیا ہے۔ چناں چہ اس سے جو صورتیں نکلیں ان میں ذال موجود ہے اس سلسلے میں ذیل کی مثالیں قابلِ ذکر ہیں:

کنیش تباه گردذ و نقصان نپذیرذ ۲۵۲ ب

شود پذیرهٔ دشمن بجستن پیکار ۲۶۵ ا

پذیره آمذ آن دِل ربای بر در کاخ ۲۷۵ ا

توضیحات بالا سے بخوبی روشن ہے کہ فارسی میں قدیم زمانے ہی سے ذال معجمہ کا استعمال ہوتا رہا ہے اور یہ بات اتنی صاف و واضح ہے کہ اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

فارسی میں ذال معجمہ کی بے دخلی کی تاریخ کے سلسلے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے لکھا ہے کہ آٹھویں صدی کے ختم ہوتے تک 'د' نے 'ذ' کو پوری طرح بے دخل کر دیا ہے لیکن میرزا محمد قزوینی کے بقول تقریباً آٹھویں صدی اور اس کے بعد سے نامعلوم اسباب کی بنا پر بتدریج یہ امتیاز ختم ہوتا گیا اور ذال معجمہ آہستہ آہستہ دال مہلہ سے بدلتی گئی۔ بالفاظِ دیگر قزوینی کے بیان سے واضح ہے کہ آٹھویں صدی کے بعد بھی ذال معجمہ ملتی ہے، گو آہستہ آہستہ اس کا استعمال کم ہوتا جاتا تھا۔ یہی خیال صحت کے قریب ہے، کیوں کہ نویں صدی کے وسط کے بعد تک کے ایسے نسخے ملے ہیں جن میں ذال کا برابر استعمال ہے۔ اس سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ آٹھویں صدی کے خاتمے تک بے دخلی نہیں ہوئی تھی۔ ذیل میں نویں صدی، ہجری کے بعض ایسے نسخوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن میں ذال معجمہ کا استعمال تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

۱۔ دیوان حافظ، نسخۂ آصفیہ مکتوبہ ۸۱۸ ہجری: یہ ایک مجموعے میں شامل ہے جس میں کلیلہ و دمنہ متن میں ورق ۱ تا ۴۶۲ پھیلا ہے اور حاشیے میں دو کتابیں: منطق الطیر ورق ۱ تا ۲۷۲ ؛ دیوان حافظ ورق ۲۷۳ تا ۴۶۲۔ اس مجموعے کے اس حصّے کا عکس جو دیوان حافظ کو حاوی تھا یعنی ورق ۲۷۳ تا ۴۶۲ حیدر آباد میں ۱۹۴۶ء میں بغیر کسی توضیح کے چھپ گیا تھا مگر ابتدا میں تاریخِ کتابت ۸۱۸ ہجری کے بجاے ۹۱۸ ہجری درج ہو گئی ہے۔ اس نسخے میں ذال معجمہ کا برابر استعمال ہوا ہے۔ راقم نے مجلۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ ۱۹۶۰ء میں اس کو متعارف کرا دیا ہے۔

۲۔ دیوان حافظ، نسخۂ گورکھپور مکتوبہ ۸۲۴ھ، کاتب محمد بن مسعود بن عبداللہ القاری الحافظ ہے۔ اس میں بھی ذال معجمہ کا استعمال تواتر کے ساتھ ہوا ہے۔ اس میں ذال کے پچاسوں قوافی برابر آئے ہیں جیسے آیذ، بروذ، آرنیذ، نمی دہذ، زذ، ارزذ، گیرذ، دارذ، اندازذ، روذ، آیذ، شایذ، آرذ، آمذ، داذ، باذ، افتذ، افتاذ، بوذ، شوذ، باشذ، شذ وغیرہ۔

۳۔ دیوان حافظ، نسخۂ خلخالی مکتوبہ ۸۲۷ ہجری۔ اسی نسخے کی بنیاد پر میرزا محمد قزوینی نے

ایک ناقدانہ ایڈیشن شائع کیا تھا جس میں سے متعدد غزلیں خارج کردی گئیں۔ اس میں دال و ذال کا امتیاز رکھا گیا ہے۔

۴۔ شاہنامۂ فردوسی مصوّر نسخہ نیشنل میوزیم نمبر ۶۰/۵۴ مکتوبہ ۸۳۴ ہجری، کاتب محمود بن محمد: یہ نسخہ خواجہ نورالدین محمد کے لیے تیار ہوا تھا۔ اس میں ذال معجمہ کا تواتر کے ساتھ استعمال ہے۔

۵۔ مثنوی مولانای روم: نواب رحمت اللہ خاں علی گڑھ کے پاس مثنوی کا ایک نسخہ ہے جس کے مجلد اوّل کے خاتمے پر تاریخ کتاب ۸۵۸ ہجری الفاظ میں اس طرح درج ہے:

تم الحجلد الاوّل فی عاشر ذی قعدہ سنۃ ثمان و خمسین و ثمان مایۃ۔

اس کے ایک صفحے ۱۵۴ پر دال و ذال کے امتیاز کے سلسلے کے حسب ذیل الفاظ اس طرح آئے ہیں:

شذ ست، آمذ ست، باشذ، آیذ، بازایذ، زوذم، نبینذ، شوذ، روذ، بریذ، کشیذ، ندارذ، شذ، شذ، بذین، کنذ، کنذ، کوشذ، نمایذ، دہذ، دہذ، طلبیذن، نبوذ، فرموذ، جہذ، بوذ، برشذہ، خوذ، نیابذ

ان تیس مقامات میں ۲۵ جگہ ذال اور ۵ جگہ دال ہے۔ جب ۸۵۸ھ کے بعد والے نسخے میں اس کثرت سے ذال کا استعمال ہوا ہے، تو اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ ایران کے بعد علاقوں میں ذال کا استعمال شاید اواخر نویں صدی تک رہا ہو۔

اس گفتگو کا خلاصہ کچھ ترمیم کے ساتھ وہی ہے جو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اپنے مقالے میں پیش کیا ہے[۱]۔

---

[۱] ارمغان علمی، ص ۱۵۳۔

۱۔ اسلامی دَور کے اوائل میں ایران کی زبان میں ذال موجود تھی اور چھٹی صدی ہجری تک پورے علاقے میں بشمول ماوراء النہر و افغانستان بولنے میں (غالباً) اور لکھنے میں یقیناً آتی تھی۔

۲۔ ساتویں صدی سے ماوراء النہر کے خطے میں خصوصاً اور افغانستان کے علاقے میں عموماً ذال کی جگہ دال مہملہ نے لے لی لیکن ایران کے اکثر خطوں میں ذال کا استعمال شاید نویں صدی کے اواخر تک ہوتا رہا۔ نویں صدی کے اختتام کے بعد سے ذال پوری طرح بے دخل ہو گئی، لیکن

۳۔ تھوڑے سے لفظوں (پذیرفتن، گذشتن، گذاشتن، اسپندارمذ، آذر، کاغذ، تذرو، پانیذ، واذیج، نوذر وغیرہ) میں ذال باقی رہی یعنی املا میں موجود ہے لیکن تلفّظ زے جیسا ہو گیا۔ ایران کے علاوہ افغانستان، تاجیکستان، آذربائی جان، ہندستان وغیرہ میں یہی صورت حال ہے۔

۴۔ ہندوستان میں گیارھویں صدی کی دو مشہور فرہنگوں جہانگیری اور رشیدی کے مصنّفوں کے بعض اقوال نے فارسی زبان میں ذال کے وجود کو مشتبہ کر دیا لیکن ان مصنّفوں نے کہیں یہ نہیں کہا تھا کہ 'ذ' کی جگہ 'ز' لکھنا چاہیے۔

تیرھویں صدی ہجری میں غالبؔ دہلوی نے ظاہراً انھیں فرہنگوں کی تحریر سے متاثّر ہو کر یہ حکم لگایا کہ چوں کہ فارسی زبان میں 'ذ' کا وجود ہی نہیں' پذیرفتن، گذشتن وغیرہ میں 'ذ' غلط ہے، 'ز' لکھنا چاہیے۔ غالبؔ کے اسی بیان کی تحقیق ہماری گفتگو کا موضوع تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ مسئلے کے سارے پہلو روشن ہو چکے ہوں گے اور قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ غالبؔ کا دعوا کس حد تک صحیح ہے۔

تصحیفات اور لغات فارسی

عام طور پر فارسی بڑی آسان زبان خیال کی جاتی ہے اور یہ اس لحاظ سے بالکل صحیح ہے کہ اس میں قواعد کے مسائل بہت سیدھے سادھے اور باضابطہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں مبتدی بہت جلد اس زبان کو سیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس زبان میں عبور حاصل کرنا بہت دشوار ہے۔ اس کی دشواری کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس میں فارسی کے ساتھ عربی زبان کے بعض مسائل یکساں طور پر متداول ہیں۔ مثلاً جمع کا قاعدہ تثنیہ کے اصول، اضافت کا استعمال، تنوین، صفت موصوف کی تطبیق وغیرہ۔ عربی زبان کے یہ قاعدے عربی الفاظ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہٰذا اس زبان کے اہم تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ عربی اور فارسی الفاظ کے درمیان امتیاز کیا جا سکے۔ بظاہر یہ آسان بات ہے لیکن عام آدمی کا کیا ذکر بڑے بڑے فاضل جو لغات و فرہنگ کے مسائل پر اپنی عمر صرف کر دیتے ہیں وہ بھی اس سلسلے میں پوری طرح کامیاب نہیں۔ کوئی فارسی کا لغت ایسا نہ ہوگا جس میں اس لحاظ سے نقص نہ ہو۔ باغات گزارشات، فرمائشات، نوازشات، فرامین، خواتین، یکسانیت، نمونتاً، ادائگی، نارضگی کی طرح کے الفاظ و فقرات کا استعمال اسی اصول سے بے خبری کے نتیجے میں عام ہوتا جا رہا ہے۔ عربی الفاظ و فقرات مع اپنے صرفی اصول کے فارسی میں شامل ہوئے۔ دنیا کی کوئی زبان کسی دوسری

زبان سے شاید ہی اس طرح متاثر ہوئی ہو۔

فارسی زبان کی دشواری کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ فارسی عبارت کا صحیح پڑھنا مطلب کے سمجھ لینے پر موقوف ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ علامت اضافت جو الفاظ کے درمیان رابطہ کا کام کرتی ہے وہ اکثر لکھی نہیں جاتی بلکہ اسے قاری اپنی طرف سے فراہم کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل اس وقت تک انجام نہیں پا سکتا جب تک عبارت اچھی طرح سمجھ نہ لی جائے کیونکہ عبارت کے سمجھنے کا انحصار جملے کے سارے الفاظ کے باہمی رشتے کے سمجھنے پر ہے۔ اس بنا پر پڑھنے والا ایسی عبارت جس میں کئی اضافتوں کی ضرورت ہو، پہلی بار صحیح نہیں پڑھ سکتا اور اگر صحیح پڑھ لیتا ہے تو محض بر بنائے اتفاق ہے۔ قراءت کی توثیق مفہوم سمجھ لینے کے بعد ہی ہو سکتی ہے شاید ہی کسی اور زبان میں یہ صورت ہو۔

فارسی زبان کے رسم خط کی وجہ سے زبان کے مسائل میں دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں مثلاً اس زبان کے نہ صرف املائی مسائل پیچیدہ ہیں بلکہ الفاظ اپنے معیاری تلفظ سے گر گئے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اعراب الفاظ میں شامل نہیں۔ عربی زبان میں جس کی یہ خصوصیت فارسی میں رسم خط کے قبول کر لینے کے نتیجے میں پیدا ہو گئی ہے، اعراب اگرچہ لفظ میں شامل نہیں ہوتے۔ لیکن زبان میں داخل ہوتے ہیں۔ اعراب سے قواعد زبان کا کام لیا جاتا ہے اور زبان عربی کے محکم اشتقاقی اصول کے باعث لفظوں میں اعراب خود اپنا مقام متعین کر لیتے ہیں قاری کی صواب دید پر اس کے تعین کا سو فی صدی دارمدار نہیں۔ فاعل کے ہم وزن سارے الفاظ کا تیسرا حرف مکسور، مفعول کے ہم وزن کا پہلا حرف مفتوح اور مفعلہ کا حرف اول مکسور ہوگا عربی زبان سے واقفیت رکھنے والا معزز اور معزِز، محترَم اور محترِم، مرسَل اور مرسِل، مشکور اور شاکر مُقام اور مَقام وغیرہ میں بہ آسانی فرق کر لیتا ہے، لیکن فارسی میں حروف کی حرکتوں سے قاری کے ذہن میں کوئی تغیر محسوس ہی نہیں ہوتا۔ بالفاظ دیگر چونکہ فارسی زبان میں اعراب سے قواعد زبان کا کام نہیں لیا جا سکتا اس لئے قاری جیسا چاہتا ہے الفاظ کی حرکت معین کر لیتا ہے اور غلط حرکت سے چونکہ معنی میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا اس لئے غلطی پر متنبہ ہونے کا موقع نہیں فارسی میں لفظ جو مشتق ہو جاتا ہے وہ ایک اکائی کا کام دیتا ہے عربی میں مادہ، سب کچھ ہے

اشتقاق کے اصول معین ہیں اس لئے ہر شخص الفاظ کی ساخت خود کر سکتا ہے، عربی کے لغات اسی بنا پر مادے کے اعتبار سے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ فارسی زبان کے بڑے سے بڑے عالم سے تلفظ کے معاملے میں غلطی ہو جانا معمولی بات ہے۔

لیکن عربی رسم خط کے قبول کر لینے سے اس سے بھی بڑا ایک نقصان یہ ہوا کہ ہم متون کی حفاظت میں بری طرح ناکام رہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ شاید ہی دنیا کی کوئی زبان ایسی ہو جس کی کتابیں اپنی اصل سے اتنی دور ہوں جتنی کہ فارسی کی ہیں، تحریر کے ذریعے زبان کا سرمایہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کیا جاتا ہے۔ اگر کسی زبان کے حروف تہجی میں بآسانی تحریف و تصحیف ہو سکتی ہو تو سرمایۂ زبان کی حفاظت ممکن نہیں ہوتی۔ فارسی الفاظ میں تحریف کی جتنی گنجائش ہے، اتنی کسی دوسری زبان میں نہ ہوگی، اس لئے کہ اس زبان کے حروف متشابہ شکلوں کے ہیں۔ نقطے اور شوشے کے اضافے سے ایک حرف دوسرے حرف سے ممتاز ہوتا ہے اس کی بنا پر فارسی کتابوں میں جس حد تک تحریف ہوئی، اس کی مثال دنیا کی کوئی اور زبان جتنی کہ عربی اور اردو جن کا یکساں رسم خط ہے، پیش نہیں کر سکتی۔ فارسی زبان کی تحریف و تصحیف اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، سینکڑوں الفاظ ایسے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ مگر وہ کھوٹے سکے کی طرح چلن میں ہیں۔

تحریف لفظی کا دوسرا نام تصحیف ہے۔ اس سے مراد حرفوں اور نقطوں کی غلط خوانی و غلط فہمی سے دوسرے لفظوں کی تشکیل ہے، جیسے اکماک سے اکمال، ایمد سے ایمر، یا بوسہ سے توشہ۔ پہلے لفظ میں آخری حرف یعنی "ک" کو "ل" اور دوسرے میں "د" کو "ر" میں بدل دیا گیا ہے اور تیسرے لفظ میں نقطے کا اضافہ ہوا ہے۔ تیسری مثال میں اصل اور مصحف دونوں معنی دار لفظ ہیں اور الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں، اس بنا پر ان سے معاملات اتنے نہیں الجھتے۔ لیکن پہلی دونوں صورتوں میں تصحیف شدہ لفظ الگ معنی کے حامل نہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان میں اصل صورت کون ہے اور مصحف کون، اس لئے بخوبی ممکن ہے کہ "اکمال" اور "ایمر" اصل ہوں، اور "ل" اور "ر" کو "ک" اور "د" غلط طور پر پڑھ لیا گیا ہو۔ یہ عمل سیکڑوں الفاظ میں اس طرح ہوا کہ اصلی اور جعلی لفظ دونوں بالکل خلط ملط ہو چکے ہیں اور ان کا امتیاز بڑی

حد تک ناممکن ہو چکا ہے۔

تصحیف کے حدود میں الفاظ کے وہ تغیرات شامل نہیں جو قریب کی آوازوں میں بدل جانے سے عبارت ہیں۔ فارسی میں حسب ذیل آوازیں متبادل آوازیں ہیں۔

ب پ، ب پ ف؛ ت، د؛ ج چ؛ ق خ؛ ذ س؛ ف غ؛ س ش ش ز؛ ز ژ؛ ژ ج؛ غ خ ق؛ ک گ؛ گ غ؛ ل د؛ ط ت؛ س ص؛ ت ث؛ و پ وغیرہ۔ ایسے نئے الفاظ جو متبادل آوازوں کی وجہ سے وجود پذیر ہوتے ہیں وہ زبان کے قیمتی سرمائے ہیں، ان کا شمار مصحف الفاظ میں نہیں ہوتا۔ ذیل میں کچھ الفاظ کی فہرست درج کی جاتی ہے جن کی تشکیل آوازوں کے تغیر سے ہوئی ہے:

اسب اسپ؛ انزوب انزوپ؛ بادبر بادپر بادفر؛ بغارہ پیغارہ؛ بادشاہ پادشاہ؛ ابریشم افریشم؛ اپیون افیون، اسپریش۔ اسپریس؛ اشترغار اشترغار؛ اسکنہ اشکنہ؛ ترزفان ترزوان ترجان؛ بخس بخش تبکن تبگن؛ بساق بزاق؛ تواچہ تماچہ؛ ورغست برغست؛ ارمغاں ارمغان تربد تربت؛ ترقند ترکند؛ تبغوز سبغوز تیغوز؛ الفغدہ الفختہ؛ جماسب جماسپ؛ طہماسب طہماسپ تہماسپ۔ سپید سفید؛ برنجاسپ برنجاسف شنبلید شنبلیت شمبلید؛ بغج بغچ؛ آماج آماچ اوتاج؛ کوج بلوج؛ کوچ بلوچ؛ الغوخ الغوغ؛ بغطاق بخطاق؛ تارخ تارغ؛ تاخ تاغ؛ ایاز ایاس[1] اغیبہ اسیبہ شیبہ؛ بازشگونہ باژگونہ واژگونہ؛ باشنامہ باجنامہ؛ اشکبوس اسکبوس؛ ژغار زغار؛ ژگور زکور؛ ژغارہ زغارہ؛ ژکاسہ زکاسہ؛ تکش تکس تکژ تکز؛ کج کژ؛ ارز ارج؛ باج باژ باز؛ پازند پاژند؛ زند ژند؛ بلکش بلکس سوک سوگ؛ کشودن گشودن؛ پرکار پرگار؛ کشادن گشادن؛ شکفتن شگفتن شکوفہ شگوفہ؛ شکافتن شگافتن؛ شکاف شگاف؛ کشایش گشایش؛ آگوش آغوش؛ آگشتہ آغشتہ؛ آگندہ آغندہ؛ سپاہان اصفہان صفاہان؛ استخر

---

[1] عطار: گر تو مرد طالبی وحق شناس بندگی کردن بیاموز از ایاس

اصطخر ؛ اخسیکث ، درداره برباره ؛ ویشه بیشه ؛ ڈشکول بشکول ؛ بزغ وزغ ؛ برنجچ ورنجچ فرنجچ ؛ برکال[۱] پرگار ؛ تادہ تابہ ؛ پلالک بلارک ؛ پرغول بلغور ؛ اورنگ افرنگ ؛ دار خال دال خال ؛ زرد زلو ؛ وغیرہ ۔

بعض اوقات "قلب" کے اصول سے نئے لفظ وجود میں آتے ہیں۔ وہ بھی کچھ عرصے کے بعد زبان کے "اصیل" لفظ شمار ہونے لگتے ہیں، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

پیلغوش بیلگوش پیغلوش ؛ تلکو توکلو ؛ کنار کران ؛ بومادران بودرمان ؛ اصطرخ اصطخر ؛ بلوک پلوک بکول پکول ؛ مرغزن مرزغن ؛ اورند اروند ۔

بعض اوقات مصوتوں کی یا کسی ایک اور حرف کی تبدیلی سے نئے الفاظ کی تشکیل ہو جاتی ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

آزغ آزدغ ؛ آشخ اشخ ازخ ؛ اسو ادسو ؛ آژیر اژیر ؛ آنچہ آچہ ؛ آردستان اردستان ؛ ارغن ارغنون ؛ ارمان ایرمان ؛ بلادر بلادور ؛ برنوس برونوس برنوش ؛ آموں آموی آمو ؛ اشاق وشاق ؛ بادخون بادخن بادغان بادخوان ۔

محرف اور مصحف الفاظ اگرچہ زبان میں رائج ہو چکے ہوتے ہیں، لیکن استعمال ہونے کے باوجود وہ معیاری لفظ قرار نہیں دیے جا سکتے۔ لیکن طویل زمانہ گذر جانے کے بعد ان پر ایسا خول چڑھ جاتا ہے کہ زبان کے اصل لفظوں سے ان کا الگ کرنا نہ صرف دشوار بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن بہر حال وہ زبان میں کھوٹے سکے کے مانند ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ایسے محرف الفاظ زبان سے نکال دئے جائیں ان کے متعلق کیا عمل کیا جائے یہ خود ایک جداگانہ مبحث ہے جو فی الحال ہماری بحث سے خارج ہے۔ البتہ ہم یہ بات ضرور

---

[۱] ہر جگہ "ل" کی "ر" میں تبدیلی درست نہیں ہو سکتی ؛ مثلاً "اولنج" بمعنی لہسوڑ ہے جو "موید" میں "اورنج" کی شکل میں آیا ہے، صاحب "مدار" اس کو صاحب "موید" کی غلطی قرار دیتے ہیں۔

عرض کریں گے کہ علمی اعتبار سے یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ زبان کے اصل لفظوں کو مصحف اور محرف لفظوں سے ممتاز کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن جیسا اوپر عرض ہو چکا ہے اصلی اور جعلی الفاظ کے درمیان امتیاز قائم کرنا اتنا مشکل ہے کہ محض چند لفظوں کے مطالعہ میں سیکڑوں صفحے سیاہ کرنا ہوں گے۔ راقم کا منشا اس گفتگو سے یہ ہے کہ ہم یہ معلوم کرسکیں کہ تصحیفات کے سلسلے میں کون کون سے عوامل کارفرما رہے ہیں اور ان میں لغات فارسی کا کتنا حصہ ہے۔

اوپر اشارہ ہو چکا ہے کہ فارسی میں تصحیفات کی کثرت کی سب سے بڑی وجہ اس کے رسم خط کی بعض خصوصیات ہیں۔ مثلاً:

(۱) نقطوں کی وجہ سے جن کے باقاعدہ لگانے کا التزام ممکن نہیں۔

(۲) شوشوں کی وجہ سے جن کی بنا پر ایک حرف دوسرے حرف سے بالکل مشابہ ہو جاتا ہے، مثلاً ن، ی، ب یا ت جب الگ الگ لکھے جاتے ہیں تو ان کی شکلیں کافی مختلف ہوتی ہیں، مگر جب وہ دوسرے حرفوں سے ملتے ہیں تو بالکل یکساں ہو جاتے ہیں۔

(۳) پے در پے نقطہ دار حروف کے آنے کی وجہ سے، الگ الگ حروف کا تعین اکثر بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

(۴) حرفوں کی شکلوں کی یکسانی کی وجہ سے، جیسا کہ معلوم ہے فارسی کے سارے حروف تہجی چند ہی شکلوں کے ہیں۔ نقطوں اور مرکز سے سارے حروف ایک دوسرے سے متمائز ہوئے ہیں

(۵) اگر صرف ایک نقطہ والے حرف ہوتے تو معاملہ اتنا نہ الجھتا، لیکن ایک، دو، تین نقطوں کی وجہ سے التباس کے مواقع بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔

(۶) حرفوں پر بے ضرورت نقطے لگانے کی وجہ سے، "س" کے نیچے تین نقطے اور "ی" کے نیچے دو نقطوں کا رواج قدیم میں ملتا ہے۔

(۷) ک اور گ کے مرکز یکساں ہونے کی وجہ سے،

(۸) اکثر مواقع پر تین نقطوں کے بجائے ایک ہی نقطہ سے کام لیا جاتا۔ اس سے ب پ ج چ، ز ژ میں فرق کرنا دشوار تھا۔ یہی وجہ ہے فارسی کے سیکڑوں لفظ کی دہری صورتیں یکساں متداول ہیں۔

(۹) دو یا تین حرفوں کے نقطوں کو ایک ساتھ شامل کر لینے کی وجہ سے۔

(۱۰) بعض حرفوں کے ملنے اور بعض کے نہ ملنے کی وجہ سے۔ یہ ہمارے رسم خط کا بہت بڑا نقص ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے ایک ناقابل تلافی نقصان یہ ہوا کہ فارسی زبان کے سیکڑوں الفاظ کی ابتدا و انتہا مشکوک ہو گئی، ایک لفظ کے آخری حرف جو لفظ سے پیوست نہیں ہوتے وہ بآسانی دوسرے لفظ کے شروع کے حرف تصور کیے جا سکتے ہیں۔ یہ عمل محض دس بیس الفاظ تک محدود نہیں۔ لغات کی کتابوں میں یہ عمل اور زیادہ ہوا، اور اس کی وجہ سے سیکڑوں غلط الفاظ کی تشکیل ہو گئی، عربی کے محکم اشتقاقی ضابطوں کی وجہ سے اس زبان میں تصحیفات کی کثرت نہ ہو سکی لیکن فارسی میں غلط خوانی، تصحیف و تحریف کی ایسی گرم بازاری ہوئی کہ زبان معیار سے ساقط ہونے لگی۔ اس سے زیادہ کسی زبان کا بگاڑ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے سیکڑوں لفظوں کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ لفظ کہاں سے شروع ہوا اور کہاں پر اختتام کو پہنچا،

ذیل میں تصحیفات کی کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو محض مشتی نمونہ از خروارے کے مصداق ہیں، سارے مصحف الفاظ کی نشاندہی اور ان میں تصحیف کی ٹھیک نوعیت کے تعین کے لئے دفتر درکار ہوں گے۔

آمار آدار آمان؛ آونگ آوند؛ ابجال ایجال انجال، ابریر ابریز، انباغ انباغ؛ اہل اہد؛ ابیر آبیز ابیز آبید ابید آبیر آتبژ آبیژ؛ اتوشہ ابوشہ اجمر اجمود؛ آونگ اوشنگ؛ ارغاف ارغاد ارغام؛ ارمال ارماک؛ اسکوار اسکدار؛ اشترخار اشترغاز؛ اشنہ اشنان اشنہ؛ اغر اغز؛ افد افند؛ انزوب اندوب؛ انگژہ انگزد انگدان؛ اولست اولت؛ اوشنگ آوند؛ اوکز ایلدر ایکدر؛ بادغد بادغر بادغرد؛ پالونہ پالوانہ پالوایہ؛ تبخالہ بتخالہ؛ ہتکوب پتکوک؛ بتیغ بنغ؛ بجال بجبال؛ بجراک بجواک؛ بجتو بجتور بجتون؛ بدرہ بدہ؛ برارس برازش؛ بردال برکال؛ بردک نردک؛ برروشنان بروشیان برپروشان بروسان بروسنان برسان بروشیان؛ برس برہس؛ برنجاسب برنجاست بلنجاست؛ برمخیدہ برنخیدہ؛ برونن پرین؛ بریاق برماق؛

برخی بزخی؛ برنگ بزنگ؛ بشکلید بشتکلید؛ تغنلقار تغنلقاز؛ بکھوجبان بکھوجبان؛ بگماز بلمار؛ بلغندہ باغندہ؛ بلکس نلکس؛ بلمہ بامہ؛ بلوس وس؛ بلونک بکونک؛ بندک بنجک؛ بنداد بنلاد؛ بهنانہ بهانہ؛ بوی کلک بکلک؛ بیدکش بیلکش؛ بنجا بخیا؛ پاپندان پایندان؛ پالنگ پاچنگ؛ پادگانہ پالگانہ؛ پرزن پررہ؛ پژوک پژول؛ پشتک پشک؛ پشکنہ بشکلہ؛ پتنگ پنگ؛ پہنود برہود؛ پوشکان پوشنگان؛ پیلاق ییلاق؛ تارنگ تازیک تازنگ؛ تاول تاوک؛ ترنگ ترتنگ؛ تریان ترتان ترشکان توشکان؛ تزوال تروال؛ تزدک تردک؛ تزم نزم؛ تسلیخ تشلیخ تشیغ تشکیخ؛ تغریک تخزیک؛ تغنہ تغنہ؛ تفور تفو؛ خرچلوک خرچکوک ورتاج درتاج؛ سرتک سرموتک:

رسم خط کی جو دشواریاں اوپر بیان ہوئی ہیں، ان میں بعض عربی میں اور سب کی سب اردو میں پائی جاتی ہیں لیکن جیسا کہ عرض ہو چکا ہے عربی میں کوئی بہت بڑا تصرف نہیں ہوا اس لئے خود اس زبان کے اصول تحریف وتصحیف کی راہ میں زبردست فطری موانع کا کام کر رہے تھے اردو میں تصحیف کا عمل فارسی کے مقابلے میں کم ہوا ہے جس کی منجملہ اور وجوہ کے ایک وجہ یہ ہوئی کہ اس زبان کی عمر بہت کم تھی اور زبان کا بیشتر سرمایہ جانا پہچانا اور برتا برتایا ہے۔

رسم خط کے علاوہ فارسی میں عربی اور اردو کے مقابلے میں تصرفات و تحریفات کی کثرت کے وجوہ خود اس زبان کے بعض اصول ہیں جن کی صراحت ذیل میں کی جاتی ہے،

(۱) — اضافت کی علامت لفظی نہ ہونے کی بنا پر مضاف اور مضاف الیہ پر مفرد لفظ کا دھوکا ہو سکتا ہے جیسے پرِتو = پرتو؛ خرِمن = خرمن؛ خرِما = خرما؛ بارِبد = باربد (نام گویا)؛ سنگ پشت = سنگ پشت (کچھوا)؛ سرِشاخ = سرشاخ (شہتیر)؛ شترِغار = شترغار (درخت خاردار)؛ دارِخال = دارخال (ایک درخت)؛ بابِزن = بابزن (سیخ)؛ برِتو = برتو (دیبا)؛ دارِوا = دروا (اوندھا)؛ درِبند = دربند (نام شہر)؛ درِدار = دردار (نام درخت)؛ سرِشوی = سرشوی (حجام)

سرزن = سرزن/سرکش'، دریا = دریا/خرگوش، وغیرہ

۲—ضمیروں کے مخصوص املائی وجہ سے' اوپر کی چند مثالوں کے علاوہ چند مثالیں یہ ہیں
مادر وطن = مادر وطن'، ارمن (نام جگہ) = اگر من'، دریا = خرگوش وغیرہ۔

۳—دو حرفی حروف جیسے بہ، در، از، بر، تا، با، وغیرہ پر پیشوند و پسوند کا دھوکا ہو سکتا ہے جیسے دربند (نام جگہ)؛ ازدر؛ بربار (بمعنی بالاخانہ)؛ برداغ (گیاہ)؛ پرمون (نیم کوفتہ)؛ برمہ؛ برمو (انتظار)؛ برکوہ (نام جگہ)؛ باشہ (نام چڑیا)؛ بالنگ (تہ رنج)؛ بربد (نام جگہ)؛ برہم؛ بربط برخان (آوازہ، صدا)؛ براز (= بہ راز)؛ بلاہ (خوبی)؛ درہم؛ درتاج (نام گیاہی)؛ دردار (نام درختی)؛ دردشت (نام جائی)، دروزبان (رشتۂ تافتہ)؛ درزن (سوئی)، درزہ (گھاس کا گٹھا)؛ درغم (نام جگہ کا) ازبرم (= ازبر)، ازدشت (مطیع)، ازدف (نام میوہ)، ازدمی (نام جانور)، ازرنگ (خیار)؛ ازل (کثیر)، ازناو (نام جگہ کا)، باراز (= باراز)، بازار (با + زار)، باخر (احمق)، بادر (سرخبادہ)، باختر (= بہ اختر)، بادرنگ (ہلاکی)، تارخ (نام)، تارنگ (تازیک)، تاموز (تموز)، تاپاک (سوزش)، تارہ (تیرہ و تار)، برہم، بادھان (= باد + ہان)،

۴—بعض مخففات کی وجہ سے، از (بجای اگر)، ور (بجای واگر)، ز (بجای) (از) بآسانی الفاظ کے جز ہو جاتے ہیں۔ حسب ذیل مثالیں ملاحظہ ہوں؛

ارتنگ (نام کتاب مانی)؛ اربیان (ملخ آبی)، ارجان (چلغوزہ)، ارتو (پوشش)، ارزن (نام درخت)، ارزہ (کہگل)، ارقند (نام پہاڑ)، ارمال (چوب)، ورکاہ (میوہ)، ورکوہ (نام شہری)، ورسنگ (عجیب)، ورتاج (آتش پرست) وردوک (چھپر) ورزہ (کشت نمودہ)، ورساز (نام جگہ)، زوزن (= ز + وزن)، زدم (ز + دم)، زمام (ز + مام)، زغار (ز + غار)، زرو (دوا کا نام)، زباد (پسینہ)، زغارہ (شراب)، زکبر (منھ پھلا کر آواز نکالنا)، زریخ (گوند)، زرنگ (نام درخت)، زرشک (نام گل)، زخم زمن، زخر (دھان)، زغم (تعدی وزرد)، زغیر (السی)، زرد، زکور (بخیل)، زکاسہ (ساہی)، زہشت (نفس)، زورق (کشتی)، زنود (خوشۂ خرما)، زنوز (نام جانور)،

۵—حروف "بہ" کے لفظ میں شامل ہو جانے کی وجہ سے مثلاً:
باغوش (ڈبونا) = بہ آغوش، باہک (شکنجہ) = بہ آہک

باہو (بازو) = بہ آہو، | ببر (شیر) = بہ بر
بجور (نام ولایتی) = بہ جور، | بچل (گندہ) = بہ چل (غلف)
بچرک (مذاق) = بہ چرک (گندگی)، | بجم (میوہ درخت) = بہ جم (پتلی)
بچک (نام اسلحہ) = بہ چک (بیعانہ)، | بچم (نالی) = بہ چم (چال)
بخار = بہ خار، | بخارا = بہ خارا (سنگ سخت)
بخم (نام ولایتی) = بہ خم (کجی)، | بخور (صمغ) = بہ خور (خورشید)
بحور (جمع بحر) = بہ حور، | (برسم (بی گرہ) = بہ رسم
بنگاہ (درخت خانہ) = بہ نگاہ، وغیرہ

۶ — "می" علامت فعل حال و استمرار سے کبھی کبھی التباس کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جیسے

می رود (میرود) - می - رود
میزد = می زد، میزد = مجلس شراب
میزدہ = می زدہ، میزدہ = بدحال و بی مزہ
میگزد = می گزد، میگزد = مجلس شراب
میدہ = می دہ (امر استمرار) = میدہ (آرد گندم)
میرہ = می رہ (") = میرہ (= خواجہ)

۷ — حرف نفی "بی" لفظ میں شامل ہو کر التباس کی صورت پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

بیرنگ (طرح عکاسی)؛ بی۔ رنگ | بیستون (نام کوہ)؛ بی۔ ستون
بیرو (کیسہ وخریطہ)؛ بی۔ رو | بیدخت (زہرہ)؛ بی۔ دخت
بیداد (نام شہر)؛ بی۔ داد | بیجادہ (کہربا)؛ بی۔ جادہ
بیروز (نام سنگ)؛ بی۔ روز | بیگاہ (شام)؛ بی۔ گاہ
بیزن (نام شخص)؛ بی۔ زن | بیسر (پرندہ)؛ بی۔ سر
بیسرہ (نام پرندہ)؛ بی۔ سرہ | بیہودہ (کپڑا جو جل چکا ہو)؛ بی۔ ہودہ

بیغار (سرزنش)؛ بی ۔ غار　　بیراہ (دو طرف راہ)؛ بی ۔ راہ

بیرم (نام پارچہ)؛ بی ۔ رم　　بیران (ویران)؛ بی ۔ ران

بخشت (از بیخ برکندہ)؛ بی خشت،

۸ــ واو عطف کے نقط میں شامل ہونے کی وجہ سے، اس سلسلے میں حسب ذیل مثالیں قابل توجہ ہیں:

وباسک مصحف باسک (جماہی)

وبروک	مصحف	بروک	(افسانہ وچیستان)
وتکشر	مصحف	تکشر	(تخم انگور)
وچنک	مصحف	چنگ	(منقار مرغان)
وخشینہ	مصحف	خشینہ	(سفید)

وسہ (چوبدستی)؛ و ۔ سہ

وشرک مصحف شرک (جامہ و پارچہ)

ونگ (الگنی)؛ و ۔ نگ

وہشت (خمسۂ مسترقہ)؛ و ۔ ہشت

وسنگ مصحف وشیک؛ و ۔ سنگ

وہنگ (حلقہ)؛ و ۔ ہنگ (وقار)

ویک (کلمۂ تحسین)؛ و ۔ یک

وہر (نام ولایتی)؛ و ۔ ہر

ویل (کلمۂ تاسف)؛ و ۔ یل (پہلوان)

ویلان (کاری بہم پیوستہ)؛ و ۔ یلان (جمع یل)

ویم (کہگل)؛ و ۔ یم (تالاب)

۹ــ ضمیر کی وجہ سے بعض مسائل پیدا ہوتے ہیں مثلاً:

(الف) فارسی اسم مصدر اور ضمیر متصل واحد غائب میں التباس کے مواقع پیدا

ہو جاتے ہیں۔ حسب ذیل مثالیں قابل غور ہیں:

آرامش	:	آرام او؛	ارزش	:	ارزاو
بالش	:	بال او؛	بارش	:	بار او
بخشش	:	بخش او؛	تابش	:	تاب او
پیچش	:	پیچ او؛	خرامش	:	خرام او
خورش	:	خور او؛	رنجش	:	رنج او
سنجش	:	سنج او؛	سوزش	:	سوزاو
شورش	:	شوراو؛	طرازش	:	طرازاو
کاہش	:	کاہ او؛	گذرش	:	گذر او
گدازش	:	گداز او؛	گذارش	:	گذار او
گوارش	:	گوار او؛	لغزش	:	لغزاو
نگارش	:	نگار او؛	نازش	:	نازاو

(ب) ضمیر متصل واحد متکلم اور مضارع یا ماضی میں التباس کے مواقع ہیں، مثلاً:

طلبم (مضارع)	طلب من؛	افتادم (ماضی)	: افتادمن
خرم (مضارع)؛	خرمن؛	جنگم (مضارع)؛	جنگ من
چربم (")؛	چرب من؛	یافتم (ماضی)،	یافت من
فہم (")،	فہم من؛	پرداختم (ماضی)،	پرداخت من
پرہیزم (")،	پرہیز من؛	آغازم (مضارع)،	آغاز من
آرامم (")،	آرام من؛	پسندم (مضارع)،	پسند من
آزارم (")،	آزار من؛	پیچم (")،	پیچ من
تاختم (ماضی)،	تاخت من،	پیوندم (")،	پیوند من
تازم (مضارع)،	تاز من،	ترسم (")،	ترس من
جستم (ماضی)،	جست من،	جویم (")،	جوی من

چمم (مضارع)، چم من، خرامم (مضارع)، خرام من

خریدم (ماضی)، خرید من، خروشم (")، خروش من

رفتم (")، رفت من، خمم (")، خم من

خورم (مضارع)، خور من، خوابم (")، خواب من

خوردم (مضارع)، خورد من، بودم (ماضی)، بود من

دادم (ماضی)، داد من، داشتم (ماضی)، داشت من

دوشم (مضارع)، دوش من، دمم (مضارع)، دم من

دیدم (ماضی)، دید من، دوزم (")، دوز من

رمم (مضارع)، رم من، زیستم (ماضی)، زیست من

رسیدم (ماضی)، رسید من، ساختم (ماضی)، ساخت من

سرودم (")، سرود من، رنجم (مضارع)، رنج من

سوزم (مضارع)، سوز من، شگافم (")، شگاف من

شمارم (مضارع)، شمار من؛ طرازم (")، طراز من

گردم (")، گرد من؛ فروختم (ماضی)، فروخت من

گذارم (")، گذار من؛ گذرم (مضارع)، گذر من

گدازم (")، گداز من؛ گریزم (مضارع)، گریز من

گشتم (ماضی)، گشت من؛ نگارم (")، نگار من

نمودم (ماضی)، نمود من؛ ارزم (")، ارز من

بالم (مضارع)، بال من؛ بارم (")، بار من

بخشم (")، بخش من؛ تابم (")، تاب من

سنجم (")، سنج من؛ شورم (")، شور من

لغزم (")، لغز من؛ نازم (")، ناز من

(ج) ضمیر متصل واحد حاضر اور عربی اسماے مصدری میں التباس کی صورتیں یہ ہیں:

قدرت : قدرِ تو ، حرفت : حرفِ تو ،

بعدت : بعدِ تو ، خدمت : خدمِ تو ،

رحمت : رحمِ تو ، صنعت : صنعِ تو ،

مدحت : مدحِ تو ، حملت : حملِ تو ،

فرقت : فرقِ تو ، نصرت : نصرِ تو ،

ملکت : ملکِ تو ، وصلت : وصلِ تو ،

(د) ضمیر کے فعل میں شامل ہونے سے التباس پیدا ہونے کے امکان ہیں، مثلاً زدم : من زدم، او مرا زد ؛ دادم : من دادم، او داد مرا ؛ کشیدم : من کشیدم او کشید مرا۔ سعدی کا ایک شعر ہے :

یکی دیدم از عرصۂ رود بار   که پیش آمدم بر پلنگی سوار

پیش آمدم یعنی پیش من آمد۔

۱۰- (الف) اسم مصدری اور فعل ناقص میں التباس کی صورتیں ہوتی ہیں، مثلاً تندی (تیزی) ؛ تند ہستی، مردی (بہادری) ، مرد ہستی ؛ خوبی (اچھائی) ؛ خوب ہستی۔

(ب) اسم مصدری جو اسم فاعل میں 'ی' کے اضافے سے بنتا ہے، اس میں اور فعل ناقص یا فعل لازم میں التباس کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں مثلاً :

نیک انجامی (اسم مصدر) ، تو نیک انجام ہستی (ناقص)

خوب فرجامی (") ، تو خوب فرجام ہستی (")

نیک اندیشی (") ؛ تو نیک اندیش ہستی (") ؛ تو نیک می اندیشی

بدبینی (") ؛ تو بدبین ہستی (") ، تو بد می بینی

خیرسگالی (") ؛ تو خیرسگال ہستی (") ، تو خیر می سگالی

(وقس ہذا)

(ج) اسم اور فعل کے التباس کی یہ صورت قابلِ غور ہے :

بازی (می بازی) ؛ تو باز ہستی (ناقص) ، اسم مصدر بمعنی کھیل از مصدر باختن۔

۱۱- الف ندا کی وجہ سے ایسے الفاظ پر جو "رے" پر ختم ہوتے ہیں، علامت مفعول کا دھوکا ہوتا ہے اور اس طرح التباس کے بڑے مواقع ہیں، مثلاً :

سرورا (ای سرور)؛ سرو را
نوکرا (ای نوکر)؛ نوک را
گویرا (ای گویر- پیشکار)؛ گوی را
دادرا (ای دادر- برادر)؛ داد را
دخترا (ای دختر)؛ دخت را
داورا (ای داور)؛ داو (- دشنام) را
سپہ دارا (ای سپہ دار)؛ سپہ دا (- علت) را
سلطان دہرا (ای سلطان دہر)؛ سلطان دہ را
شیر سپہرا (خطاب بہ برج اسد)؛ شیر سپہ را
سلطان سپہرا (خطاب بہ آفتاب)؛ سلطان سپہ را
شکورا (ای شکور)؛ شکو (- شکایت) را
ستارا (ای ستار)؛ ستا (- رباب) را
فلک سریرا (ای فلک سریر)؛ فلک سری (- سردار) را

۱۲- حرف اشارہ بعید (ان)، اور علامت جمع (ان)، یا ایسے اسما جو "ان" پر ختم ہوتے ہیں ان میں کبھی کبھی التباس ہو جاتا ہے جیسے : مردان قبیلہ = مرد آن قبیلہ؛ باران وقت = بار آن وقت،

ارزان = ارز آن یا ارز آن؛ بہاران = بہار آن؛
بادان (جزا) = باد آن؛ تازیان (جمع تازی) = اسم حالیہ

تفصیلات بالا سے بخوبی واضح ہے کہ فارسی میں اور زبانوں کے مقابلے میں تحریفات و تصحیفات کے مواقع بہت زیادہ ہیں- یہی وجہ ہے کہ زبان کے ہزاروں الفاظ کے تلفظ، صحت اشتقاق اور تعین معنی میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے-

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فارسی زبان کی مخصوص خصوصیات سے جو پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کا حل کیا ہے۔ زبان کے ان پیچیدہ مسائل کے حل کرنے اور تصحیفات و تحریفات کی بڑھتی ہوئی رُو کو روکنے کا سب سے موثر آلہ کار فارسی لغات تھے، مگر بد قسمتی سے اس زبان میں لغت نویسی کا کام دیر سے شروع ہوا اور اس پر ستم یہ ہوا کہ جو لغات لکھے گئے وہ ناقص، ادھورے اور اصول لغت نویسی سے مغائرت رکھتے تھے، اس لئے وہ تصحیفات وغیرہ مسائل کے حل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، فارسی کا سب سے قدیم لغت جو دریافت ہو سکا ہے وہ "لغت فرس" تالیف اسدی (متوفی بعد ۴۶۵ھ) ہے، ظاہر ہے کہ اس کی تالیف تک فارسی ادب پر تقریباً دو صدیاں گذر چکی تھیں۔ ہمارے نقطۂ نظر سے یہ لغت حسب ذیل نقائص کا حامل ہے: لغات کی تعداد بہت کم ہے، محض شعری لغت ہے، معنی نہایت اختصار سے بیان ہوئے ہیں، لفظ کا تلفظ درج نہیں ہوا ہے اور الفاظ کی ترتیب حروف تہجی سے نہیں ہوئی،

اس کی پیروی میں جو فرہنگیں لکھی گئیں ان میں کچھ الفاظ زیادہ تھے اور معنی میں بھی شاید اتنا اختصار ملحوظ نہ رکھا گیا ہو، البتہ اور دوسرے نقائص بدرجۂ اتم موجود تھے۔ "لغت فرس" کے بعد دوسرا قدیمی لغت جو دستیاب ہوا ہے "فرہنگنامۂ قواس" ہے، اس میں الفاظ مطالب کے لحاظ سے جمع ہوئے ہیں۔ اس کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مترادفات ساتھ ساتھ واو عاطفہ کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ان وجوہ سے اس لغت سے استفادہ کرنے والوں سے اکثر سہو ہوا ہے جس کے نتیجے میں مصحف الفاظ ان کے یہاں شامل ہوئے جو بعد کی فرہنگوں میں برابر جگہ پاتے رہے ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ عام کتابوں کے مقابلے میں فرہنگوں میں التباسات کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ فرہنگیں الفاظ و مترادفات کا مجموعہ ہوتی ہیں جن میں ادنیٰ تحریف سے نئے نئے لفظ وجود میں آجاتے ہیں اور چونکہ سیاق و سباق کی مدد سے الفاظ کے صحیح تعین کا موقع کم ہوتا ہے اس لئے ان میں محرف الفاظ آسانی سے راہ پاتے رہے ہیں پھر کاتبوں کی کم علمی کے باعث ان کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ البتہ اگر

فرہنگ نگاروں کی طرف سے پوری تحقیق و تجسس عمل میں آتی تو بڑی حد تک تصحیف کا سدباب ہو جاتا۔ مگر اکثر ایسا نہیں ہوا اور وہ کاوش جو فرہنگ نگاری میں خصوصیت سے درکار تھی عمل میں نہ آسکی، الفاظ کے مادے اور اصل کے تعین کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا، مآخذ کی ساری فرہنگوں کا قرار واقعی تقابلی مطالعہ کا بھی عمومی فقدان نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں فرہنگ جہانگیری (تالیف ۱۰۱۷ھ) کا ذکر غیر مناسب نہ ہوگا یہ فارسی کا قابل قدر فرہنگ ہے۔ اس کے مؤلف جمال الدین حسین انجوے شیرازی نے ایک مدت تک اس پر کام کیا، لیکن اس فرہنگ میں کسی حد تک تحقیق کی خامی کے ساتھ ساتھ ایک اعتبار سے علمی بے دیانتی کا بھی عکس نظر آتا ہے مؤلف کے پیش نظر پچاس سے زیادہ فرہنگیں تھیں، اتنی فرہنگیں کسی دوسرے فرہنگ نگار کے پیش نظر نہ تھیں، اصول فرہنگ نویسی کا تقاضا تھا کہ اس فرہنگ میں جتنے الفاظ شامل ہیں ان میں سے ہر لفظ کی تحقیق میں (خواہ لفظ کی قرات ہو یا اس کے معانی کی) ہر ایک فرہنگ سے استفادہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا اور میرا خیال ہے کہ شاید ہی کوئی لفظ ہو جس کے سلسلے میں ساری فرہنگوں کا مطالعہ بیک وقت عمل میں آیا ہو، اس میں شبہ نہیں کہ مآخذ کی ہر فرہنگ کسی نہ کسی لفظ کے سلسلے میں مطالعے میں آئی اور اس طرح ساری کی ساری فرہنگیں مؤلف کے استفادے میں رہیں لیکن ہر لفظ تمام فرہنگوں کے بیان کی روشنی میں جانچا اور پرکھا نہیں گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ و معانی میں جو تصحیفات قدیم فرہنگوں میں رونما ہو چکے تھے اور جو باہمی مقابلے سے دور ہو سکتے تھے، وہ "فرہنگ جہانگیری" میں اس طرح باقی رہے، اگر صاحب جہانگیری اپنے مآخذ کے لغات کا جن میں سے اکثر و بیشتر آج ناپید ہو چکے ہیں خاطر خواہ استعمال کرتا تو کئی سو محرف و مصحف الفاظ خارج ہو چکے ہوتے اور فارسی فرہنگ نویسی کا رخ ہی دوسرا ہوتا۔ "مجمع الفرس"، "فرہنگ رشیدی" "سراج اللغت" فرہنگ ناصری اور فرہنگ نظام کے مولفوں نے جہانگیری کی بعض خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہو مگر ان میں سے کسی کے پاس وہ مواد نہ تھا جس سے جہانگیری میں استفادہ ہوا تھا اس لئے اپنے بلند دعووں کے باوجود یہ سارے کے سارے صاحب "جہانگیری" کے خوشہ چین اور نقال ہیں

فرہنگ نویسی کے سلسلے میں جو قابل توجہ کوتاہی نظر آتی ہے وہ الفاظ کے مادے و "ریشے" سے عدم واقفیت ہے۔ ہمارے اکثر فرہنگ نگار ایران قدیم کی زبانوں سے ناواقف تھے۔ ان

سے مزید توقع کہ وہ سنسکرت سے بھی واقف ہوں گے دور از کار بات تھی اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ ان زبانوں سے عدم واقفیت کے بغیر فارسی فرہنگ نویسی میں کامیابی کا تصور ہی بے معنی ہے، یہ بنیادی کام جو سب سے پہلے کرنے کا تھا فرہنگ نگاروں کے حاشیہ خیال میں نہ آیا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ نہ ہم الفاظ کے اصل و مادے سے واقف ہیں اور نہ ان کے معانی و تلفظ کے سلسلے میں ہمیں کسی قسم کی رہنمائی ملتی ہے۔ اگر لفظ کا مادہ معلوم ہو تو اس کی شکل میں بھی متعین ہو جائے اور معنی بھی ٹھیک معلوم ہو جائیں۔ اس سلسلے میں دو لفظوں کا ذکر کروں گا، ایک "چینود" دوسرے "وچرگر"۔ اول الذکر کی متعدد شکلیں مذکور ہیں مثلاً چنیود، چینود، جیئور، جنیور، خینو، خنیور وغیرہ، اس لفظ میں تین طرح کی تصحیف ہوئی ہے، چ ج اور خ کی تبدیلی، ی اور نون کے تقدم و تاخیر کے لحاظ سے اور "د" اور "ر" کی تبدیلی کے اعتبار سے۔ اور ان میں سے ہر ایک شکل کے لئے شعراء کے کلام سے شہادت فراہم کر لی گئی ہے۔ لیکن اس لفظ کی صحیح قرارت کا تعین قدیم زبانوں کی روشنی میں ممکن ہے، اصل میں اس کا ریشہ اوستائی لفظ چینوت ہے۔ یہی لفظ پہلوی میں چینوُد ہوا اور ذرا سی صوتی تبدیلی کے ساتھ فارسی میں چینوَد کی شکل میں رائج ہوا لیکن فرہنگ نویسوں اور بعض شاعروں کی وجہ سے اس لفظ کی صورت مسخ ہو گئی۔ دوسرا لفظ "وچرگر" ہے۔ اوستا میں اس کی جگہ وچرا بمعنی فتویٰ دھندہ ہے۔ پہلوی میں وچر اور وچارش بمعنی فتوی گزارش اور دستور اور وچرگر بمعنی مفتی ہیں۔ ایک پہلوی کتاب "وچرکرت دینک" ہے جس میں دینی مسائل سے گفتگو کی گئی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ فارسی "وچرگر" بالکل صحیح لفظ ہے لیکن فارسی کی بعض فرہنگوں میں "وچرگر" کے بجائے "چرگر" آیا ہے اور عبدالرشید تتوی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

> "وچرگر بفتح واو، وجیم وکاف ہر دو فارسی، مفتی و در فرہنگ بضم واو وجیم بمعنی سرودگو، وصحیح چرگر است چنانکہ گذشت و واو عطف را جزو کلمہ پنداشتہ۔"

گویا تتوی کے نزدیک "وچرگر" میں واو عطف تھا جو غلطی سے جزو کلمہ قرار دیا گیا ہے۔ "فرہنگ" کے حوالے سے اس کے جو معنی سرودگو لکھے ہیں وہ بھی خوب ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس محولہ فرہنگ کے مؤلف نے وچرگر کے معنی "مفتی" کو مغنی پڑھا ہوگا اور اس طرح اپنی جدت طرازی

سے اس عربی لفظ کو فارسی لفظ "سرودگو" میں تبدیل کرکے اپنی تصحیف خوانی کی پوری توثیق کردی۔

راقم حروف نے چند الفاظ کا تفصیلی جائزہ محض اہم لغات کے بیان کی روشنی میں اس طرح پیش کیا ہے کہ اس سے فرہنگ نویسوں کی غلطی یا غلط خوانی کی پوری حقیقت سامنے آجائے گی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ متاخر فرہنگ نگاروں سے خصوصاً کیا بنیادی غلطیاں ہوئیں اور ان سے کس قسم کی تصحیفات عمل میں آئیں (کاتبوں کی غلطیوں سے صرف نظر ہوا ہے)، نیز یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ ان غلطیوں کو کیوں کر دور کیا جا سکتا تھا۔ محض الفاظ میں تصرفات نہیں ہوئے بلکہ الفاظ کے معانی میں بھی غلط خوانی سے بڑی بڑی جدت طرازیاں ہوئی ہیں۔ ان سب امور کے نتیجے میں ہماری فرہنگیں بڑی ناقص ہیں اور ان کے نقائص کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ان کی بیخ کنی ممکن نہیں، پھر بھی علم کا تقاضا ہے کہ ان کی نشاندہی کی جائے۔ اور اسی سے فارسی زبان کے تصحیفات کے مسائل آسانی سے سمجھ میں آ سکیں گے۔

زیر نظر مطالعے میں حسب ذیل فرہنگوں سے خصوصیت سے استفادہ ہوا ہے:

۱- لغت فرس اسدی سال تالیف بعد ۴۵۸ھ

۲ - فرہنگنامۂ فخر قواس تالیف بظاہر درمیان ۶۹۵ - ۷۱۵ھ

۳- صحاح الفرس محمد بن ہندو شاہ تالیف ۷۲۸ھ

۴- دستور الافاضل حاجب خیرات دہلوی تالیف ۷۴۳ھ

۵- معیار جمالی شمس فخری تالیف ۷۴۵ھ

۶- ادات الفضلا بدر دہلوی تالیف ۸۲۲ھ

۷- زفان گویا ے بدر ابراہیم تالیف قبل ۸۳۷ھ

۸- بحر الفضائل تالیف ۸۳۰ - ۹ شرفنامہ تالیف قبل ۸۷۸ - ۱۰- موید الفضلا تالیف 925

---

(۱) یہ تاریخ بلاخمن نے لکھی ہے (دیکھیے ایشیاٹک جرنل CONTRIBUTION To PERSIAN LEXICOGRAPHY) مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ ج ۱ ص ۱۹۱ پر مدار الافاضل کا حوالہ ہے جو ۱۰۰۱ ہجری میں مکمل ہوئی اور اسی جلد کے ص ۱۵۹ پر اکبر بادشاہ ذکر اس طرح ہوا ہے:

"فقیر گوید کہ ایں لغت (برسم) را از مجوسی کہ در دین خود بغایت فاضل بود، اردشیر نام داشت و در عہد محمد اکبر بادشاہ [illegible] سنہ ۱۰۰۰ آمدہ بود تحقیق نمودم"

۱۱- مدارالافاضل فیضی سرہندی تالیف ۱۰۰۱ھ

۱۲- مجمع الفرس سروری کاشانی تالیف ۱۰۰۸ وبعد ۱۰۲۸ھ

۱۳- فرہنگ جہانگیری انجوے شیرازی تالیف ۱۰۱۷ھ

۱۴- برہان قاطع محمد حسین تبریزی تالیف ۱۰۶۲ھ

۱۵- فرہنگ رشیدی عبدالرشید تتوی تالیف ۱۰۶۴ھ

۱۶- فرہنگ انجمن آرائے ناصری ہدایت تالیف ۱۲۸۸ھ

۱۷- فرہنگ آنندراج محمد بادشاہ تالیف ۱۳۰۶ھ

۱۸- فرہنگ نظام آقائے سید محمد علی تالیف ۱۳۵۸ھ

ان میں "اداۃ الفضلا"، "زفان گویا"، "بحر الفضائل" اور "شرفنامہ" کے علاوہ سب مطبوعہ ہیں، "فرہنگ نامۂ فخر قواس"، "فرہنگ دستورالافاضل" دونوں کا انتقادی متن راقم کے توسط سے تہران سے شائع ہو چکا ہے، زفان گویا کمیاب ہے، اس کا ایک نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں ہے، ایک ناقص الاول نسخہ تاشقند میں پایا جاتا ہے، اس آخری نسخہ کا عکس، پٹنہ کے نسخے کی فہرست مع ایک مفصل روسی مقدمے کے س. الف بائیفسکی ۱۹۷۴ میں ماسکو سے چھاپ چکے ہیں، اس فرہنگ کا تنقیدی متن راقم نے تیار کر لیا ہے، اس کی جلد اول پریس کو جا رہی ہے۔ "اداۃ الفضلا" کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں، ایک مسلم یونیورسٹی لائبریری کا، دوسرا ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا۔ "بحر الفضائل" کے چار نسخے میرے استفادے میں ہیں، ایک رضا لائبریری کا اور تین نسخے انڈیا آفس لندن کے کتاب خانے کے، "شرفنامہ" کے نسخے عام طور پر ملتے ہیں۔ میرے مطالعے میں مسلم یونیورسٹی کا نسخہ ہے، راقم نے سید طارق حسن صاحب کے مرتب کئے ہوئے نسخے سے بھی استفادہ

---

[۱] اس کی پہلی جلد راقم کی تصحیح و ترتیب سے خدابخش پبلک لائبریری پٹنہ چھاپ رہی ہے۔

کیا ہے۔ دورِ حاضر کے مصنفین میں صاحب "فرہنگ نظام" نے "بحر الفضائل" اور "شرفنامہ" سے ضرور استفادہ کیا ہے، مگر بقیہ چار فرہنگیں ان کے بھی دسترس سے باہر تھیں، اور کئی صدی کے بعد پہلی بار ان اوراق میں ان سے استفادہ ہو رہا ہے۔

ان تمہیدی اشارات کے بعد اب ہم الفاظ کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

آمار:

لغت فرس : آمار استقصاء
صحاح الفرس : آمار استقصاء
قواس : آمار حساب
دستور : آمار حساب
معیار جمالی : آمار استقصا
ادات : آمار و آمارہ حساب
زفان گویا : آمار حساب، اوار ہمان حساب است
شرفنامہ : آمار ترجمۂ حساب، داوار و امار و آمارہ و آدارہ و آمارہ و آدارہ مترادف اند۔
موید : آمار ترجمۂ حساب و آمارہ و آدارہ و امار و آدار مترادف اند۔
مدار : آمار و اوار حساب، و در حل لغات آمار بمعنی نہایت و کوشش تمام نیز آمدہ و امارہ حساب و در ابراہیمی است و آنرا امار و آمارہ و آدارہ نیز گویند۔
سروری : وفائی، استقصا و تتبع و حساب و شرفنامہ آمار و اوار و امارہ و ادارہ: حساب، اما شمس فخری استقصا۔
جہانگیری : آمار و امارہ سہ معنی دارد: استقصا، نہایت طلب و تفحص، حساب
برہان : آمار معنی است کہ آنرا استقصا گویند و بمعنی نہایت طلب و تفحص و تجسس باشد و بمعنی حساب ہم ہست و بمعنی استقصا و

وتتبع ہم بنظر آمدہ۔

رشیدی : آمار حساب و در فرہنگ بمعنی تفحص طلب گفتہ و شمس فخری بمعنی استقا آوردہ وظاہراً بمعنی اول آیار بباشد و بمعنی استقا خلاف اتفاق جمیع فرہنگ است، ظاہرا استیفارا بہ تصحیف استسقا خواندہ۔
آیار و ایارہ بمد الف و بغیر مد حساب و دفتر حساب و دیوان حساب کہ آوارہ و آورجہ نیز گویند، آبارگیر محاسب۔

ناصری : آمار بمعنی استقا و نہایت طلب و تفحص و حساب باشد۔

آنندراج : آمار مرضی است کہ آنرا استقا گویند و بمعنی نہایت طلب و تجسس و بمعنی حساب۔

فرہنگ نظام : آمار (۱) استقصا و نہایت طلب شمس فخری :
حسود جاہ تو بی آب در تموز فتلمن
مباد جز بہ بیابان فتادہ در آمار
(۲) حساب

ان تمام اقوال کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ فرس اور صحاح میں صرف ایک معنی مذکور ہے، دوسرے معنی قواس، دستورالادات، شرفنامہ اور موید میں درج ہیں، مدار میں دونوں معنی درج ہوئے ہیں یعنی حساب اور نہایت کوشش تمام کردن یعنی "استقصا" (جو فرس وصحاح میں ہے) شمس فخری نے "استقصا" کو "استقا" کر دیا، بظاہر فرس یا صحاح کے کسی نسخے میں کاتب نے "استقصا" کے بجائے "استقا" لکھ دیا ہوگا اور اسی سے فخری کو دھوکا ہوا ہوگا۔ اس نے استقا ایک مرض سمجھا اور اسی کے حسب حال "خسرو جاہ" والا شعر درج کر دیا حالانکہ خود اس نے "خشکامار" کے معنی "استقصا" و "تفحص بلیغ" درج کیا ہے لیکن ان دونوں لفظوں کی مناسبت پر اس کی توجہ نہ گئی۔ سروری نے دونوں معنی درج کرنے کے بعد شمس فخری کے نئے معنی کو بھی بغیر جرح کے شامل کر دیا۔ صاحب جہانگیری نے تو بغیر کسی شرط کے اس کے تین معنی لکھے، اس کے ماخذ میں فرس وصحاح دونوں ہیں تو پھر ان کے مندرج معنی یعنی استقصا سے صرف نظر کر کے فخری کے غلط معنی استقا

کو درج کرنا اور فخری ہی کے شعر کو شاہد میں لانا محض اس بنا پر ہوا ہوگا کہ اس لفظ خاص کے مطالعے میں صاحب جہانگیری نے "فرس" اور "صحاح" کا مطالعہ نہ کیا ہوگا۔ برہان کے یہاں چار معنی ہیں۔ (۱) استسقا (۲) نہایت طلب و تفحص (۳) حساب (۴) استقصا و تتبع۔ ظاہر ہے معنی اول بالکل مہمل ہے، دوسرے اور تیسرے ٹھیک ہیں، چوتھے اور دوسرے معنی میں کوئی فرق نہیں اس کو الگ کرنا سوائے بے اعتدالی کے اور کچھ نہیں۔

رشیدی غالباً پہلا مصنف ہے جس نے شمس فخری کی غلطی کی طرف توجہ کی لیکن اس کا قیاس کہ استسقا استیفا کی تصحیف ہے صحیح نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سامنے نہ "فرس" تھی اور نہ "صحاح" اس بنا پر "استقصا" کی طرف اس کی توجہ مبذول نہ ہوئی، اس نے مزید ایک اور تصحیف "آبار" پیدا کی کیوں کہ یہ صورت کسی اور فرہنگ میں موجود نہیں۔ ناصری نے جہانگیری سے ہو بہو نقل کر لیا ہے لہٰذا اس سے کسی تحقیق کی توقع ہی بیکار ہے۔ صاحب فرہنگ نظام نے صرف وہی دو معنی دئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں، لیکن اس کے یہاں یہ نقص ہے کہ اس نے شمس فخری کے "استسقا" کو "استقصا" پڑھا یہاں تک تو بات ٹھیک تھی لیکن شعر شاہد بھی شمس فخری والا نقل کیا جس میں "آمار" محض استسقا بیماری کے معنی میں آیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ صاحب فرہنگ نے شعر کا مطلب واضح طور پر نہیں سمجھا: شاعر کہتا ہے اے ممدوح تیرے جاہ و مرتبہ پر حسد کرنے والا فتنے کی گرمی سے بے آب بیابان میں مرض آمار میں گرفتار جا پڑیگا

یہ تو ہی معنی کے سلسلے کی جودت، اب تصحیفات کی طرف توجہ فرمائیں، آمار، آمارہ سے آوار، آوارہ، آبار، آبارہ کتنی شکلیں سامنے آئیں، ظاہر ہے کہ ان میں سے اصل شکل آمار و آمارہ یا امار و امارہ ہوگی بقیہ سب تصحیفات ہیں جن کو فرہنگوں میں اصیل لغات کی صف میں شامل کر لیا گیا۔ "رشیدی" کے آبار و ابارہ میرے مطالعے کے کسی نسخے میں موجود نہیں "دستور" میں آمان و آمان گیر ہے۔ اتفاق سے اس کا واحد نسخہ ہمارے سامنے ہے لیکن ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ خود مولف کی غلطی ہو اس لئے کہ موید میں واضح طور پر دستور کی یہی قرات درج ہوئی ہے: اما در دستور امان و امان گیر با نون آمدہ می توان تحریف باشد۔

انبیر:

قواس : انبیر کفش

دستور : انبیر کیش
زفان گویا : انبیر پر کردن وگل تر وخشک وگویند چیزی که در بام اندازند و میان دیوار برآرند۔
ادات : انبیر پر کردن۔
شرفنامه : انبیر وزن انجیر پر کردن وگل تر وخشک۔
موید : انبیر وزن انجیر پر کردن، آگنش یعنی پر کردن، ہذا ہو الصحیح وآنچه در دستور مسطور است شاید از باب خطای کاتب است بدانیکه الف را ترک کرده است بسهو واصل کتابت آگنش وصاحب قنیه التفات بدان کرده است باجتهاد رای خویش کیش را تفسیر بدین کرده واین گمان میشود که صاحب ادات بدین معنی نیاورده بلکه بمعنی پر کردن ذکر کرده است با اینکه دعویٰ صحیح کرده که لغات لسان الشعرا ودستور الافاضل ونسخ دیگر همه آورده ام، ترک ندارم مگر تکرار غیر مفید. پس اگر بدین معنی بودی او ترک نکردی ونیز بدین معنی استعمال نه شده است در لغات، واشتلهٔ اشتقاق او نیز بدین دلالت نمی کند چنانچه انبر وانبور۔
مدار الافاضل : انبیر بر وزن انجیر، پر کردن وگل تر وخشک وگویند چیزی که در بام اندازند ومیان دیوار برآرند، ودر دستور بمعنی کیش و دین است ودر لسان الشعرا بمعنی آگنش یعنی پر کردن واین صحیح است ودر دستور شاید سهو کاتب باشد۔
سروری : انبیر پر کردن آب، وگل تر وخشک۔
جهانگیری : انبیر دو معنی دارد (۱) گل تر وخشک۔ (از لغات اضداد) (۲) پر کردن۔

برہان : انبیر بمعنی گل خشک و تر ہر دو نوشتہ اند و بمعنی پر کردن و مملو گردانیدن ہم گفتہ اند و امر بدین معنی ہم ہست و بمعنی کیش و مذہب و دین و آئین ہم بنظر آمدہ است۔

رشیدی : انبیر انباشتن و پر کردن و بدین معنی امالۂ انبار است و گل خشک و تر را نیز گویند۔

ناصری انبیر گل خشک و گل تر و بمعنی پر کردن نوشتہ اند و بمعنی امر ہم آمدہ و گفتہ اند ایں لغت از اضداد است۔

آنندراج : (بر ناصری علاوہ نمودہ) و بمعنی آئین و مذہب۔ فرہنگِ

فرہنگ نظام : نظام: انبیر (۱) گل خشک و تر (۲) امالۂ لفظ انبار (بہ بیند جہانگیری)

"انبیر" فرس و صحاح میں نہیں آیا، البتہ قواس نے اس کو درج کیا ہے اور اس کے معنی نسخۂ موجودہ میں کفش ہیں، لیکن یہ لغت "گونہ نخست" کے ذیل میں ہے جو محض "خانہ ہا و جایہا و جز آن" سے متعلق ہے اور اس کے بعد کے لغات "گزنی" و "زمو" ہیں جن کے معنی "گل تر و خشک" ملتے ہیں۔ اس سے پوری طرح واضح ہے کہ یہاں یہ معنی "کفش" بالکل غلط ہے اور اس کو سوائے کتابت کی غلطی کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، بظاہر "آگنش" رہا ہوگا۔ "الف" کے ساقط ہو جانے سے "کفش" کی صورت پیدا ہو گئی۔ دستور کا کیش بظاہر قواس کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ خود مصنف دستور کے سامنے فرہنگ قواس کا غلط نسخہ رہا ہو اور اس کی وجہ سے اسے دھوکا ہوا کیونکہ یہ معلوم ہے کہ صاحب "دستور" نے قواس کی بڑی تعریف کی ہے، بالفاظ دیگر "دستور الفضائل" میں فرہنگ قواس کے نسخے کی کتابت کی غلطی کے راہ پا جانے سے قیاس ہو سکتا ہے کہ دستور میں یہ کتابت کی غلطی نہ ہو۔ جہاں تک انبیر کے دوسرے معنی گل و تر خشک کے ہیں، اس سلسلے میں دو احتمال کا اندیشہ ہے ممکن ہو قواس کے کسی نسخے میں یہ معنی نقل ہونے سے رہ گئے ہوں (موجودہ نسخہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں) اور صاحب دستور کے سامنے وہی نسخہ ہو اور اس نے بھی صرف ایک ہی معنی درج کیے۔ اس سے قوی تر احتمال یہ ہے کہ قواس ہی کے کسی غلط نسخے سے صاحب زفان گویا، شرفنامہ یا کسی اور متقدم فرہنگ نگار نے یہ معنی درج

کر لئے ہوں۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے انبیر کے فوراً بعد تو اس میں "گزنی و زمو" بمعنی "گل تر و خشک" ہے، ممکن ہے انبیر کے معنی کا لفظ یعنی آگنش کتابت میں رہ گیا ہو اور تینوں لفظ انبیر، گزنی، زمو سب کے معنی گل و تر و خشک قرار دے دئے گئے ہوں۔ اس قسم کی متعدد مثالیں تو اس کے موجودہ نسخے سے فراہم ہوتی ہیں اور اس طرح کی غلط فہمی محض اس وجہ سے پیدا ہوتی تھی کہ پرانے قلمی نسخوں میں لغت، معنی سب ایک ہی ساتھ ایک ہی سطر میں بغیر کسی فصل کے لکھے جاتے تھے۔

صاحب موید الفضلا نے اس سلسلے میں کچھ تحقیق کی ہے۔ اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قنیہ نے دستور کی غلطی کو آگے بڑھایا ہے جس سے آگنش کی تصحیف کیش کی شکل میں رونما ہوئی، لیکن موید میں اس کو غلط بتایا اس وجہ سے کہ صاحب ادات نے اس کے معنی صرف "پر کردن" لکھے ہیں۔ موید کا استدلال یہ ہے کہ اگلے مؤلفین کے تکرار غیر مفید کو صاحب ادات نے ترک کر دیا ہے اور چونکہ انبیر بمعنی کیش یا دین اس میں نہیں آیا ہے، اس لئے وہ قابل ترک ہے۔ لیکن شرف نامہ میں اس کے دوسرے معنی "گل تر و خشک" بھی درج ہیں، اس کے متعلق صاحب موید خاموش ہے۔

مدار میں "چنبری . . . . برآرند" بظاہر ایک دوسرا معنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل اس کو "گل خشک و تر" کی توضیح سمجھنا چاہیئے۔ صاحب مدار دستور کے معنی کو کتابت کی غلطی پر محمول کرتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر عرض ہو چکا ہے بظاہر یہ خود مؤلف کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ جہانگیری اور سروری نے کوئی مزید اضافہ نہیں کیا اور اس کے دو ہی معنی درج کئے ("کیش" کو ترک کر دیا گیا) لیکن صاحب برہان نے حسب دستور نہ صرف "کیش و دین و آئین" کا اضافہ ہی کیا بلکہ ایک اور معنی بغیر کسی قسم کی تحقیق و توضیح کے شامل کر دیا حالانکہ "موید" اور "مدار" کے توضیحات صاحب برہان کے سامنے رہے ہوں گے۔ رشیدی نے انبیر کو انبار کا امالہ بتایا ہے اور میرے مطالعے کے نسخوں میں یہ پہلا نسخہ ہے جس میں اس نکتے کی طرف اشارہ ہے۔ ناصری میں کیش وغیرہ معنی نہیں ملتے البتہ برہان کے نئے معنی "امر" سے صرف نظر نہ ہو سکا۔ آنندراج میں پھر برہان والی ساری باتیں دہرا دی گئی تھیں، یعنی دین کو بھی اس کے معانی میں شامل کر لیا گیا۔ فرہنگ نظام میں رشیدی کے نکتۂ امالہ کو جہانگیری کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

انگدان :

قواس : انگدان بباس، و ران

دستور : انگدان بباس و راق

ادات : انگدان کہ عرب آنرا بباس خوانند۔

زفان گویا : انگدان بباس و آن بباس جاتری است ، دلان و دلان انگزد است و گویند انگذان بذال معجمہ درخت انگدان است بتازی انجدان گویند۔

بحر الفضائل : انگدان بباس جاتری

شرفنامہ : انگدان جاتری کہ بتازیش بباس خوانند و در فرہنگی است خلاف و نوعی از عطر کذا فی القنیہ و فیہ ایضاً محل آخر این ہر دو معنی اخیر از دستور الافاضل است جامع این لغات در دستور مذکور ندید، دران و را رآن مسطور است و در ادات نیز ہم چنین است زیرا چہ گفتہ است کہ آنرا بباس خوانند و ورا رآن نسناس را گویند یعنی دیو مردم و آن جانوری مانند وحشی شبیہ بآدمی، و در موید الفواید بمعنی بباس آمدہ کہ بھندی جاوتری می گویند و نوعی از عطر، و نام درختی ہم ہست کہ صمغ آرا بعربی حلتیت خوانند و معرب آن انجدان است و باین معنی باذال منقوطہ ہم آمدہ کذا فی دستور و نام قریہ۔

مدار : انگدان جاتری، عرب آنرا بباس خوانند۔

سروری : انگدان در موید نسناس باشد یعنی دیو مردم و در اختیارات معرب آن درختی است کہ انگزد صمغ آنست۔

جہانگیری : انگدان سہ معنی دارد :

(۱) نام درخت حلتیت است فلکی گفتہ تا مذاق الخ۔

(۲) نسناس و آن حیوانی ست وحش شبیہ بآدمی الخ

(۳) نام قریہ۔

برہان : انگدان نسناس را گویند یعنی دیو مردم، آن جانوری باشد شبیہ بآدمی و در موید الفضلا بمعنی بباس آمدہ است کہ ہندی جاوتری گویند واللہ اعلم الخ۔

رشیدی : انگدان وانگبان وانجدان : درختیست کہ انگژد یعنی حلتیت صمغ آنست و انگدان جای انگ کہ حلتیت باشد و انگژد یعنی صمغ انگ چہ ژد صمغ باشد۔

ناصری : انگدان ہمان انجدان کہ مرقوم شد . . . . . وبمعنی نسناس نیز آمدہ کہ آن حیوانی الخ و در برہان گوید کہ صاحب مویدالفضلا بمعنی بباس آوردہ ۔ یحتمل کہ در نسناس و بباس تصحیفی شدہ باشد۔

آنندراج : قول ناصری بعینہ۔

فرہنگ نظام : انگدان انجدان معنی لفظ مذکور را یک لغت نویس قدیم بباس نوشت کہ دوائی است لغت نویس دیگر بباس را اشتباہاً نسناس خواند و معنی انگدان را دیو مردم.... نوشت۔ ولغت نویس سوم ہر دو معنی مذکور برای لفظ انگدان نوشت ومعنی ای کہ من نوشتم منقول از کتاب معتبر طب تحفۂ حکیم مومن است و صحیح ہمانست۔

فرس وصحاح میں "لغت" "انگدان" مذکور نہیں، فرہنگ قواس میں اس کے دو معنی بباس اور ران درج ہیں، ان بمعنی درخت انگژدا اور انگژد بمعنی ہینگ ہے (موید ا: ۴۲۹) یہی دونوں معنی" دستور" میں درج ہیں گو" ران" کو غلطی سے راق لکھ دیا گیا ہے (جس کو صاحب موید نے درا آن پڑھا ہے)؛ ادات، بحر الفضائل، شرفنامہ اور مدار الافاضل میں صرف ایک معنی "بباس" یعنی جاوتری درج ہے، صاحب موید نے اس سلسلے میں کچھ تفصیل سے لکھا ہے لیکن اس نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ دستور الافاضل کے دو معنی کا ذکر قنیہ میں ہے اس پر موید نے لکھا ہے کہ دستور میں بباس کے علاوہ "درا ران" ہے، یہی فقرہ ادات الفضلا میں ہے۔ اس کے نزدیک "درا ران" سے مراد نسناس ہے لیکن اس سلسلے میں مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں (۱) ہمارے نسخے میں "درا ران" نہیں بلکہ راق ہے اور جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ یہ "ران" کی تصحیف ہے صاحب دستور نے یہ معنی قواس سے بعینہ لے لئے تھے، اسی بنا پر راق تصحیف شدہ شکل ہے۔ (۲) ادات میں "درا ران" مرے سے نہیں ہے۔ ممکن ہے صاحب موید کے

پیش نظر نسخے میں رہا ہو لیکن مسلم یونیورسٹی کے نسخے میں "انگدان" کے ایک معنی بباس درج ہیں
اس سے واضح ہے کہ صاحب موید نے "ننّاس" غلط طور پر اخذ کر لیا، زیرِ بحث
کلمہ یا انگدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں، رہا "انجدان" کا معرب ہونا تو یہ بالکل صحیح ہے۔
گویا "انجدان" و انگدان دونوں انگژد کے معنی میں ہیں اور یہ معنی قواس کے یہاں "ران" کی
شکل میں آیا ہے۔ شیخ لاد نے دستور کے نسخے میں انگذان (بمعنی انجدان) ذال سے دیکھا تھا لیکن
ہمارے پیشِ نظر نسخے میں انگدان ذال سے درج نہیں البتہ زفان و شرف نامہ میں انگدان ذال سے
بھی آیا ہے اور اس کے معنی درخت انگژد و انجدان درج کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ موید الفضلا
میں غلطی سے زفان یا شرفنامہ کی جگہ دستور کا نام درج ہو گیا ہو۔

سروری نے "بباس" کے بجائے "ننّاس" لکھا اور دوسرا معنی وہی برقرار رکھا۔
جہانگیری کے یہاں ننّاس ہی ہے، بباس سرے سے نہیں ہے، اس میں ننّاس ایک
قریہ کا نام بھی بتایا گیا ہے۔ صاحب جہانگیری کے پیش نظر وہ تمام فرہنگیں ہیں جن میں "بباس"
تھا پھر یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ مؤلف نے اس معنی سے صرف نظر کیوں کیا۔ بظاہر اس کی توجیہ
صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے اس لغت خاص کے متعلق قدیم فرہنگوں سے استفادہ نہیں کیا۔
برہان میں "ننّاس" اور "بباس" دونوں کو درج کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی
جرح و تعدیل نہیں ہوئی، تتوی نے صرف ایک معنی درج کیے، وہ "ننّاس" اور "بباس" کی
تصحیف کے جھگڑے ہی میں نہیں پڑا۔ صاحب ناصری غالباً سب سے پہلا مولف ہے جس نے
"ننّاس" و "بباس" کی تصحیف کا ذکر تو کیا ہے لیکن اصل کیا ہے اور غلط کیا، اس کو یوں ہی
چھوڑ دیا۔ صاحب فرہنگ نظام نے صرف انجدان کے معنی میں اس کو صحیح سمجھا ہے بقیہ "بباس"
اور "ننّاس"، دونوں کو غلط ٹھہرایا ہے لیکن اس کا استدلال قدیم فرہنگوں کے مندرجات کے
پیشِ نظر غیر قابلِ قبول ہو جاتا ہے۔

ازدب :

دستور الافاضل : ازدب مکھی یعنی مگس

ادات الفضلا : ازدب بگیر و بکس

شرفنامہ : ازدب بگیر ومکش (ذیل لغات ترکیہ)

موید الفضلا : ازدب بالفتح مگیر ومکش ہکذا فی الادات وفی الدستور مگیر فی نسخہ منہ یعنی مکش۔ دراین لغت کاتب (مؤلف) راشبہ است کہ فارسی است یا ترکی، غالب آلنست کہ ترکی است لیکن ہرچہ تصریح روایت یافتہ شدہ است، ہم درفارسی آوردہ۔

مدارالافاضل : ازدب بفتح یکم وسوم، مگیر ومکش ودر سکندری است بوزن ابتر، درابراہیمی داخل ترکی آوردہ۔

سروری : ازدب در تحفہ بگیر وبکش۔

آنندراج : ازدب یعنی مگیر ومکش ہکذا فی الادت وفی الدستور مگیر وفی نسخہ منہ یعنی مکس الخ (منقول از موید)

ناظم الاطبا : ازدب کلۂ فعل پرہیز کن ودر حذر باش وبگیر ونگاہدار۔ ازدب کلمۂ فعل بگیر ونگاہدار۔

ان آٹھ فرہنگوں کے علاوہ میرے مطالعے کے کسی اور نسخے میں یہ لفظ شامل نہیں، فرہنگ نویسوں کے بیان میں جو اختلاف ہے اس کو مختصراً اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

دستورالافاضل میں اس کو اسم قرار دیا گیا ہے اور اس کے معنی مکھی یعنی مگس لکھے ہیں، باقی سب فرہنگوں میں اسے فعل سمجھا گیا ہے، لیکن معنی میں اختلاف نسخ کی وجہ سے فرق آگیا ہے۔ اکثر نسخوں میں "مگیر" و "مکش" ہے۔ موید الفضلا میں ادات کے حوالے سے یہی معنی لکھے ہیں لیکن مسلم یونیورسٹی کے نسخے میں "بگیر ومکس" (بکش) ہے، سروری نے تحفۃ السعادۃ کے حوالے سے یہی قرات اختیار کی ہے۔ لیکن مدارالافاضل میں سکندری کے حوالے سے (جو تحفۃ السعادۃ کا دوسرا نام ہے) اس کے معنی "مگیر ومکش" ہی ملتے ہیں لیکن سب سے زیادہ دلچسپ بیان ناظم الاطبا کا ہے انھوں نے "مگیر ومکش" (یا بگیر وبکش) کو پھیلا کر بہت وسیع کر لیا ہے۔ بظاہر "مگیر" سے "پرہیز کن" اور "در حذر باش" اخذ کیا ہے اور "مکش" سے "نگاہدار" مراد لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی قابل لحاظ بات ہے کہ ان کے یہاں 'مگیر' کے بجائے 'بگیر' دوبار ہے۔ مؤلف موصوف نے

ب اور پ دونوں کے ذیل میں تحریر کر دیا تاکہ کسی قسم کا احتمال باقی نہ رہے۔ بہرحال میرے خیال میں یہ محض یاوہ گوئی ہے، ازدب کے معنی مکھی (مگس) کے علاوہ کچھ بھی نہیں' میرے قیاس کی بنیاد حسب ذیل امور پر ہے۔

(۱) سب سے قدیم ماخذ اس لفظ کے سلسلے میں دستورالافاضل ہے۔ اس میں واضح طور پر مکھی یعنی مگس لکھے ہیں اس کو رد کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں۔

۲۔ سارے التباس کی بنیاد دستورالافاضل کے کسی غلط نسخے پر ہے۔ موید الفضلا کے پیشِ نظر دستور کا جو نسخہ تھا، اس میں "مگیر" پڑھا گیا اور کسی اور نسخے میں "مگیر یعنی مکش" تھا۔ دستورالافاضل کی عبارت مکھی یعنی مگس موید الفضلا کے زمانے تک تصحیف ہو کر مگیر یعنی مکش مگیر و مکش یا بگیر و بکش پڑھی جاتی رہی۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ تمام فرہنگوں میں اسی غلط خوانی کا نتیجہ درج ہے۔ بظاہر سب سے پہلے صاحب ادات سے غلط فہمی ہوئی (گو اس کے مختلف نسخوں میں اختلاف کی وجہ سے قطعی فیصلہ مشکل معلوم ہوتا ہے) بعد کے فرہنگ نگار صاحب شرفنامہ کے "مگیر و مکش" یا "بگیر و بکش" کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے۔

۳۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب شرف نامہ کو "ازدب" کا فارسی فعل ہونا جائز طور پر کھٹکا تو اس نے اس کو ترکی کا لفظ قرار دے کر اس کے وہی معنی مقرر کر دیے جو دوسرے لوگ لکھ چکے تھے۔ "مگیر" و "مکش" دونوں فعل نہی کی مثالیں ہیں (اور اگر بگیر و بکش صحیح سمجھا جائے تو فعل امر)، لیکن "ازدب" تو فعل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس حالت میں مجھے ان حضرات پر بڑی حیرت ہو رہی ہے جو اس کو اصلاً فارسی کا لفظ قرار دیتے ہوئے فعل نہی (یا فعل امر) سمجھتے ہیں حالانکہ کسی قاعدے سے یہ فعل کی شکل نہیں ہو سکتی اور ناظم الاطبا نے غلط فہمی کے دائرے کو جس قدر وسیع کر دیا ہے وہ اہلِ علم پر پوری طرح روشن ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ ذرا سی غلطی یا غلط خوانی سے مسائل کتنے پیچیدہ ہو جاتے ہیں

پورفان ۔

دستورالافاضل : پورفان کرمان شوخ۔

بحرالفضایل : پورفان کرمان سوراخ کننده

موید الفضلا : پورفان گدایان وشیوخ۔
مدار الافاضل : پورفان گدایان شوخ ۔
ناظم الاطبا : پورفان گدایان شوخ چشم۔
آنندراج : پورفان گدایان وشیوخ ۔

یہ لفظ اکثر فرہنگوں میں شامل نہیں، لیکن اتنے کم لغات میں شامل ہونے کے باوجود اس کے معنی میں بڑی تصحیف ہوئی۔ دراصل اس کے صحیح معنی وہی ہیں جو بحر الفضایل میں دیے ہوئے ہیں یعنی : کرمان سوراخ کننده، دستور الافاضل میں سوراخ کی جگہ شوخ درج ہوگیا۔ بعد میں کرمان میں بھی تصحیف خوانی ہوئی اور اسے گدایان پڑھا گیا۔ اس طرح پورفان کے معنی گدایان شوخ قرار پائے۔ موید الفضلا میں شیوخ کتابت کی غلطی ہے اصل لفظ شوخ ہے، واو عاطفہ بھی بیکار ہے اور اسی واو سے صاحب آنندراج کو بھی دھوکا ہوا اسی لئے اس نے گدایان وشیوخ لکھا ہے نظام الاطبا نے حسب دستور شوخ پر چشم کا اضافہ کرکے غلط فہمی کے قدم کو آگے بڑھا دیا ہے۔

بزغ وسمہ در بزغمہ :

قواس : بزغ وسمہ : رنگ آب ؛ بزغ غوک بود ۔
دستور : بزغ سیمہ رنگ آب ؛ بزغ، غوک ۔
ادات : بزغ رنگ آب وغوک، سمہ مالہٗ آہار و رنگ آب ۔
زفان گویا : بزغ رنگ آب وغوک ۔
بحر الفضائل : بزغ غوک و رنگ آب، سمہ رنگ آب ۔
شرفنامہ : بزغ رنگ آب وسمہ رنگ آب و مالہٗ آہار ؛ بزغ بنلآب و غوک آب و بزغ بہر دو معنی مترادف ۔
موید : بزغ رنگ آب کذا فی القنیہ وغوک و در دستور سیمہ رنگ آب ، سمہ رنگ آب ۔
مدار الافاضل : بزغ بفتحتین رنگ آب وغوک در ودآب و بند آب و بوزن مرغ در موید از فرہنگ قواس آمدہ **بمعنی "وسمہ و رنگ آب"** و

موید معنی اول است این بیت ؎ دل برده مرا نیز بمردم نشمرده
گفتار چہ سود است بزغ آب برده ۔

سروری : بزغ غوک، شاخی کہ هنوز سبزه نشده باشد، بزغسمہ آن سبزه کہ درمیان آب روید و بزغ کہ غوک باشد درآن پنهان شود ،
مثالش فیروز کاتب ۔

مختفی گشتہ تیز در ریشش چون بزغ در بزغسمہ پنهان

سمہ بمعنی آں سبزه باشد کہ درمیانہ آب روید وآن را بزغسمہ نیز گویند کہ بزغ کہ غوک باشد درمیان آن پنهان شود ۔

جهانگیری : بزغ نام جانوریست، بزغسمہ سبزی باشد مانند ابریشم کہ درمیان آب بہم رسد ۔

سمہ اول سمر، دوم رنگ آب وآن سبزی است، بر آبی بسیار کہ ایستاده باشد بہم رسد ۔

برهان : بزغ رنگ آب (کئی اور معنی کے ساتھ)، بزغسمہ وزغ را گویند و آن چیز سبزی باشد مانند ابریشم کہ در روی آب بہم رسد وزغ در آن پنهان شود و معنی ترکیبی آن وزغ پنهان است چہ سمہ بمعنی پنهان است، سمہ رنگ آب را نیز گویند وآں چیزی باشد سبز کہ در روی آبهای ایستاده بہم رسد و بمعنی پنهان و پوشیده ۔

رشیدی : بزغسمہ سبزی روی آب کہ جامۂ غوک گویند زیرا کہ بزغ در وی می باشد سمہ نیز سبزی کہ در آب روید وجامۂ غوک گویند ولهذا اورا بزغسمہ نیز گویند زیرا کہ بزغ دران پنهان شود ۔

ناصری : بزغسمہ سبزی باشد کہ بر روی آب مانند ابریشم جمع بایستد و وزغ درآن پنهان شود و معنی ترکیبی این لغت آنست کہ سمہ بمعنی پنهان و وزغ معروف معنی جای پنهان شدن، سمہ رنگ آب را نیز گویند و

آں سبزی است الخ .

آنند راج : ماخوذ از ناصری بجنسہ .

فرہنگ نظام : بزغ نام حیوانی است ، . غوک است الخ . در فرہنگہا برای لفظ مذکور معانی دیگری ہم نوشتند کہ بمعنی بزغ است برغسمہ مادۂ سبز شبیہہ بہ ابریشم برروی آب پیدا می شود . فیروز کاتب : مختفی گشتہ الخ لفظ مذکور مرکب است از بزغ بمعنی غوک وسمہ بمعنی سبزی روی آب .

" بزغ " فرس وصحاح میں نہیں آیا ہے ، لیکن قواس ، دستور ، ادات ، بحر الفضائل ، موید میں رنگ آب (کائی) اور مینڈک دونوں معنی میں آیا ہے . شرفنامہ اور مدار میں ان دو معنوں کے علاوہ بندآب (رودآب) کا اضافہ ہے . مزید شرفنامہ میں ہے کہ " بزغ " اور " برغ " ہم معنی ہیں . صاحب مدار الافاضل کے بقول موید میں قواس کا حوالہ درج ہے مگر موید کے مطبوعہ نسخے سے اس کی تائید نہیں ہوتی . معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسخے میں صاحب مدار نے یہ حوالہ ضرور دیکھا ہے اس لئے کہ جو بات لکھی ہے وہ قواس میں موجود ہے : صرف اتنا فرق ہے کہ " بزغ وسمہ رنگ آب " ہونا چاہئے اور اس میں یہ ہے : " وسمہ ورنگ آب " بظاہر مولف مدار اس غلط فہمی میں ہے کہ وسمہ میں " واو " لفظ کا جزو ہے . حالانکہ جیسا واضح ہے یہ لفظ " سمہ " ہے اور " و " واو عاطفہ ہے جو " بزغ " اور " سمہ " کے درمیان آیا ہے . پس سمہ کے قبل کا " واو " بے معنی ہے ، دستور کے موجودہ نسخے میں سیمرنگ آب ہے اور یہی قرارت موید کے نسخے میں تھی . ممکن ہے کہ خود مؤلف دستور کسی غلطی کا شکار ہوا ہو اس کا بھی بخوبی امکان ہے کہ فرہنگ قواس کے نسخہ میں " بزغ وسمہ رنگ آب " کاتب کی غلطی سے " بزغ و سیمرنگ آب " درج ہوگیا ہوگا اور یہی غلطی دستور کے نسخے میں شامل ہوگئی ، یہ بھی ممکن ہے کہ خود دستور کے نسخے کی صحیح قرارت کاتب کی عدم توجہی سے " سیمرنگ آب " ہوگئی ہو . چونکہ یہ غلطی دونسخوں میں پائی جاتی ہے اس بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ شاید مولف دستور سے دھوکا ہوا . ایک بات قابل توجہ یہ ہے کہ دستور ، شرفنامہ اور مدار الافاضل میں " برغ " " بزغ " کے معنی میں آیا ہے لیکن قواس اور بحر الفضائل میں ایسا نہیں ہے . " برغ " " بندرودآب " کے معنی میں آیا ہے ، " غوک " اور " رنگ

آب" کے معنی میں نہیں۔ سروری، جہانگیری، برہان، رشیدی اور آنندراج میں "بزغسمہ" بھی رنگ آب کے معنی میں آیا ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان ہوئی ہے (گو سروری میں واضح طور پر نہیں) کہ "بزغ" بمعنی "غوک" اور "سمہ" بمعنی پنہاں ہے، لیکن سوائے برہان کے سب کے یہاں "سمہ" بمعنی "رنگ آب" ملتا ہے، البتہ برہان میں اس کے معنی "پنہاں و پوشیدہ" کے درج ہیں۔ فرہنگ نظام نے "بزغسمہ" کو "بزغ" اور "سمہ" کا مجموعہ تو قرار دیا ہے مگر "سمہ" کے معنی "رنگ آب" لکھے ہیں "پوشیدہ" کے نہیں۔ میرے خیال میں ان سارے فرہنگ نویسوں کو سخت قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے، "بزغسمہ" دراصل "بزغ" اور "سمہ" دو لفظ ہیں اور ان کے درمیان واو عاطفہ تھا۔ یعنی "بزغ و "سمہ" اور دونوں کے معنی "رنگ آب" تھا اور جیسا کہ معلوم ہے فرہنگ قواس میں یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ آئے ہیں، جو دستور میں بھی ساتھ ساتھ نقل ہوئے لیکن بعد میں کثرت استعمال سے ایک لفظ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جب سارے قدیم نسخوں میں "بزغ" اور "سمہ" دونوں بمعنی "رنگ آب" آئے ہیں تو "بزغسمہ" میں پہلے ٹکڑے کو "غوک" کے معنی میں سمجھنا نادانی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ سروری، جہانگیری، برہان، رشیدی، ناصری، آنندراج اور فرہنگ نظام کے مولفین نے "بزغسمہ" کی جو توجیہ پیش کی ہے وہ "بزغ و سمہ" کی حالت میں زیادہ قرین قیاس ہے۔ مولف فرہنگ جہانگیری کے پیش نظر فرہنگ قواس اور دستور الافاضل دونوں تھے، اس کے باوجود اس نے "بزغ و "سمہ" سے صرف نظر کر کے اس کے پہلے جز کو "غوک" سے ملا دیا۔ مگر اس فیصلے سے قبل اسے ان دونوں قدیم مولفوں کے بیان کی تردید پر دلیل لانا ضروری تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا، اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس مخصوص ترکیب یا لفظ کے مطالعے کے وقت یہ دونوں قدیمی فرہنگ یعنی قواس و دستور صاحب جہانگیری کے پیش نظر نہ تھیں۔

صاحب فرہنگ نظام نے "بزغ" کے دوسرے معنی "رنگ آب" کو غلط بتایا ہے، مگر اس سلسلے میں انھوں نے کوئی دلیل نہیں پیش کی اور چونکہ تمام قدیم فرہنگوں میں بشمول "قواس" یہ معنی درج ہیں، اس بنا پر بغیر کسی دلیل کے اس کو غلط نہیں قرار دیا جا سکتا البتہ "بزغ" اور "ورغ" "غوک اور رنگ آب کے معنی میں نہیں آتے اور اسی بنا پر جن مولفوں نے یہ معنی لکھے ہیں، ان کو غلط سمجھنا چاہیے۔

پخست و دژخی :

فرس : پخست کسی کہ در جائی گرفتار آید و نتواند جستن

صحاح : پیخست گرفتاری

قواس : دژخی گرفتہ روی ؛ بخست بندی۔

دستور : دژخی گرفتہ روی ؛ بخست بندی۔

ادات : بخست بندی کہ عرب آں را محبوس گویند و چیزی کہ از بن برکندہ باشد، دژخی گرفتہ۔

زفان گویا : دژخی گرفتہ روی و در فرہنگ نامہ است بندیان۔

بحر الفضایل : دژخی گرفتہ و ترش روی ؛ بیخست بندی۔

شرفنامہ : دژخی گرفتہ روی؛ بخست چیزی کہ از بنش کندیدہ باشند و بندی۔

موید الفضلا : دژخی گرفتہ روی و در زفان گویا بمعنی بندیان ہست ؛ بخست چیزی کہ آنرا از بیخ کندیدہ باشد و بندی کہ بپای محبوس کنند۔

مدار : پخست بندی و اسیر و چیزی کہ از بن و بیخ کندیدہ باشند۔

جہانگیری : دژخی بندیان باشد۔

سروری : پخست چوبی از بیخ برکندہ ؛ دژخی گرفتہ روی و خشمگین۔

برہان : بخست درماندہ و عاجز و بندی ؛ بخشت ہر چیز کہ آنرا از بیخ ؛ کندہ باشند سین بے نقطہ ہم آمدہ ؛

دژخی بندیان و زندان بان را گویند و بمعنی گرفتہ روی و سہمگین است۔

فرہنگ رشیدی : بخست یعنی بپای مالید و نرم کرد، و پخستہ بپای مالیدہ؛ دژخی بدخو و تند مزاج

فرہنگ نظام : پخست گمان بردن، درماندہ و عاجز، چیزی در زیر پا نرم شدہ، دیواری کہ بخش را کندہ باشند؛ دژخی دژخیم و دژخم یکی است۔

فرس، صحاح، قواس، دستور اور بحر الفضایل میں پخست کے معنی صرف "بندی" یا گرفتار درج ہیں، ادات، شرفنامہ، موید الفضلا اور مدار میں معنی اول کے علاوہ "چیزی کہ از بیخ کندیدہ باشد" دوسرے

معنی بھی ملتے ہیں۔ جہانگیری میں یہ لفظ درج نہیں، سروری میں شین قرشت کے ساتھ معنی دوم کے لئے وقف ہے، برہان میں بخشت اور بخیست معنی دوم کے لئے اور بخیتہ معنی اول کے لئے آئے ہیں۔ رشیدی میں اس کو بطور فعل کے سمجھا گیا ہے، یعنی بپای مالید وبخیتہ بپای مالیدہ؛ فرہنگ نظام میں چار معنی ہیں۔ معنی اول و دوم جو اوپر آچکے ہیں، تیسرا معنی لفظی ہے جو رشیدی میں بھی درج ہے ایک اور معنی گمان بردن بھی آیا ہے، دژخی کے معنی قواس، دستور، ادات، بحر الفضائل، شرفنامہ مویدالفضلا، سروری، رشیدی، فرہنگ نظام سب میں گرفتہ روی، ترش رو اور تند مزاج، کے درج ہیں۔ لیکن زفان گویا میں بحوالہ فرہنگ قواس اور مؤیدالفضلا میں بحوالہ زفان گویا، گرفتہ روی کے علاوہ "بندیان" ملتا ہے، جہانگیری میں صرف "بندیان" اور برہان میں علاوہ "گرفتہ روی" کے، بندیان وزندان بان آیا ہے۔ اب سوال یہ ہے ان چار فرہنگوں میں اختلاف معنی کی کیا وجہ ہے؟ زفان گویا کے مندرجات سے معاملہ کچھ صاف ہوگیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معنی فرہنگ قواس سے لئے گئے ہیں، لیکن قواس کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں دژخی کے معنی صرف گرفتہ روی ہیں، صاحب زفان گویا کی یہ غلط فہمی ایک خاص بات سے پیدا ہوئی ہے۔ قدیم نسخوں میں الفاظ، معنی، بیت توضیح، عنوان سب ایک ہی سطر میں بغیر کسی حد فاصل کے لکھے جاتے، یہاں تک کہ بعض اوقات ایک لفظ دو سطروں میں آجاتا اور اس کی تو متعدد مثالیں ملیں گی کہ لفظ ایک سطر کے آخر میں ہے

اور معنی دوسری سطر کے شروع میں۔ اس طرح کے نسخوں میں الفاظ اور معانی کے تعین میں جو دشواری ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ فرہنگ قواس کا جو نسخہ راقم کے زیر مطالعہ ہے وہ بھی بالکل اسی طرح کا ہے، اس کے یہاں دژخی اور بخست دونوں ساتھ ساتھ آئے ہیں، "دژخی" کے معنی "گرفتہ روی" اور "بخست" کے "بندی" درج ہیں، پوری سطر فرہنگ نامۂ قواس میں اس طرح آئی ہے۔

"دژخی گرفتہ روی بخست بندی پژمان و دژم"

معلوم ہوتا ہے زفان گویا کے مطالعے میں فرہنگ نامہ کا جو نسخہ تھا اس میں اوپر مندرج سطر میں سے لفظ بخست محذوف ہوگیا تھا، اس کے نتیجے میں "دژخی" کے دو معنی درج ہوئے یعنی

گرفتہ روی اور بندی۔ صاحب موید الفضلا نے یہ معنی زفان گویا کی طرف منسوب کردیا اور جہانگیری اور برہان میں بغیر کسی حوالے کے یہی معنی لکھے گئے، برہان میں مزید ایک اور معنی زندان بان کے درج ہو گئے ایک ذراسی غلطی سے بات کہاں سے کہاں پہنچی ہے۔

جہلو :

قواس : جہلو : مشتک وکتک

زفان گویا : جہلو : وکتک مشتک۔

شرفنامہ : جہلو : مشنگ کہ جنسی از غلہ است۔

موید : جہلو : مشنگ کہ جنسی از غلہ است ودر لسان الشعرا است
جہلو : مشنگ، اما در فرہنگ فخر قواس بجاے مشنگ "مشتک" تصغیر مشت بدیدن آمدہ کہ نوعی از بازی است کہ بچگان می بازند۔

سروری : جہلو : مشنگ ۔

جہانگیری : جہلو : نام جنسی از غلہ بود کہ آنرا مشنگ نیز خوانند۔

برہان : جہلو : مشنگ و بہندی کلاو گویند و بعضی مشنگ را مشتک خواندہ اند و گفتہ اند جہلو نوعی از بازی باشد۔

رشیدی : جہلو : دانہ است ما بین عدس و ماش۔

آنندراج : جہلو : جنسی از غلہ ما بین عدس و ماش و بعضی مشنگ دانستہ اند۔

فخر قواس نے جہلو کو کھیل کود کے لغات کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ اس کے یہاں نبات کا الگ باب ہے اور اس کے ذیل میں غلہ اور دوسری متعلق چیزوں کا ذکر ہے، گویا پوری طرح واضح ہے کہ قواس کے نزدیک جہلو کھیل ہے، مشنگ یا غلہ نہیں۔ بعد کے فرہنگ نگاروں نے جہلو کے معنی غلہ لئے ہیں لیکن کسی کے یہاں کوئی سند نہیں، موید اور برہان میں قواس کے معنی بھی درج کردئے گئے ہیں (گو صاحب برہان نے صراحۃً نام نہیں لکھا)۔ بہر حال بحالت موجودہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ جہلو غلہ ہے یا بازی، اس لئے کہ مثال کسی کے یہاں نہیں۔ البتہ قواس اور زفان کے یہاں بازی ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے۔ البتہ قواس اور زفان کے یہاں بازی ہے جو قرین قیاس ہے۔

خشین وخشینہ :

فرس : خشینہ زنگی بود میان کبود وسیاہ، کسائی گفت :

کوہسار خشینہ را بہ بہار کہ فرستد لباس حور العین

خشین بازی بود کہ رنگش میاں کبود وسبز وسپید باشد یعنی خشینہ رنگ خشین سپید بود۔

صحاح : خشین سپید باشد، خشین رنگ باز باشد کہ نہ سپید بود نہ سبز نہ سرخ خشینہ مرغابی سیاہ و رنگش میان سیاہ وکبود باشد، کوہسار خشینہ الخ

قواس : تز مرغکی بود کوچک وخشینہ یعنی سپید، وقت بہار در باغہا نشیند۔

فخری : خشین چیزی باشد تیرہ رنگ، خشین وخشینہ یکی باشد۔

ادات : خشینہ سفید، قیل خود رنگ، خشی سپید، تز مرغکی است خرد وسپید در وقت بہار در باغہا نشیند الخ۔

زفان گویا : خشینہ سپید ضد سیاہ وگویند سپید رنگ وخشینہ مرغی است سپید وقت بہار در باغہا نشیند۔

شرفنامہ : خشینہ سپید سپید وقیل سپید خود رنگ وخشی نیز گویند ش وخشینہ بالفتح سپید

موید الفضلا : خشینہ سپید وسپید خود رنگ؛ وخشینہ سپید کذا فی شرفنامہ و در زفان گویا مذکور است : وخشینہ مرغی است سپید در وقت بہار در باغہا نشیند و در فرہنگ فخر قواس وخشینہ بدو شین وقیل اصل ہمان وخشینہ است لیکن در زفان گویا بجای شین دوم نون است وآں تصحیف کاتب است۔

سروری : خشینہ سپید رنگ کذا فی تحفہ، در موید بمعنی سپید سپید آمدہ وبعضی خود رنگ گفتہ اند و در فرہنگ بمعنی سیاہ آمدہ مطلقًا الخ۔

جہانگیری : خشین وخشینہ رنگ سیاہ را گویند عمومًا چنانچہ کسائی گفتہ کوہسار خشینہ را الخ، وخشینہ دو معنی دارد، اول نام جانورست، دوم چیز سفید را گویند۔

برہان : خشینہ ہر چیز سیاہ رنگ مائل بکبودی باشد وبازی را گویند، مرغابی سیاہ رنگ

بمعنی سفید و خود رنگ ۔ وخشینہ نام مرغیست سفید کہ در بہار پیدا می شود و در باغہای باشد و ہر چیز سفید و سفیدۂ صبح و بمعنی اول بجای نون شین نقطہ دار ہم بنظر آمدہ ۔

رشیدی : خشین وخشینہ وخشی سفید و کوہ خشین یعنی سفید از برف ، وخشینہ ظاہرا واو عطف را اصل کلمہ پنداشتہ ۔

ناصری : خشینہ وخشینہ وخشین ہر چیزی کہ آں بکبودی مائل و سپید نیز بود مانند کوہ از برف و باز خشین یعنی باز سفید ، وخشینہ بمعنی خشین ، ظاہرا واو عطف را اصل کلمہ پنداشتہ اند و در فرہنگ و برہان بمعنی مرغی سفید نگاشتند ۔

آنندراج : (منقول از ناصری)

فرہنگ نظام : خشینہ رنگی بود میاں کبود و سیاہ ، کسائی گفتہ کوہسار خشینہ الخ ۔ جہانگیری بمعنی خشین وخشینہ را رنگ سیاہ آوردہ و شعر مذکور کسائی را شاہد آوردہ کہ در واقع نمی چسپد بجہت اینکہ مقصود کسائی اینست کہ خدا کوہسار را کہ در زمستان خشینہ رنگ است بواسطۂ بہار لباس سرخ و سفید می پوشاند و رنگ کوہسار در زمستان سیاہ نیست ، عجب ایں ست کہ او خشی را بمعنی رنگ بغایت سفید نوشتہ ، رشیدی اول خشی را سفید نوشتہ و بعد خشین وخشینہ را بمعنی سفید از برف و شعر کسائی را شاہد آوردہ و باز خشین را بازی کہ سفید باشد الخ نوشتہ ۔ معنی رشیدی بہ شعر کسائی بہتر می چسپد کہ کوہسار در زمستان از برف سفید است ۔ اگرچہ مولف جہانگیری و رشیدی ہر دو فاضل اند لیکن اسدی شش قرن پیش از ہر دو بودہ و اول فرہنگ نویس است ، ممکنست بیانش اصح باشد ....
ریشۂ این لفظ است در سنسکرت کہ کرشنہ است یعنی سیاہ وخشینہ دو معنی دارد اول نام جانوری ، دوم چیزی را گویند (جہانگیری) چون خشینہ را جہانگیری ضبط کردہ رشیدی احتمال می دہد وخشینہ ہماں خشینہ است

با واو عطف لفظ علیحدہ نیست، لیکن جہانگیری از موید الفضلا نقل کردہ واو ہر دو را ضبط کردہ و در خشینہ گوید" سپیدہ کذا فی شرفنامہ الخ" ممکنست وخشینہ ہم درست باشد چہ در سنسکرت پکشین بمعنی بالدار و مطلق مرغ ست

بیانات بالا کے مطالعے سے حسب ذیل مسائل پیدا ہوتے ہیں :

۱۔ خشین، خشینہ، خشی کے کیا معانی ہیں۔

۲۔ وخشینہ کوئی لفظ ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کے کیا معنی ہیں۔ اگر یہ الگ لفظ نہیں ہے تو اس کے وجود میں آنے کی وجوہ کیا ہیں۔

مسئلہ اول کے سلسلے میں سب سے قدیم بیان اسدی کا ہے لیکن اس کا بیان متضاد طور پر ملتا ہے۔ کبھی وہ کبود و سیاہ کے درمیان کا رنگ، کبھی کبود و سبز اور سپید سے مرکب اور کبھی سپید قرار دیتا ہے اور جو شعر شاہد آیا ہے اس میں سوائے سفید کے اور کوئی معنی ٹھیک طور پر چسپاں نہیں ہوتے۔ صحاح سے اسدی کے قول کی تائید ہوتی ہے البتہ "خشینہ" کے معنی اس میں مرغابی درج ہے جو فرس میں نہیں ملتا۔ قواس کا بیان بالکل واضح ہے۔ وہ خشینہ کے معنی سپید رنگ لکھتا ہے۔ اس کا بیان فرس سے ماخوذ ہے" تز مرغکی بود کوچک و لونش خشینہ بود و نیک نتواند پریدن و در گلستانہا بیشتر بود"۔ اگرچہ اس میں خشینہ کی توضیح نہیں ملتی۔ لیکن قواس کی طرح ادات نے "تز" کو مرغ خرد و سپید لکھا ہے۔ شرفنامہ، موید، سروری اور رشیدی میں خشینہ کو رنگ سفید ہی قرار دیا گیا ہے۔ جہانگیری میں سیاہ رنگ لکھا ہے، لیکن شعر شاہد سے اس رنگ کی توثیق نہیں ہوتی، برہان، ناصری اور آنندراج میں کبودی مائل و سیاہ کے ساتھ سفید رنگ بھی ملتا ہے، صاحب فرہنگ نظام نے قرار واقعی تحقیق کی لیکن ان کے پیشِ نظر قواس کی فرہنگ نہیں تھی اس بنا پر وہ کسی قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کے بیان سے سفید رنگ کی تائید ہوتی ہے وہ فرس کے بیان کی تائید کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایک جگہ سفید معنی ملتے ہیں اور شعر شاہد سے تو یہی معنی نکلتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ دلچسپ ہے۔ دراصل اس کا بانی صاحب زفان گویا ہے، زفان میں

"خشینہ" میں "تز" کی ساری خصوصیت بتائی گئی ہے۔ فخر قواس تز کو چھوٹی سفید چڑیا لکھتا ہے جو بہار میں اکثر دکھائی پڑتی ہے اور قواس کے اس بیان کی تائید فرس، صحاح، ادات وغیرہ سے بخوبی ہوتی ہے۔ مگر قواس کے بیان سے صاحب زفان گویا نے یہ بیان اخذ کیا ہے: وخشینہ مرغی است سپید الخ۔ واضح رہے کہ قواس کے بیان میں خشینہ ہے جو مرغ کی صفت بتائی گئی ہے، بعینہ یہی صفت فرس اور صحاح میں بھی موجود ہے۔ اس چڑیا کی پہلی صفت خرد اور دوسری خشینہ ہے اور خرد اور خشینہ کے درمیان ان تینوں فرہنگوں میں واو حرف عطف ہے، یہی واو زفان گویا میں خشینہ کا پہلا حرف قرار پایا جو بعد کی فرہنگوں میں داخل ہو گیا۔ ادات الفضلا میں یہ لفظ مجھے نہیں ملا، البتہ شرفنامہ میں گو زفان گویا کی پوری طرح پیروی نہیں ملتی لیکن وخشینہ کو ایک الگ لفظ قرار دیا گیا ہے جس کے معنی سفید بتائے گئے ہیں۔ جہانگیری میں زفان گویا اور شرفنامہ کے بیان مجملاً ایک ساتھ کر لئے گئے ہیں اور برہان میں تو زفان گویا کا وہی بیان ملتا ہے جو قواس کے بیان سے غلط طور پر مستفاد ہے۔ تتوی پہلا شخص ہے جس نے ان فرہنگ نگاروں کے بیانات پر اعتراض کیا ہے اور وخشینہ کے الگ لفظ ہونے پر شبہ کا اظہار کیا ہے، اس کے بعد ناصری میں اس کی پیروی ملتی ہے۔ فرہنگ قواس کی عبارت سامنے آجانے سے تتوی اور ناصری کے شبہ کی نہ صرف توثیق ہو گئی بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زفان گویا کی ذرا سی غلط خوانی سے ایک بے بنیاد لفظ فرہنگوں میں شامل ہو گیا۔ صاحب فرہنگ نظام بھی (جس کے سامنے فرس، صحاح اور بحر الفضائل وغیرہ قدیم لغت ہیں جن میں اس لفظ کا سرے سے وجود نہیں) وخشینہ کے جواز کے قایل ہو گئے۔ ڈاکٹر محمد معین نے برہان قاطع کے حاشیہ میں اس کو خشینہ کا مصحف بتایا ہے، بہرحال حقیقت وہی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، وخشینہ کا واو، دراصل واو عطف تھا جو صاحب زفان گویا کی غلط فہمی سے لفظ کا جز بن گیا اور اس طرح یہ غلط لفظ وجود میں آگیا۔

<u>سکار، سکارو :</u>

قواس : سکار انگشت افروختہ را گویند : سکارو انگشتو

ادات : سکار آتش افروختہ، مالیدہ ؛ سکارو مالیدہ ونان بآتش پختہ۔

زفان گویا : سکار انگشت افروختہ ودر فرہنگ نامہ (قواس) است سکار طعامیست گویند مالیدہ۔ سکار و انگشتو نام طعامیست چنانکہ انگشت۔

شرفنامہ : سکار بالکسر انگشت بستہ کہ آنرا بجال وزگال وگال نیز گویند وقیل طعامیست، سکار و بالفتح وقیل بالکسر مالیدہ ونان بانگشت پختہ و نام طعامیست چنانکہ انگشت عروس۔

موید : سکار ونان بانگشت پختہ ونام طعامیست چنانکہ انگشت عروس۔

سروری : سکار زغال باشد ونیز طعامی را گویند ودر موید انگشت افروختہ، سکارو قرصی کہ بروی آتش افگنند

برہان : سکار زغالی و انگشت باشد و انگشت افروختہ را نیز گویند ونوعی از طعام ہست؛ سکارونان وگوشتی را گویند کہ برروی زغال افروختہ واخگر بپزند وبمعنی چنگالی رمالیدہ ہم آمدہ است۔

رشیدی : سکار انگشت افروختہ مرادف زگال؛ سکارو اوسکارونانی کہ برروی انگشت افروختہ افگنند۔

ناصری : سکار انگشت افروختہ باشد یعنی زغال؛ سکارونانی کہ برروی انگشت افروختہ افگنند (زگال اسی سے ہے)۔

آنندراج : سکار معنی زغال و انگشت باشد وانگشت افروختہ را نیز گویند ونوعی از طعام ہم ہست؛ سکارونان وگوشتی را گویند کہ برروی زغال افروختہ واخگر بپزند۔

قواس رشیدی اور ناصری میں سکار کے معنی "انگشت افروختہ" ہے، لیکن آخری دونوں فرہنگوں میں اس کو زگال (= زغال) کا مترادف قرار دیا ہے۔ اگرچہ یہ لفظ زگال ہی سے بنا ہے، لیکن دونوں کو بعینہٖ مترادف قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ زگال کے معنی صرف کوئلے کے ہیں جب کہ سکار کے معنی جلا ہوا کوئلہ اور سوزنی کی بیت شاہد سے بھی یہی مترشح ہے :

بدار دنیا چون برفروخت آتش ظلم　　　　سکار آن بجہنم ہمی خورد چو ظلیم

ظلیم یعنی شترمرغ کے آگ کھانے کی روایت ہے، کوئلہ کھانے کی نہیں۔ اولاً یہ لفظ "انگشت وزغال افروختہ" کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ ادات میں افروختہ کے ساتھ مالیدہ ہے معلوم نہیں اس آخری لفظ سے طعام مراد ہے یا آتش کی کیفیت۔ بہرحال اس میں زگال کے بجائے آتش لکھنا اصل سے انحراف ہے۔ زفان گویا میں معنی تو وہی لکھے ہیں جو فرہنگنامۂ قواس میں ہے لیکن قواس کا حوالہ غلط دیا ہے، فخر قواس نے سکار کے معنی طعام نہیں لکھے ہیں۔ دراصل فرہنگنامۂ قواس میں سکار "بخش اول گونۂ چہارم" کے ذیل میں آیا ہے، اور سکارد "بخش پنجم گونۂ سوم کے ذیل میں، دونوں کے ایک جگہ آنے کا کوئی سوال نہیں، قواس میں الفاظ مطالب کے لحاظ سے درج ہیں، اس بنا پر التباس کا موقع نہیں، بظاہر صاحب زفان گویا نے قواس کے "سکار" کو سکاد پڑھا اور اس کے معنی مالیدہ لکھے، حالانکہ قواس کے یہاں اس کے معنی انگشتو دیا ہے، نہ کہ مالیدہ، البتہ اس لفظ کے فوراً بعد "چنگالی خوست" کے معنی "مالیدہ" ملتے ہیں۔ بہرحال یہ صاحب زفان گویا کی بڑی بے احتیاطی ہے جو قواس کے کسی ناقص نسخے کی بنا پر واقع ہوئی۔ شرفنامہ[1] میں انگشت افروختہ کے بجائے کشتہ لکھ دیا جو زگال کی صفت ہے، اس کے یہاں دوسرا معنی بھی موجود ہے۔ مویدمیں بھی قواس کی پیروی تھی مگر مطبوعہ نسخے میں یہ لفظ درج نہیں۔ سروری کے معنی شرفنامہ سے مشابہ ہیں، برہان اور آنندراج میں تین معنی ہیں (۱) زگال (یعنی انگشت کشتہ)، (۲) انگشت افروختہ (۳) نام طعام یہ بیان یقیناً سارے اختلافات کے جمع کرنے کا نتیجہ ہے۔ رشیدی اور ناصری میں ایک ہی معنی یعنی انگشت افروختہ لکھے ہیں لیکن ان میں اس کو زگال کا مترادف قرار دیا گیا ہے جو معنی کے لحاظ اگرچہ صحیح نہیں مگر اصلاً صحیح ہے۔

سکارو کے معنی میں بھی کافی تغیر ہوا۔ دراصل یہ اختلافات غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔ فخر قواس نے اس کے بالکل ٹھیک معنی دیے ہیں: سکارو یعنی انگشتو لفظ اور معنی دونوں میں "واو" نسبت کی ہے، (یعنی جو سکا۔ یا انگشت سے متعلق ہو)، یہاں انگشت سے مراد زغال ہے، انگلی نہیں۔ بعد کی فرہنگوں میں اشتباہاً دو معنی درج ہوئے اس لیے کہ انگشت کے دو معنی

[1] زفان میں فرہنگنامہ لکھا ہے، ممکن ہے اس سے قواس مراد ہی نہ ہو۔

ہیں؛ ایک زگال دوسرے انگلی، لطف یہ ہے کہ شرفنامہ میں تین معنی درج ہوگئے؛ اس میں انگشت عروس، کا اضافہ ہے جس کو موید میں بھی شامل کرلیا گیا۔ بظاہر انگشت سے وہ نان مراد ہوگی جو آگ اور کوئلے پر سینکی جائے۔ اس بنا پر میرے خیال میں سروری، رشیدی اور ناصری کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، برہان اور آنندراج میں نان کے ساتھ گوشت کا اضافہ فضول ہے۔

غوشا، غوشای، غوشاد:

فرس	:	غوشای: خوشۂ جو گندم و سرگین چہار پایان؛ غوشا سرگین گاو بود، غوشاد جایگاہ گاوان و گوسفندان۔
قواس	:	غوشاد جایگاہ کاروان است؛ غوشای سرگین ستور کہ بدشت خشک شود۔
صحاح	:	غوشای سرگین وخوشۂ جو گندم؛ غوشاد جای گوسفندان وگاوان باشد
شمس فخری	:	غوشاد تبگاہ گوسفندان وگاوان باشد
ادات	:	غوشاک سرگین ستور، غوشاد جایگاہ دیوان وجایگاہ کاروان وگاوان وگوسفندان۔
زفان گویا	:	غوشاد درختیست بلند وجایگاہ کاروان وگوسفندان، غوشای سرگین گوسفندان الخ۔
شرفنامہ	:	غوشاد جایگاہ کاروان وگاوان وگوسپندان وجایگاہ دیوان وقیل درختی است بلند۔
موید الفضلا	:	غوشا پاچک دشتی، غوشای سرگین ستور کہ بدشت خشک شود، غوشاد جای کاروان وگوسفندان وجایگاہ دیوان وقیل درختی است بلند۔
سروری	:	غوشاد جایگاہ گاوان وگوسفندان باشد۔ ودرادات جایگاہ دیوان وکاروان نیز آمدہ۔
جہانگیری	:	غوشا (۱) سرگین سایر حیوانات (۲) خوشۂ انگور وخرما وخوشۂ گندم وجو

غوشاد (۱) غوشا (۲) چہار دیواری کہ ہنگام شب گاوان وگوسپندان وشتران واشال آن درآنجا باشند، غوشاک بمعنی غوشاست۔

برہان : غوش سرگین سایر حیوانات ؛ غوشا (۱) مطلق خوشہ (۲) محوطہ وچہار دیواری کہ شبہا گوسفندان وشتر واسپ درانجا بسر برند۔ (۳) سرگین حیوانات ؛ غوشاد جای فرود آمدن کاروان وقافلہ گاہ باشد وجای خوابیدن گاوان وگوسفندان وجایگاہ دیوان وجنیان۔ (۲) درخت بلند (۳) سرگین سایر حیوانات ، غوشاک (۱) محوطہ کہ شبہا گاوان وگوسفندان درآنجا بسر برند (۲) سرگین حیوانات ، غوشای (۱) جای خوابانیدن چارپایان (۲) سرگین خشک حیوانات (۳) خوشہ گندم وجو۔

رشیدی : غوشاک وغوشاد وغوشای (۱) سرگین حیوانات خشک شدہ (۲) خوشہ جو وگندم وخوشہ انگور وخرما نیز ؛ غوشاد جایگاہ گاوان وگوسفندان کہ شب درآنجا باشند، غوش سرگین حیوانات ،

ناصری : غوشاد جایگاہ گاوان گوسفندان کہ شب درآنجا خسپند وجای خوابانیدن شب گاو وگوسفند، غوشای صحیح است چو خو مخفف خواب است یعنی شب گاہ وخوابگاہ۔

فرہنگ نظام : غوشا سرگین گاو ، غوشای سرگین چارپایان ، خوشہ گندم وجو ؛ غوشاد (۱) غوشا (۲) چہار دیواری کہ ہنگام شب گاوان وگوسپندان الخ۔

فرہنگ نگاروں کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شروع میں غوشای ، دو معنوں کے لئے مخصوص تھا یعنی "سرگین خشک" اور "خوشہ جو وگندم وغیرہ" غوشا فرس وغیرہ میں معنی اول کے لئے آیا ہے ، لیکن بعد کی فرہنگوں میں عموماً اس میں اور غوشای میں کوئی فرق نہ رہا یعنی دونوں لفظ دونوں معنوں کے لئے آئے (مثلاً رک : جہانگیری)۔ برہان میں غوشا اور غوشای دونوں تین معنی کے لئے مخصوص کردیے گئے ہیں یعنی سرگین ، خوشہ اور جای خوابیدن گاوان وغیرہ ، رشیدی میں صرف دو معنی درج ہوئے ہیں اور معنی اخیر غوشاد کے لئے مخصوص

ہے۔ فرہنگ نظام میں فرس کی طرح غوشا کے صرف ایک معنی ہیں، البتہ غوشای رشیدی کی طرح دو معنی کے لئے مخصوص ہے۔

غوشاد کے معنی بیان کرنے میں دو طرح کی غلطی ہوئی ہے :

(۱) پہلے اس کے معنی میں توسیع ایک لفظ کی غلط قرأت سے ہوئی مثلاً نسخۂ فرہنگ قواس میں جایگاہ گاوان کے بجائے جایگاہ کاروان موجود ہے، کاروان واضح طور پر کتابت کی غلطی ہے، اس کی تصدیق بیت شاہد سے بخوبی ہوتی ہے :

سبوح دم زکت بھان گرفت و دیزہ فلان

دماچو گاوان گرد آمدہ بغوشادی

یہی بیت اسی قرأت کے ساتھ فرس اور صحاح میں جایگاہ گاوان و گوسفندان کی تشریح کے لئے نقل ہوئی ہے۔ اول تو لفظ کاروان اس میں چسپاں نہیں ہوتا۔ اس سے مصرعۂ دوم وزن سے ساقط ہو جاتا ہے، دوم کاروان کے لئے گرد آمدن کا استعمال غلط ہے، گاوان و گوسفندان جمع ہوتے ہیں۔

کتابت کی یہی غلطی سب سے پہلے ادات میں صحیح معنی کی شکل میں ظاہر ہوئی پھر شرفنامہ میں اسی کی نقل ہوئی، موید الفضلا میں اس کا راہ پانا لازمی تھا، سروری نے احتیاط تو کی لیکن ادات کے حوالے سے کارواں کے معنی بھی درج کر دئے، شمس فخری، جہانگیری رشیدی اور ناصری میں بھی جایگاہ کاروان کے نقل کرنے سے صرف نظر کیا گیا۔ لیکن جہانگیری اور رشیدی دونوں میں اس کے دوسرے اور معنی بیان ہوئے جن کا ذکر ابھی آتا ہے۔ صاحب برہان قاطع نے واضح طور پر اس کے معنی میں فرود آمدن کاروان و قافلہ گاہ کا اضافہ کر دیا ہے۔

(۲) بعد کے فرہنگ نگاروں نے غوشاد کے معنی میں غوشا اور غوشای کے معنی کا اضافہ کر کے عجیب سی صورت پیدا کر دی ہے، جہانگیری، برہان، رشیدی اور فرہنگ نظام سب میں اس کے تین معنی درج ہیں یعنی سرگین خشک (۲) خوشۂ جو و گندم وغیرہ (۳) جایگاہ گاوان وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ چونکہ قدیم فرہنگوں میں غوشا اور غوشای کا کسی قسم کا تعلق غوشاد سے نہیں بتایا گیا ہے، اس بنا پر ہم ان متاخر فرہنگ نگاروں کے قول کو غلط قرار دیتے ہیں۔

شبان فریوک :

قواس	:	شبان و فریوک شب پرک
دستور	:	شبان و فریوک شب پرک
ادات الفضلا	:	شبان قبل شب پرک، شبان فریوک شب پرک
زفان گویا	:	شبان فریوک شب پرک و فخر قواس شب فریوک گفته است و در محلی است که این جانور را دیگر شبان فریب نیز گویند۔
بحر الفضائل	:	شبان شب پرک : فرلوک شب پرک ۔
شرفنامه	:	شبان فریوک شب پرک ؛ شبان شب پرک ۔
موید	:	شبان فریوک شب پرک کذا فی الادات وغیره و در فرہنگ فخر قواس شبان فریوک بروزن کمان دیوک گفته است و در زفان گویا است که این جانور دیگری است که آن را شبان فریب نیز گویند. شبان قیل شب پرک ۔
سروری	:	شبان فریوک شپرک باشد در شرفنامه، و در نسخهٔ میرزا شبان فریک آمده یعنی شبان فریب، و شبان فریب مرغی است مانند فراشتک، در زفان گویا در سامی مرغی است که صفیر بسیار زند، مرغی است شبیه به باشه ۔ چون بر زمین نشیند چنان نماید که قوت پرواز ندارد الخ۔
جهانگیری	:	شبان فریب و شبان فریک و شبان فریو و شبان فریوک مرغی است کوچک شبیه به باشه و چنان بر روی زمین نشیند که هر کس که او را بیند تصور نماید که قوت پرواز ندارد الخ ،
برہان قاطع	:	شبان فریب مرغی است کوچک شبیه بباشه و بعض گویند شبیه به فراشتوک است و بعضی مرغ عیسیٰ را شبان فریک خوانند، مجملاً گویند که چنان بر روی زمین نشیند که هر کس که او را بیند پندارد که قوت برخاستن و پریدن ندارد الخ ، شبان فریک، شبان فریو و شبان

فریوک یکی است۔

رشیدی : شبان فریب، شبان فریک، شبان فریو، شبان فریوک مرغی است کہ صفیر بسیار زند، و در فرہنگ مرغی است شبیہ بہ باشہ چون بر زمین نشیند الخ۔

ناصری، آنندراج، فرہنگ نظام میں یہی دہرایا گیا ہے۔

اس سلسلے میں چند باتیں جانچنے کی ہیں۔

(۱) شبان فریوک کی اصل قرأت کیا ہے۔

(۲) یہ ایک لفظ ہے یا دو لفظ کا مجموعہ۔

(۳) اس کے معنی کیا ہیں۔

پہلے دو مسئلے ایک ہی سلسلے کی کڑی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر شبان اور فریوک کے درمیان واو عاطفہ فرض کر لیا جائے تو اس کو دو لفظ ماننا پڑے گا۔ میرے خیال میں یہ دو الگ الگ لفظ ہیں اور ہم معنی ہونے کی وجہ سے فرہنگ قواس میں ایک جگہ لکھ دیے گئے۔ بعد کے فرہنگ نویسوں نے ان کو ایک لفظ سمجھ لیا اور اس کی طرح طرح سے تاویلات کرنے لگے، میرے قیاس کی بنیاد حسب ذیل امور پر ہے:

(الف) فرہنگ قواس کے نسخے میں جو اس وقت اس لفظ کا سب سے قدیم ماخذ ہے واو عاطفہ موجود ہے۔

(ب) دستور الافاضل جو فرہنگ قواس کے بعد سب سے قدیم ماخذ ہے، اس میں واو ملتا ہے۔

(ج) بحر الفضائل میں شبان اور فرنوک (کذا) الگ الگ شپرک کے معنی میں درج ہیں

(د) شبان بمعنی شب پرک کم از کم ادات الفضلا، شرفنامہ اور موید الفضلا میں بھی آیا ہے

(ی) فرہنگ قواس میں جس جگہ یہ ٹکڑا آیا ہے، اس جگہ دو دو لفظ ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً اس کے فوراً پہلے "سفرود وکتو" بمعنی سنگ خوارہ، چنوک و مانوزک بمعنی قبرہ اور فوراً بعد خربوزہ و خربواز بمعنی شب پرک درج ہے، اس سے بھی اس کے دو لفظ ہونے پر

استدلال ہو سکتا ہے۔

شبان کی قرأت میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ البتہ فریوک کی تین قرأتیں ہیں فرنوک، فربوک اور فریوک۔ آخرالذکر قرأت سوائے ایک دو نسخوں کے سب میں موجود ہے۔ فرنوک صرف بحرالفضائل میں ہے اور یہ خود مؤلف کا اپنا انتخاب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ یہ لفظ "فرم" اور "فرنی" کے درمیان آیا ہے اور چونکہ یہ فرہنگ باقاعدہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے اس لئے اس کے اصل میں حرف سوم "ی" کے بجائے "ن" ہے البتہ فرہنگ قواس کے موجودہ نسخے کے فربوک کے خلاف دو واضح قول ہیں، ایک صاحب زفان گویا کا جس نے شب (صبح شبان) فریوک لکھا ہے اور دوسرے مویدالفضلا کا جس نے اس کو کمان دیوک کے ہم وزن قرار دیا ہے، لیکن یہ دراصل ایک ہی شہادت ہے اس لئے کہ خود موید کے سامنے قواس کا کوئی نسخہ نہ تھا، اس نے زفان گویا ہی سے یہ بیان نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ صاحب دستورالافاضل نے بظاہر قواس ہی سے متاثر ہو کر شبان و فریوک، بمعنی شب پرک درج کیا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر فریوک کو فربوک پر ترجیح حاصل ہے مگر چونکہ کسی لغت میں فریوک الگ اس معنی میں نہیں آیا۔ اس لئے اس کی یہ قرأت بظاہر مشتبہ معلوم ہوتی ہے، برخلاف اس کے بحرالفضائل میں فرنوک اس معنی میں واضح طور پر درج ہے اس بنا پر شبان و فرنوک کی ترجیح کا امکان ہے۔

ان دونوں الفاظ کے معنی شب پرک ہیں اور بعد کی قرأتیں اور ان کے الگ معنی اصل سے بے تعلق ہیں اور اسی بنا پر خواہ کتنی وقیع فرہنگوں میں شامل کیوں نہ ہوں بحالت موجودہ درخور توجہ نہیں، افسوس ہے کہ کسی فرہنگ نویس نے اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں پیش کی خاص طور پر فرہنگ نظام کی زیادہ یاوہ گوئی ہے۔

لبنج :

فرہنگ قواس	:	کورک سنگ گازر، لبنج حجام، گرای و تاکو دو تو نگو نیز حجام۔
اداۃ	:	لبنج سازگاذر (کذا)
زفان گویا	:	لبنج سازگازر، چیزی است کہ بساز گازران تعلق دارد۔
شرفنامہ	:	لبنج سازگار (کذا)

مؤید : لهنج سازگار

سروری : لهنج سازگار باشد در نسخہ میرزا، و در مؤید از فخری نقل کردہ کہ بمعنی سنگ گازر آمدہ و این اصح است چہ در ادات الفضلا نیز بمعنی سازگازر آمدہ و میرزا ابراہیم سازگازر را سازگار خواندہ و نوشتہ و در فرہنگ بمعنی سنگ کارد و بمعنی سازگاری آمدہ۔

جہانگیری : لهنج در معنی دارد (۱) سنگ کارد باشد کہ آنرا فسان خوانند (۲) بمعنی سازگاری آمدہ۔

برہان : سنگ گازری باشد و بمعنی سنگ کارد ہم گفتہ اند کہ فسان باشد و بمعنی سازگار و سازگاری ہم بنظر آمدہ است و جای دیگر سازگازر و سازگازری نوشتہ بودند.... ظاہرا میان این دو کس خلط شدہ باشد چہ یکی سازگاری و دیگری سازگازری نوشتہ۔

رشیدی : لهنج سنگ کارد کہ افسان نیز گویند اما در مؤید سنگ گازر و در ادات سازگازر و در فرہنگ بمعنی سنگ کارد و بمعنی سازگاری آوردہ، ظاہرا ایں ہمہ تصحیفاتست و صحیح اول است۔

ناصری : لهنج سنگ کارد کہ فسان گویند و دریں لغت تصحیف خوانی کردہ اند و اختلاف شدہ چنانکہ سنگ گازر و غیرہ۔

آنندراج : لهنج (ماخوذ از ناصری)

فرہنگ نظام : لهنج (ماخوذ از ناصری)

تفصیلات بالا سے واضح ہے کہ لهنج کے حسب ذیل پانچ معنی مختلف فرہنگوں میں درج ہیں: (۱) حجام (۲) سازگازر (۳) سنگ گازر (۴) سنگ کارد (۵) سازگار۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنگ کارد، سنگ گازر کی تصحیف ہے اور سازگار سازگازر کی، اس طرح آخری دونوں تصحیفات کو ختم کرنے کے بعد اول تین معنی باقی رہے۔ سازگازر اور سنگ گازر سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی وہ پتھر جس پر دھوبی کپڑے پٹختا ہے، چونکہ وہ اکثر پتھر ہوتا ہے

اس بنا پر اس کو "سنگ گازر" کہنا زیادہ مناسب ہے۔ لیکن بظاہر لنبج کا یہ معنی بھی ایک خاص غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ دراصل اس لفظ کا قدیم ترین ماخذ فرہنگنامۂ قواس ہے (لغت فرس سے یہ لفظ خارج ہے) اس لئے اس کے بیان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ اسی فرہنگ کی غلط خوانی سے یہ مسئلہ پیدا ہوا۔ فرہنگ مذکور میں "لنبج" کے فوراً پہلے "کورک" ہے جس کے معنی "سنگ گازر" کے ہیں (اور اس سے پہلے "کرنگ" بمعنی "بند گازر" ہے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نسخے میں "لنبج" اپنی جگہ سے ہٹ کر "کورک" کے ساتھ مل گیا، اس بنا پر اس کے معنی "سنگ گازر" کے قرار پائے (اسی بنا پر ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ان تمام تصحیفات میں "سنگ گازر" ہی اصل ہے بقیہ سب قابل ترک) اور لنبج کے معنی حجام کے علاوہ کچھ نہیں اس لئے کہ اس کے بعد تین لغات جو درج ہیں ان کے معنی بھی حجام کے ہیں اور اس معنی کے ساتھ نیز کا لفظ حجام اول کے وجود پر دلیل قطعی کا حکم رکھتا ہے، ان صریحی باتوں کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "لنبج" کے معنی صرف حجام ہی سمجھنا چاہئے۔ بعد کی فرہنگوں کے مندرجات غلط فہمی پر مبنی ہیں اور معنی کے شاہد کے بغیر ان کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔

تصحیفات کے سلسلے میں صاحب رشیدی اور صاحب فرہنگ نظام کے بیان سے افسوس ہوا اس لئے کہ ان سے تحقیق کی توقع تھی مگر انھوں نے مطلق کچھ نہیں کیا بلکہ رشیدی کا قیاس سراسر الٹا ہے اور فرہنگ نظام میں اس کی کورانہ تقلید ہے۔ سب سے زیادہ توقع صاحب جہانگیری سے تھی کیونکہ اس کے پیش نظر فرہنگنامۂ قواس تھا، مگر اس نے اپنے ماخذ سے بجا طور پر استفادہ نہیں کیا ہے، اسی بنا پر اس کا بیان یاوہ گوئی سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا اس کے سامنے اور بھی قدیم فرہنگیں تھیں، اگر وہ ان کی طرف توجہ کرتا تو شاید اس سے زیادہ سودمند نتائج برآمد ہوتے، بہرحال بحالت موجودہ ہم "لنبج" کے معنی "حجام" قرار دیتے ہیں اور اس پر مزید شواہد نہ لاسکنے کا ذمہ دار صاحب جہانگیری کو ٹھہراتے ہیں جو ۵ فرہنگوں کو پیش نظر رکھنے کے باوجود اکثر معاملات کو الجھا دیتا ہے۔

<u>یشک، ناب :</u>

فرس : یشک دندان پیشین ددان ناب ہر چیز خالص باشد وبی غش۔

صحاح : یشک دندان پیشین سباع، ناب خالص و بی عیب۔

قواس : یشک چهار دندان پیش باشد، ناب خالص

دستور : یشک چهار دندان تیز و بزرگ، ناب خالص

شمس فخری : یشک دندان بزرگ ترین مار و شیر و گرگ را گویند و ناب همیں است، ناب خالص باشد و دندان بزرگ فیل و گراز را ناب گویند۔

ادات : ناب هر چیز بی آمیزش و خالص باشد و یکی از چهار دندان پیشتر که آنرا یشک خوانند۔

بحرالفضایل : ناب دندان و چیزی خالص که رنگ آمیخته باشد۔

زفان گویا : بتازی ناب یشک را گویند۔

شرفنامه : هر چه بی آمیزش و خالص باشد و آن گوکه بر فرخج اسپ افتد از فربهی و چهار دندان یشک۔

مویدالفضلا : یشک یکی از چهار دندان تیز و در فرهنگ فخر قواس بمعنی خالص و بیغش هست چنانچه ناب، اقوال ناب در عربی بمعنی دندان سگ است دضغًا و لهذا سگ رازی ناب گویند۔

سروری : یشک دندان بزرگ شتر و فیل، ناب خالص و بی عیب و بمعنی دندان بزرگ شیر و فیل عربیست۔

جهانگیری : دندان پیشین را گویند و آنرا بتازی ناب گویند، ناب دو معنی دارد، (۱) خالص (۲) بمعنی دندان آمده

برهان : یشک خالص و بیغش هم آمده، چهار دندان بزرگ، و بعربی ناب خوانند، ناب لب و لباب و خالص و بی آمیزش و پاک و بیغش و در عربی چهار دندان نیش[۱] سبع و بهایم و چهار دندان بزرگ حیوانات۔

رشیدی : یشک دندان پیش که بتازی ناب گویند و در نسخهٔ سروری گوید چهار دندان بزرگ سباع . . . و بعضی دندان شیر و فیل و گرگ گفته،

۱؎ نسخهٔ بدل پیش ہے اور یہی لفظ یشک کے ذیل میں بھی ہے۔

ناب خالص۔

ناصری : یشک دندان پیشین کہ بتازی ناب گویند، ناب خالص۔

آنندراج : یشک (ماخوذ از ناصری)؛ ناب خالص، دندان شیر

فرہنگ نظام : یشک چہار دندان پیشین بزرگ (نیش) باشد از سباع وما رعنصری گفت الخ (فرس) . . . . . ریشۂ اش در سنسکرت دشک بمعنی گزندہ است کہ صفت دندان نیش است ودال تبدیل بہ یا شدہ ناب خالص، وناب بعربی بمعنی دندان نیش،

اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ یشک کے معنی میں کوئی بنیادی اختلاف فرہنگ نویسوں کے یہاں نہیں ملتا بعض نے چہار دندان پیش اور بعض نے یکی از چہار دندان پیش لکھا ہے اور ایک آدھ میں دندان نیش بھی آیا ہے۔ برہان کی جو قرأت ڈاکٹر معین کے یہاں ملتی ہے وہ نیش ہے، لیکن اس صورت میں اس کی نسبت بہائم کی طرف درست نہیں ہو سکتی ایک خاص امر جس کی طرف اشارہ مقصود ہے وہ موید کا بیان ہے اس کی رو سے صاحب قواس کے یہاں یشک کے عام معنی کے علاوہ خالص وبیغش کے بھی معنی میں یہ لفظ آیا ہے مگر قواس کا جو نسخہ راقم السطور کے پیش نظر ہے اس میں صرف عام معنی درج ہیں؛ موید کے یہاں کے الفاظ نہیں ملتے۔ بہرحال زاید معنی کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے خواہ وہ غلط فہمی صاحب موید کی ہو یا صاحب فرہنگ قواس کی۔ اس غلط فہمی کی بنیاد اس امر پر ہے کہ یشک کے معنی دندان پیش کے ہیں اور عربی میں ناب بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ مگر فارسی میں ناب کے معنی خالص وبے عیب کے ہیں، اس اعتبار سے یشک کے معنی ناب یعنی خالص وبیغش قرار پائے، مگر یہ استدلال غلط ہے، یشک بمعنی ناب عربی یعنی دندان پیش ہے نہ ناب فارسی یعنی خالص و بیغش۔ بہرحال یہ غلط معنی جو کسی وجہ سے موید الفضلا میں شامل ہو گئے، بعض متاخر فرہنگوں میں داخل ہوئے مثلاً برہان قاطع میں یشک کے معنی خالص وبیغش بھی درج ہیں۔

کت :

فرس : کت بمعنی تخت باشد، اورمزدی گوید :

روز او مزد است شاہا شاد زی
برکتِ شاہی نشین و بادہ خور

قواس : کت تخت ہندوان باشد میان بافتہ، فرخی گوید خلافت جدا کرد الخ
صحاح : کت بمعنی تخت باشد فرخی گوید :

خلافت جدا کرد جیپالیان را   زکتہای زرین زشاہانہ زیور

زفان گویا : کت تاج و تخت اگوئی معرس کھٹ است
شرفنامہ : کت تخت میان بافتہ کہ بہندش کھٹ گوید۔
موید : کت تاج و تخت و در فرہنگنامۂ فخر قواس کت تخت ہندوان الخ گوئی معرس کھٹ است کذا فی زفان گویا۔
برہان : کت تخت پادشاہان را گویند عموماً و تخت پادشاہان ہندوستان را خصوصاً کہ میان آنرا بافتہ باشند۔
رشیدی : کت پلنگی کہ بران نشینند و خواب کنند ظاہراً در اصل بدین معنی ہندی است۔

فرس وصحاح میں کت کے صحیح معنی یعنی تخت درج ہیں۔ لیکن بظاہر صاحب فرہنگ قواس سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے کت کو ہندی بناکر اس کو پلنگ (چارپائی) کے معنی قرار دیا، ورنہ (میان یافتہ) کی قید کے فضول ہونے کا استدلال فرس میں درج شدہ شعر سے ہوتا ہے؛ اس شعر سے ظاہر ہے کہ "کت" تخت شاہی ہے جس پر ایرانی بادشاہ جلوہ افروز ہوتا تھا۔ صاحب زفان گویا نے تخت کے ساتھ تاج بھی شامل کردیا۔ کت بیٹھنے کی چیز ہے، تاج کو اس سے کیا مناسبت، موید الفضلا میں بھی "کت" کے معنی تاج و تخت دے ہیں اور یہ معنی اس میں زفان گویا کے حوالے سے درج کئے گئے ہیں۔

چرگر، وچرگر :

فرس : چرگر، سرود گوی، چرگر مغنی، زینبی گوید: بوسہ نظرت الخ
صحاح : وچرگر چند معنی دارد۔ (مغنی باشد) زینبی گفت: بوسہ و نظرت الخ

اصطخر: اخیکث اخیکت؛ درواره برباره؛ ویشه بیشہ؛ وشکول بشکول؛ بزغ وزغ؛ برنج ورنج فرنج؛ برکالہ پرگار تاوہ تابہ؛ پلالک پلارک؛ پرغول بلغور؛ اورنگ افرنگ؛ دارخال دال خال؛ زردزلو؛ وغیرہ۔

بعض اوقات "قلب" کے اصول سے نئے لفظ وجود میں آئے ہیں۔ وہ بھی کچھ عرصے کے بعد زبان کے "اصیل" لفظ شمار ہونے لگتے ہیں، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

پیلغوش پیلگوش پیغلوش؛ تلکو تو کلو؛ کنار کران؛ بو مادران بودرمان؛ اصطرخ اصطخر؛ بلوک پلوک بکول پکول؛ مرغزن مرزغن؛ اورند اروند۔

بعض اوقات مصوتوں کی یا کسی ایک اور حرف کی تبدیلی سے نئے الفاظ کی تشکیل ہو جاتی ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ازغ آزدغ؛ آتزخ اتزخ ازخ؛ اسواوسو؛ آژیر اژیر؛ اقچہ آقچہ؛ آردستان اردستان؛ ارغن ارغنون؛ ارمان ایرمان؛ بلادر بلادور؛ برنوس بردنوس برنوش؛ آموں آموی آمو؛ اشاق وشاق؛ بادخون بادخن بادخانہ بادخوان۔

محرف اور مصحف الفاظ اگرچہ زبان میں رائج ہو چکے ہوتے ہیں، لیکن استعمال ہونے کے باوجود وہ معیاری لفظ قرار نہیں دیے جا سکتے۔ لیکن طویل زمانہ گذر جانے کے بعد ان پر ایسا خول چڑھ جاتا ہے کہ زبان کے اصل لفظوں سے ان کا الگ کرنا نہ صرف دشوار بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن بہرحال وہ زبان میں کھوٹے سکے کے مانند ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ایسے محرف الفاظ زبان سے نکال دیے جائیں۔ ان کے متعلق کیا عمل کیا جائے یہ خود ایک جداگانہ مبحث ہے جو فی الحال ہماری بحث سے خارج ہے۔ البتہ ہم یہ بات ضرور

لہ ہر جگہ "ل" کی "ر" میں تبدیلی درست نہیں ہو سکتی؛ مثلاً "اولنج" بمعنی لبھوڑ ہے جو "موید" میں "اورنج" کی شکل میں آیا ہے؛ صاحب "مدارس" اس کو صاحب "مدید" کی غلطی قرار دیتے ہیں۔

سروری : چرگر سرودگری و مغنی باشد در تحفه ودر فرہنگ نیز بایں معنی آمده شہاب مہمرہ:
زآوای مطرب زدستان چرگر دل من طپان ہمچو ماہیست در بر
وچرگر در نسخهٔ وفائی مفتی باشد یعنی فتوی دہنده
ودر فرہنگ بضم واو وجیم آمده۔

جہانگیری : چرگر اول مفتوح وکاف عجمی مفتوح دو معنی دارد (۱) پیغمبر را نامند
ودر بعض از کتب بمعنی مفتی مرقوم است، حکیم ناصر خسرو فرماید:
برپی شیر دین یزدان شو کز پی چرگرامت است نماز
(۲) مغنی وخنیاگر را گویند، شہاب مہمرہ راست: زآوای مطرب الخ وچرگر،
اول وثانی مضموم وکاف عجمی مفتوح مفتی دین را گویند۔

رشیدی : چرگر بضم مفتی که فتوی حکمی دہد، ناصر خسرو گوید: برپی شیر دین الخ،
وابو الحفص سغدی گوید: بوس ونظرم حلال الخ وبمعنی مغنی یعنی مطرب
نیز گفته اند، شہاب الدین مہمرہ راست: زآوای مطرب الخ. ودور
نیست که قائل ایں بیت مفتی را بہ تصحیف مغنی خوانده باشد واین
بیت مطابق آں گفته چه شعری دیگر باین معنی بنظر نرسیده وتکلف
دریں بیت نیز بمعنی فتوی دہنده توان گفت ...... ودر فرہنگ
بمعنی پیغمبر گفته وشعر ناصر خسرو شاہد آورده۔ وچرگر بفتح واو وجیم وکاف
ہر دو فارسی مفتی ودر فرہنگ بمعنی سرودگو، صحیح چرگر است چنانکه
گذشت وواو عطف را جزو کلمه پنداشته۔

برہان : چرگر بفتح اول بروزن زرگر مغنی وخنیاگر باشد وبضم اول رسول و
پیغمبر گویند ومفتی وپیش نماز، وچرگر بفتح اول وثانی وکاف فارسی
بروزن قلندر بمعنی مفتی وفتوی دہنده باشد چه وچر بمعنی فتوی
دہنده آمده است وپیغمبر ورسول را نیز گویند (باجیم عربی نیز نوشته
ودران معنی پیغمبر نیامده) وچر بفتح اول وثانی بمعنی فتوی باشد و

آن دستور حاکم شرع است در مسائل شرعی۔ (با جیم عربی نوشتہ و دران بحوالہ کنز اللغہ ہمیں معنی نوشتہ)۔

ناصری : چرگر بضم اول بمعنی فتوی دہندہ . . . . . . و در جہانگیری گوید: پیغمبر را گویند ذایں بیت ناصر خسرو را شاہد آوردہ و بایں صورت نوشتہ بر پی الخ، ابو حفص سغدی سمرقندی گوید: بوس و نظرم الخ۔ سروری کاشانی بمعنی مغنی یعنی مطرب نوشتہ و ایں بیت شہاب ہمرہ نسا آوای الخ . . . فقیر مولف گوید اولاً بیت حکیم ناصر خسرو را کہ چرگر خواندہ و پیغمبر فہمیدہ و امت است بتاز را ہم غلط خواندہ، چنان تصور کردہ کہ امت باید در پی پیغمبر بتازد خبط در خبط شدہ است بیت حکیم در دیوان چنیں ثبت است: یزک شیر دین یزدان شو

از پس خر گزافہ اسب متاز

در باب مفتی و مغنی تصحیف خوانی شدہ معنی درست بدست نیامدہ

فرہنگ نظام : وچرگر "مفتی را گویند" جہانگیری، در پہلوی وچر و وچیر بمعنی خواب و بیان و حکم است و وچرگر بمعنی بیان کنندہ و قاضی و مفتی اما استعمالش در فارسی اسلامی بنظر من نرسیدہ . . . ریشہ اس در سنسکرت ویچار است بہمان معانی پہلوی۔

فرہنگ نویسوں کے ان مختلف بیانات کو مختصراً یوں پیش کر سکتے ہیں:

(۱) — چرگر بمعنی (الف) سرودگو، (ب) پیغمبر (ج) مفتی و پیش نماز

(۲) — وچرگر (الف) مفتی (ب) سرودگو

چرگر کے معنی سرودگو فرس میں ہے، اس کی بظاہر بعینہ پیروی سروری نے کی۔ لیکن آخر الذکر کے پیش نظر فرس نہ تھی اس نے تحفۃ السعادۃ سے یہ معنی اخذ کئے۔ اس معنی کی تصدیق ایک گونہ جہانگیری سے ہو گئی اسی لئے سروری نے اس معنی کی توثیق کی۔ صاحب جہانگیری نے دو اور معنی "پیغمبر" اور "مفتی" درج کئے جن کی توثیق صاحب برہان نے بھی ایک

طرح سے کی، رشیدی کو "مفتی" پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن وہ پہلے معنی یعنی مغنی و سرود گو پر اعتراض کرتا ہے۔ جہانگیری میں شہاب مہرہ کے شعر سے اس معنی کی توضیح کی گئی ہے اس سلسلے میں رشیدی میں ہے کہ اس بیت میں "مغنی" بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ صاحب رشیدی کا مزید خیال یہ ہے کہ شہاب نے "چرگر" کے صحیح معنی "مفتی" کو "مغنی" پڑھ لیا اور اس لفظ کی تشریح کے طور پر ایک بیت نظم کر دی۔ صاحب رشیدی مزید کہتا ہے کہ اگر یہ لفظ سرود گو کے معنی میں ہوتا تو کہیں سے اس کی تصدیق ہو جاتی، بظاہر رشیدی کا اعتراض بجا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شہاب مہرہ فرہنگ نگار نہ تھا کہ اس لفظ کے معنی لکھتے وقت اس کے مصحف معنی یعنی مغنی کے لئے خود ایک شعر شاہد نظم کر دیتا (جیسا شمس فخری کے یہاں ہے) اس کا یہ اعتراض بھی کہ کوئی دوسرا شعر شاہد نہیں اس کے مطالعے کی کمی پر دلالت کرتا ہے لغت فرس میں یہی معنی مع شعر شاہد کے موجود ہے:

ہمیشہ دشمن تو سوختہ تو ساختہ بزم

بزم ساختہ رود آختہ دو صد چرگر

نہ صرف شعر شاہد ہی قابل توجہ ہے بلکہ اتنے قدیم لغت میں یہی معنی درج ہونے سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے اور صاحب رشیدی کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے، ناصری نے بھی مغنی کو مفتی کی محرف صورت قرار دی ہے جو میرے نزدیک بوجوہ بالا درست نہیں۔ وہ سروری میں درج شدہ شعر مہرہ کو سروری کی تلاش کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ دراصل جہانگیری نے یہ شعر تلاش کیا تھا، اولیت اسی کو حاصل ہے۔ سروری نے اگرچہ شعر کے سلسلے میں جہانگیری کی فرہنگ کا حوالہ نہیں دیا لیکن معنی نقل کرتے وقت ذکر کیا ہے، اس سے واضح ہے کہ اس نے شعر شاہد جہانگیری سے لیا ہے۔

جہانگیری کے بیان کردہ معنی پیغمبر پر سب سے شدید اعتراض ناصری کو ہے۔ اس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ جس بیت سے جہانگیری نے اس معنی کی تصدیق کرنی چاہی ہے وہ بیت اس کے یہاں غلط درج ہے۔ ناصر خسرو کا دوسرا مصرعہ جہانگیری کے یہاں اس طرح ہے کز پی چرگرامت است تباز۔ یہ دیوان میں اس طور پر آیا ہے: از پس خرگزافہ اسپ متاز۔

پہلے مصرعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسرے مصرعہ کی بھی آخری قرأت درست ہے، جہانگیری کے یہاں یہ غلط درج ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں خرگزافہ ہے، چرگر سرے سے ہے نہیں تو پھر اس سے نہ لفظ کی صحت ہوئی، نہ معنی کی تصدیق۔

صاحب رشیدی نے ناصر خسرو کی بیت کو "مفتی" کا شاہد قرار دیا ہے، جہانگیری کے لکھے ہوئے معنی پیغمبر کا نہیں۔ بہرحال جب اس بیت میں زیر بحث لفظ موجود ہی نہ ہو تو اس کے معنی کا ذکر ہی کیا ہے۔

اب رہا چرگر کے معنی "مفتی" کا معاملہ۔ اس معنی کی تصدیق فرس سے ہوتی ہے اور اس کے یہاں زینبی کا شعر شاہد درج ہوا ہے۔ یہی شعر شاہد جہانگیری اور رشیدی میں بھی نقل ہے۔ مگر ان دونوں نے اس کو ابوحفص سغدی کی طرف منسوب کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ جہانگیری نے اس بیت کو براہ راست فرس سے لیا ہے یا کسی اور ماخذ سے البتہ بظاہر فرس میں اس لفظ کی قرأت میں کاتب کی غلطی کا دخل ہے چرگر کی جگہ وچرگر ہونا چاہیے۔ میرے قیاس کی بنیاد حسب ذیل امور پر ہے:

(۱) صحاح الفرس کے سامنے لغت فرس تھی، اول الذکر میں اس کے اکثر مطالب بعینہ درج ہیں اور اس میں چرگر کے بجائے وچرگر درج ہے اور بیت شاہد میں بھی وچرگر ہی آیا ہے دونوں کے دوسرے مصرعے اس طور پر ہیں:

حجت دارم براین سخن زدو چرگر (فرس)

حجت دارم برین سخن زوچرگر (صحاح)

میرا خیال یہی ہے کہ لفظ کی جو صورت صاحب صحاح نے معین کی ہے، وہ فرس ہی کے کسی نسخے سے منقول ہے۔ اس بنا پر فرس کے موجودہ نسخے کی قرأت مشکوک بلکہ غلط ہے آقای دکتر محمد معین[۱] اور دوسرے ایرانی فضلا نے بھی فرس کے موجودہ قرأت کو غلط بتایا ہے۔

(۲) چرگر میں "گر" پسوند فاعلی ہے، اس بنا پر "چر" کا معنی دار لفظ ہونا ضروری تھا لیکن ایسا نہیں، دراصل وچر ہے، اس کے معنی گزارش، وجارش اور گزارہ کے ہیں ڈاکٹر معین نے برہان کے حاشیہ (ص ۲۵۹۵) میں خردہ اوستا ص ۸، کی رو سے یہی معنی

لکھے ہیں اور خردہ اوستا کے اسی صفحے پر وچر گر بھی درج ہے۔ اس کی اصل کے لئے ہم کو ایران قدیم کی طرف توجہ کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر معین لکھتے ہیں :

"دراوستا VICIRA بمعنی فتوی دہندہ است۔ در فرہنگہا وچر، وچارش وچر گر بمعانی گزارہ یا گزارش (شرح وتفسیر)، وفتوی ودستور وفتویٰ دہندہ یا مفتی ضبط شدہ وبا "چ" نیز آمدہ است وچر کرت دینیک VICəPKəRti Denik نام کتابی است زرتشتیان راکہ درآن از مسائل مختلف دینی بحث شدہ۔۔ جزء اول ایں نام ہمین وچراست ۔ ۔ ۔ ۔ رک پورداود خردہ اوستا ص ۸۷؛ ورک : وچرگر"

صاحب فرہنگ نظام نے پہلوی لفظ وچر، وچیر بمعنی خواب وبیان وحکم کو وچر کا ہم ریشہ بتایا ہے جو بالکل صحیح ہے، سنسکرت لفظ وچار بھی انھیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے ان وجوہ کی بنا پر واضح ہے کہ "وچرگر" لفظ صحیح اور اس کے معنی مفتی بھی بالکل درست ہیں، صاحب رشیدی نے غلط لکھا ہے کہ اس میں (واو) اصل نہیں بلکہ عطف ہے۔ اس غلطی کی بنیاد اس پر ہے کہ فرہنگ نویسوں نے "چرگر" بمعنی مفتی سمجھ لیا جو حقیقتاً غلط ہے۔ دراصل دو لفظ تھے ایک "چرگر" جس کے معنی مغنی دوسرا "وچرگر" جس کے معنی مفتی ہیں۔ ان دونوں معنوں کی صوری مناسبت کی وجہ سے دونوں کی اصل میں خلط ملط ہوگیا۔ وچرگر اور چرگر کے معنی ایک ہی قرار پائے یعنی مفتی ومغنی، مختصر یہ کہ وچرگر الگ ہے جو چرگر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے معنی مفتی کے ہیں اور چرگر کے معنی مغنی کے۔ صاحب جہانگیری نے چرگر کے جو ایک معنی پیغمبر کے لکھے ہیں وہ مزید علیہ ہے۔

صاحب رشیدی نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ فرہنگ جہانگیری میں "وچرگر" کے معنی "سرودگو" لکھا ہے۔ مگر مجھے اس فرہنگ میں "وچرگر" کے یہ معنی نہیں ملے۔ "وچرگر" کے یہ معنی نہ جہانگیری میں ہیں اور نہ کسی اور فرہنگ میں، صاحب رشیدی کی اس غلط فہمی کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔

جشہ، وجشہ

اکثر فرہنگوں میں جشہ بمعنی پیمانۂ روغن آیا ہے، لیکن کم ازکم ایک فرہنگ یعنی دستورالافاضل میں "وجسر" بمعنی پیمانۂ دوغ درج ہے (واضح ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے مصنف نے وجشہ لکھا ہوگا)۔ فرہنگ قواس کے موجودہ نسخے میں یہ لفظ یعنی جشہ ایک اور لفظ تنتش کے ساتھ آیا ہے جو اس کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے لیکن یہ آخری لفظ اس شکل میں کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گذرا۔ عین ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی ہو۔ بہرحال فرہنگ مذکور میں تنتش وجشہ بمعنی پیمانۂ روغن درج ہے، ادات الفضلا، شرفنامہ، جہانگیری، سروری، برہان، رشیدی سب میں جشہ پیمانۂ روغن کے معنی میں ملتا ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ صاحب دستور نے واو عطف کو کلمہ کا جزء قرار دے دیا ہے۔ بظاہر اس کے سامنے فرہنگ قواس تھی جہاں یہ لغت "تنتش" کے ساتھ واو عاطفہ سے پیوست تھا۔ صاحب دستور کی غلط فہمی غالباً اسی نسخہ کی وجہ سے ہوئی۔

ایسی فاحش غلطی کا ایک مشہور اور قدیم لغت میں اس طرح راہ پانا تعجب خیز ضرور ہے دراصل اس غلطی کو کاتب کی طرف منسوب بھی نہیں کرسکتے اس وجہ سے کہ دستورالافاضل حرف تہجی کی ترتیب کے ساتھ ہے اور یہ لفظ حرف "واو" کے ذیل میں بیان ہوا ہے۔

زمو و وزمو :

زمو فرہنگ قواس، شرفنامہ، مویدالفضلا، سروری، جہانگیری، رشیدی، برہان، ناصری وغیرہ میں بمعنی "گل تر و خشک" آیا ہے۔ لیکن ادات کے مسلم یونیورسٹی کے نسخے میں اس طرح ہے وزمو گل خشک و تر و قیل زمو بالزای مضموم و واو فارسی۔ بظاہر اس فرہنگ میں "وزمو" کتابت کی غلطی ہے، اس کے معتبر نسخے میں "زمو" ہی ہوگا البتہ دستورالفضلا میں یہ لفظ حرف "واو" کے ذیل میں نقل ہوا ہے اور بنگال سوسائٹی کے واحد نسخے میں یہ لفظ اس طرح نقل ہے: وزتو کل: تر و خشک۔ اس جگہ واضح طور پر کئی غلطیاں ہوگئی ہیں۔ "تو" یقیناً "مو" تھا، کاتب کے قلم نے سہواً ایسا لکھا۔ "کل" دراصل "گل" ہے جس کا اصل لفظ سے کوئی تعلق نہیں، یہ تر و خشک کا موصوف ہے لیکن بعض وجوہ سے ہم یہ قیاس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں خود مولف کی غلطی ہے۔ اس سلسلے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک اور لفظ "گزنی" ہے جو گل تر و خشک کے معنی میں آیا ہے اور "زمو" کا مترادف ہے۔ دستورالافاضل میں اس کے معنی صرف تر و خشک

دئے ہیں۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ درحقیقت مولف یہاں ایک بڑے سہو سے دوچار ہوا ہے۔ اس کے سامنے فرہنگ قواس ہے جس کی اس نے اپنے دیباچے میں بڑی تعریف کی ہے۔ قواس میں "گزنی" اور "زمو" ایک ساتھ درج ہوئے اس شکل میں: "گزنی وزمو گل تروخشک"۔ میرا قیاس یہ ہے کہ صاحب دستور نے "گزنی" کو تو ٹھیک پڑھا مگر دوسرے لفظ کے تعین میں کئی طرح کی غلطیاں واقع ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں یہ لفظ "زمو" بمعنی "گل تروخشک" ہے۔ صاحب دستور نہ لفظ کی ابتدا اور نہ خاتمے کا تعین کر سکا۔ ایک طرف تو اس نے لفظ واو عطف کو اور دوسری طرف "گل" کو دخل کلمہ سمجھ کر اس نے لفظ کی قرات "وزموگل" قرار دی۔ پھر دونوں لفظوں کو الگ الگ حرف کے ذیل میں بیان کیا "گزنی" کو حرف کاف کے ذیل میں بمعنی تروخشک اور "وزموگل" کو حرف واو کے ذیل میں تروخشک کے معنی میں درج کیا۔ "گزنی" کے معنی میں سے "گل" کے اخراج سے ہم یہ قیاس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ صاحب دستور نے دوسرے کلمہ میں "گل" کو شامل کر کے ان دونوں کے الگ الگ معنی صرف "تروخشک" لکھتے ہیں، یہ نہایت فاحش غلطی ہے جس کو کسی معمولی درجے کے مولف کی طرف منسوب کرنے میں جھجک ہوتی ہے، صاحب دستور تو مشہور مصنف ہے۔ لیکن اس غلطی کے تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ جو مصنف واو عطف کو داخل کلمہ سمجھتا ہے (ظاہر ہے کہ اس لفظ کے واو کے ذیل میں بیان کرنے کی توجیہ اس کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے) اس نے اگر معنی جو کلمہ صفت ہے، اس کے موصوف کو داخل لفظ سمجھ لیا تو زیادہ استعجاب نہیں رہ جاتا۔ یہ بات البتہ قابلِ توجہ ہے کہ بعد کے فرہنگ نویسوں نے دستور کی اس عجیب وغریب غلطی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔

سولک و وشولک:

دستورالافاضل میں واو کے ذیل میں ایک کلمہ "وشولک" بمعنی زردی کشت ہے۔ بظاہر شین منقوطہ کاتب کی غلطی ہے، مولف نے "وسولک" لکھا ہوگا۔ واو کلمہ کا جزء ہے ورنہ حرف واو کے ذیل میں بیان ہونے کا کوئی موقع نہ تھا۔ مگر اس شکل میں یہ لفظ میرے پیش نظر کسی فرہنگ میں نہیں ملتا، فرہنگ قواس میں سیک وسیلک زردی کشت کے

معنی میں آیا ہے۔ اداۃ الفضلا اور بحر الفضائل میں سولک بمعنی زردی کشت درج ہے، شرفنامہ میں ہے: "سوگل زردی کشت کہ آنرا سیلک نیز گویند"۔ موید میں سیک اور سوگک اس معنی میں آیا ہے۔ جہانگیری میں سوکل، اور سولک ہے، سروری میں سوگل سیگل، سوگک، سولک اور سیک، برہان میں سوکک، سولک، سوگل، سیگل، سیگک، سیلک . . . . .

. . . . اور رشیدی میں سوکل، سواک

سولک، سوگل، سیگل کی شکل میں آیا ہے۔ ظاہر ہے اس لفظ میں کثرت سے تصحیفات عمل میں آئے اور اس بنا پر فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اصل کلمہ کیا تھا۔ بہرحال تصحیفات کی یہ تمام شکلیں جو متاخر فرہنگ نویسوں کے یہاں پائی جاتی ہیں یقیناً بے احتیاطی کی دلیل ہیں۔ قدیمی شکلیں سیک، سیلک، سیکک، سولک اور سوکل ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ قواس کی قرأت کو اس کی قدامت کی بنا پر ترجیح ملنا چاہیے، حیرت ہے کہ تصحیفات کی ان متعدد شکلوں میں دستور الافاضل کی بیان کی ہوئی شکل "وسولک" یا "وشولک" کو کوئی جگہ نہ ملی۔ یہ ایسی فاحش غلطی تھی کہ اس کا ارتکاب کسی متاخر فرہنگ نویس نے بھی نہ کیا۔ اگرچہ قطعی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا کہ صاحب دستور کی غلط فہمی کی بنیاد کیا تھی، مگر چونکہ اس کے پیش نظر فرہنگ قواس تھی، اور اس کے علاوہ کوئی دوسری قدیم فرہنگ جس میں یہ لفظ شامل ہو، موجود نہیں (فرس اور صحاح سے یہ لفظ خارج ہے) اس بنا پر اس غلط فہمی کی بنیاد فرہنگ قواس ہی کی عبارت کی غلط خوانی ہوگی۔ لیکن ہمارے نسخے میں "سیک" و"سیلک" ہے اگر "سیلک" کے بجائے "سولک" ہوتا تو پھر ہمارے قیاس کی بنیاد پختہ تر ہو جاتی پھر بھی امکان اسی بات کا ہے کہ قواس کے کسی نسخے میں "سیک" و"سولک" رہا ہوگا اور اسی فقرے کے واو عاطفہ کو صاحب دستور نے جزو کلمہ قرار دیا ہوگا۔ اس طرح سیک کو سین کے ذیل میں اور وسولک کو واو کے تحت بمعنی زردی کشت درج کر دیا گیا۔

فارسی فرہنگوں میں سے یہ چند لفظ یہاں پیش کر دئے گئے ہیں۔ یہ بطور نمونے کے ہیں ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی، جن کے تفصیلی جائزے کے لئے جلدیں درکار ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مواد کی قلت کی وجہ سے ہم اپنے نتیجے پر پوری طرح مطمئن نہیں لیکن جو کچھ نشان دہی ہو جائے وہ بھی غنیمت ہے، ممکن ہے تحقیق کا قدم آگے بڑھے

تو اور فرہنگیں منکشف ہو جائیں اور یہ سود مند کام بڑے اطمینان اور وثوق کے ساتھ آگے بڑھایا جاسکے۔

اس گزارش کا مقصد ان خطوط کی نشان دہی ہے جن پر چل کر ہم اپنی فرہنگوں پر اصولی طور سے نقد و تبصرہ کر سکیں گے فارسی فرہنگوں کے سلسلے میں کام کم ہوا ہے اس بنا پر بھی اس کی ضرورت تھی کہ اس کام کو شروع کر دیا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے رفقا اس اہم ضرورت کا احساس کر کے فرہنگ نویسی کے تنقیدی جائزے کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ یہ کوشش غالب شناسی کے سلسلے میں مفید اقدام ہوگی۔

اِشاریہ

فہرست الفاظ و فقرات جن پر بحث ہوئی ہے

آب چین ۱۲
آبدار ۱۵
آب دہِ دست ۱۵۴
آب زیر کاہ ۱۶
آبشت ۱۸
آبشتگاہ ۱۸
آبشتگہ ۱۸
آبشتن ۱۸
آبشتنگاہ ۱۸
آبشتنگہ ۱۸
آبگاہ ۲۰
آتش برگ ۲۱
آدر ۲۲
آدیش ۲۵
آرنگ ۲۷
آروند ۲۹
آستینہ ۳۰
آسیم ۳۱
آمادن ۳۲
آواز گشتن ۳۴
آوازہ گشتن ۳۴
آوند ۳۵
آونگ ۳۵
آئینہ دار ۳۷
آئینہ وار ۳۷
ارتنگ ۳۹
ارج ۴۴
اسا ۴۵

اشگرف ۴۶
افزار ۴۸
افشار ۴۹
الفاختن ۵۰
الفختن ۵۰
الفخت ۵۰
الفختہ ۵۰
الفغدن ۵۰
الفغدہ ۵۰
انبوذن ۵۲
انکسبہ ۵۴
اویژہ ۵۶

ب

باختر ۵۸
بخش ۶۱
برپروشان ۶۲
برخ ۶۴
برزکار ۶۵
برزگر ۶۵
برزہ ۶۵
برزہ کار ۶۵
برزہ گر ۶۵
برزیگر ۶۵
بسمل ۶۷
بشکوفہ ۶۸
بشنثرہ ۶۹
بشنزہ ۷۰
بشنیزہ ۷۰
بشترہ ۷۰
بشتیرہ ۷۰
بوشاسپ ۷۱
بوسپاس ۷۱
(گوشاسب ۷۱)

پ

پاچایہ ۷۲
پازاچ ۷۳
پادیر ۷۴
پالوایہ ۷۵
پیوگ ۷۶

ت

ترہات ۷۹
تورا ۸۰
تومن ۸۲
تہم ۸۲
تہمتن ۸۳

ش

شغ ۸۵

ج ـ چ

جغد ۸۵
جغبوت ۸۶
جغبت ۸۶
جبغوت ۸۶
چغبوت ۸۶
چغبوب ۸۶
چبغوت ۸۶
جغنت ۸۵
چغنت ۸۵
جولاہ ۸۶
جولہ ۸۶
جولاہہ ۸۶
جولہہ ۸۶
چغریدن ۸۹
چغریدہ ۸۹
جینوَر ۹۲
جینبور ۹۲
جنبور ۹۲
چینور ۹۲

خ

خانہ گیر ۸۸
خرہ ۹۰
خشخانہ ۹۱
خویلہ ۹۱
خنبور ۹۲
خینور ۹۲

د

دالان ۹۴
دالانہ ۹۴
بالان ۹۴
بالانہ ۹۴
دانش ۹۶
داناک ۹۶
درژم ۹۷
دوسانیدن ۹۸
دوسیدن ۹۸
دیماس ۹۸

ر

راستداد ۹۹
راوش ۱۰۰

راہ خفتہ ۱۰۰
رکیدن ۱۰۱
رگیدن ۱۰۱
زکیدن ۱۰۱
ژکیدن ۱۰۱

س۔ش

ساتگین ۱۰۲
ساتگنی ۱۰۲
ساتگی ۱۰۲
ساتگینی ۱۰۲
سرپرست ۱۰۴
سرخاریدن ۱۰۵
سکالش ۱۰۸
سگالش ۱۰۸
شاخل ۱۰۸
شاب ود ۱۰۹
شاب ورد ۱۰۹
شاد ورد ۱۰۹
شارود ۱۰۹
شاہ ورد ۱۰۹
شای ورد ۱۰۹
[illegible]
سیاوش ۱۱۱
شاوور ۱۱۲
شب روان ۱۱۳
شرک ۱۱۵
شش صرف نتیجہ خوب ۱۱۷
شرنگ ۱۱۷
شب گرد ۱۱۹
شکوہ ۱۲۰
شگرد ۱۲۲
شکرد ۱۲۲
شکردن ۱۲۲
شیداسپہبد ۱۲۳
شیرشرزۂ غاب ۱۲۴

غ

غفودہ ۱۲۴
غوش ۱۲۴
غوشا ۱۲۴
غوشاد ۱۲۴
خوشاک ۱۲۴
غوشای ۱۲۴

ف

فراز ۱۲۶
فرجد ۱۳۱
فرنہ ۱۳۲
فریہ ۱۳۲
فسوس ۱۳۳
فسوسیدن ۱۳۳
فغ ۱۳۸
فغستان ۱۳۸
فغاک ۱۳۸
فغفور ۱۳۸
فغفورہ ۱۳۸

ق

قافلہ شد ۱۴۰
قبچاق ۱۴۰

ک

کارگیا ۱۴۱
کشاورز ۱۴۲
کشکول ۱۴۴
کفانہ ۱۴۶
کیان خرہ ۱۴۷
کرگدن ۱۴۸
گذاردن ۱۴۹
گزاردن ۱۴۹
گذارش ۱۴۹
گزارش ۱۴۹
گل شدن ۱۴۹

ل

لگام ۱۵۰

م

مابون ۱۵۰
مارافسا ۱۵۱
مارافسار ۱۵۱
مارافسان ۱۵۱
مارافسای ۱۵۱
مادرندر ۱۵۱
مادندر ۱۵۱
مارندر ۱۵۱
مارسان ۱۵۲
ماہر ۱۵۳
ماہوچی شمہ خضر ۱۵۳
مذ ۱۵۴
مشمشا ۱۵۶
مکس ۱۵۶
مکاس ۱۵۶

مکیس ۱۵۶
منقارقار ۱۵۷
منقارگل ۱۵۷
مہرخم ۱۵۸
مہرجم ۱۵۸
مہرخم ۱۵۸
مہلند ۱۵۸
میامار ۱۵۹
میو ۱۶۰

ن

نابسود ۱۶۱
نابہرہ ۱۶۱
ناغوش ۱۶۳
نافۂ آہو ۱۶۶
نبید ۱۶۷
نپی ۱۷۰
نتباس ۱۷۵
نج ۱۷۷
نجار ۱۷۷
نجت ۱۷۷
نجم ۱۷۷
نجک ۱۷۷
نجند ۱۷۷
نجوان ۱۷۷
نجیر ۱۷۸
نجیل ۱۷۸
نغن ۱۸۲
نغنخلان ۱۸۲
نغنخواد ۱۸۲
نغنخوالان ۱۸۲
نغنخواین ۱۸۲
نلشک ۱۸۴
نوجبہ ۱۸۷
نہاوند ۱۸۸

و

ورتیج ۱۹۰

ہ

ھف ۱۹۳
ہفوش ۱۹۳
ہفہف ۱۹۳
ھلتاک ۱۹۴
ھوس ۱۹۶

ی

یاختن ۲۰۱
یورغ ۲۸۳
(جورغ) ۲۸۳

نام اشخاص

ا

آتبیر ۲۳۷

آتبین ۲۳۷

آذرکیوان ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۴۴، ۲۷۲، ۲۸۳، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۵.

آذری ۲۱۱

آذرہوشنگ ۲۷۹

آذرہوشنگی ۲۱۱

آزاد (محمد حسین) ۲۱۱

آغا احمد علی جہانگیرنگری ۲۷۱

آغا محمد طاہر ۲۱۴

آقای مشکوۃ (رک: محمد مشکوۃ)

ابراہام ۲۳۳

ابراہیم ۲۳۳

ابراہیم بن قوام ۳۰۵، ۳۰۶

ابن سینا (شیخ الرئیس ابوعلی) ۳۲، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۴، ۲۷۶

ابن قتیبہ ۳۲

ابن یمین ۲۳، ۲۴، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۴، ۲۰۶، ۳۱۲، ۳۲۳، ۳۲۵

ابوبکر اجوینی ۱۱۵

ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذی ۳۰۹

ابوالفرج رونی ۴۶

ابوالفرج اصفہانی ۳۲۷

ابوشکور بلخی ۵۱، ۱۲۹، ۱۳۶، ۳۲۰

ابوعبداللہ محمد ۳۱۸

ابوعبید جوزجانی ۲۳۴

ابوالقاسم سمرقندی ۳۰۹

ابومندراسد ۳۲۷

ابونصر فراہی (رک: فراہی) ۳۰۵، ۳۱۱

احمدؐ (رسول اللہؐ) ۲۷۴

احمد آتش (پروفیسر) ۳۰۰، ۳۲۸
احمد کرمانی (شیخ) ۲۴۳، ۲۷۵
ادیب الممالک (میرزا صادق خاں امیری)
۲۳۹، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۷۵
ادیب صابر ۱۷۲، ۱۷۳
اردشیر سوم ھخامنشی ۲۲۶
اردشیر بن دیلم سپار ۳۰۰، ۳۰۹، ۳۲۸
ازرقی ۱۰۳
استیمان ۲۳۷
اسد اللہ خاں (دیکھئے غالب)
اسدی طوسی ۱۴، ۱۹، ۵۹، ۷۱، ۸۲،
۸۵، ۹۳، ۱۳۰، ۱۷۹، ۳۰۳
(نیز دیکھئے لغت فرس اسدی)
اصیل الدین عبداللہ شیرازی ۳۱۰
افراسیاب ۸۰، ۸۱، ۱۱۲
افرام ۲۳۳
افشار (میرزا رضا خاں) ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۷۵
افضل الدین کاشانی ۲۳۴
اکبر بادشاہ ۲۲۸، ۳۵۱
الغ طاغ ۱۴۰
الوس چغتائی ۱۴۱
امیر خسرو ۴۱، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۸۴،
۱۰۶، ۱۱۲، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۶،
۱۹۱، ۲۹۱
امیر خلف سیستانی ۸۱
امیر کبیر ۳۱۸
انجوے شیرازی (دیکھئے جمال الدین حسین)
انوری ۱۸، ۵۴، ۹۲، ۱۱۹، ۱۲۰،
۱۳۰، ۱۳۷، ۱۴۵، ۱۷۴، ۲۰۰،
۲۰۲، ۲۰۴، ۳۱۵، ۳۲۹، ۳۲۵
انوشیروان، رک: نوشیروان
اوحدی ۹۸
ایلک ماضی ۸۱
اینھونی ٹرویر ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۳۲

ب

باتو ۱۴۰، ۱۴۱
بایفکی (س۔ الف) ۵، ۹۴، ۳۵۲
بخاری (شاعر) ۲۷
بدر ابراہیم ۳۰۴
برٹش میوزیم کوارٹرلی ۶
برمزید سور ۷
بشار مرغزی ۳۱۹
بلاخمن ۳۵۱
بوسعید ۳۲۳

بوسلیک (شاعر) ۱۹۱
بہار (ملک الشعرا) ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۸،
۲۴۳، ۲۷۵، ۲۷۶
بہمن بن گشتاسب ۸۵
بیانی (مہدی) ۳۰۹
بیرونی (ابوریحان) ۲۳۴، ۲۴۴، ۲۷۶
بیہقی (ابوالفضل) ۱۰۳، ۱۶۳، ۲۰۷

پ

پال ہورن ۶۳، ۳۰۲
پرسیدوم (فریدون) ۲۳۷
پشنگ ۸۰، ۸۱
پورداود ۹۳، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۵،
۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۹، ۲۴۰،
۲۴۳، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸
پیغمبر اسلامؐ ۲۷۴

ت

تخمورد ۲۳۷
تور ۸۰، ۸۱
تہمتن (رستم) ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵
تہمورس ۲۳۷

ج

جامی (پوربہای) ۱۶۱
جامی (عبدالرحمٰن) ۱۶۵، ۳۱۰، ۳۱۱
جان مالکم (سر) ۲۱۴، ۲۳۳
جان ولسن ۲۲۱
جرمشار (جمشید) ۲۳۷
جمال الدین اصفہانی ۱۷۵
جمال الدین حسین انجوے شیرازی ۹۳،
۲۰۷، ۲۵۴، ۲۵۵، ۳۴۹،
(رک : انجوے شیرازی)
جم ۱۶۶
جمشید ۹۱، ۱۶۶، ۲۳۷
جمشید کاشی ۳۰۹
جوجی ۱۴۰، ۱۴۱
جی افرام ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸،
۲۲۹، ۲۳۰، ۲۷۸، ۲۷۹

چ

چنگیز خاں ۸۱، ۱۴۰
چنگرنگ چیہ ۲۲۱

ح

حافظ شیرازی ۲۳، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۶۹،

۲۴۴ ، ۲۷۶ ، ۳۱۲ ، ۳۱۵ ،
۳۲۵ ، ۳۳۰
حبیب الرحمن خاں شروانی ۱۹۹
حبیبی (عبدالحی) ۳۰۰
حجاج بن یوسف ۲۸۹
حسین انصاری ۵
حکمت (علی اصغر) ۲۴۰
حسین ثنائی ۲۱
حنظلۂ بادغیسی ۲۲۶

خ

خاقانی ۱۸ ، ۴۲ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۶ ،
۹۱ ، ۱۰۵ ، ۱۰۹ ، ۱۱۹
خان آرزو ۲ ، ۳۳ ، ۱۵۶
خسرو (رک : امیر خسرو)
خسروانی (شاعر) ۱۷۵ ، ۳۲۰
خسرو پرویز ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۷۱ ، ۲۲۴ ،
۲۲۷ ، ۲۳۱
خلخانی (سید عبدالرحیم) ۳۳۰
خلف تبریزی ۸۲
خواجہ بہاء الدین نقش بند ۳۱۰
خواجہ محمد پارسا ۳۰۹

د

دارا (شہنشاہ) ۲۲۱ ، ۲۹۰
داراب ۲۳۷
دانش (حکیم تخلص) ۲۴۲ ، ۲۵۱ ،
۲۷۴
دبیر سیاقی ۷ ، ۱۷۹ ، ۳۰۲
دقیقی ۶۲ ، ۶۳ ، ۸۳ ، ۱۹۲
دوانی (جلال الدین) ۱۴۷

ڈ

ڈل برگ ۲۱۳
ڈنکن ۲۱۴
ڈیوٹشی ۲۱۳

ر

رادویانی (محمد بن عمر) ۳۰۹ ، ۳۲۸
رحمت اللہ خاں (نواب) ۳۳۱
رحیم بیگ ۲۷۱
رستم ۳۹ ، ۸۳ ، ۸۴ ، ۸۵
(رک : تہمتن)
رشید وطواط ۲۳ ، ۳۱۲ ، ۳۱۴ ، ۳۱۵
رشیدی (عبدالرشید تتوی) ۳۵ ، ۳۵۵
رودکی ۲۸ ، ۲۹ ، ۵۵ ، ۵۹ ، ۷۶ ،

۱۱۸ ، ۱۵۲ ، ۱۶۳ ، ۱۶۴ ،
۱۶۵ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸

ز

زبلہ (ابومنصور) ۲۳۴
زراشت بہرام ۵۷ ، ۷۱
زرتشت ۲۲۱ ، ۲۲۸ ، ۲۳۰ ، ۲۳۷،
۲۷۷
زمخشری (جاراللہ) ۳۶ ، ۳۸ ، ۶۶،
۷۹ ، ۸۹ ، ۱۱۴، ۱۲۰، ۱۳۵
زیلگمان ۳۰۰
زین العابدین (حاجی) ۲۴۳، ۲۵۱ ،
۲۷۵

س

ساسان ۲۸۵
ساسان اوّل ۲۲۴
ساسان پنجم ۲۹ ، ۶۸ ، ۹۹ ، ۱۷۱،
۱۷۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ، ۲۲۴ ،
۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ، ۲۳۰ ،
۲۳۲ ، ۲۸۴ ، ۲۸۹
سامانی (لغت نویس) ۱۴ ، ۲۹ ، ۳۲
سامری ۷۵
سپہر ۲۴۳ ، ۲۵۱ ، ۲۷۵
سراج الدین راجی ۹۵ ، ۱۰۱
سروری (محمد قاسم) ۳۰۵ (رک :
فرہنگ سروری)
سروش ۲۴۳ ، ۲۱۵
سعادت علی (سید) ۲۷۱
سعدی (شیخ) ۲۵ ، ۴۱ ، ۱۰۶ ،
۱۰۷ ، ۱۲۱ ، ۱۲۷ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰،
۱۶۹ ، ۲۲۴ ، ۲۷۶
سکندرِ اعظم ۲۱۱ ، ۲۲۱ ، ۲۲۸ ،
۲۳۷ ، ۲۴۰
سلمان ساوجی ۸۸ ، ۱۸۴، ۳۱۲
سلجوق ۸۰
سلوسترے ڈی سیسی ۲۱۸ ، ۲۲۰،
۲۳۲
سمیہ ۳۲۷
سنائی (حکیم) ۱۵ ، ۲۷ ، ۴۹ ،
۵۱ ، ۸۷ ، ۱۳۲ ، ۱۷۲ ، ۲۰۶،
۳۲۲
سنگلاخ (میرزا) ۲۴۳ ، ۲۵۱، ۲۷۵
سودابہ ۱۱۱ ، ۱۱۲
سوزنی (حکیم) ۳۵ ، ۴۳ ، ۴۴ ، ۵۰،
۷۳ ، ۷۴ ، ۱۱۱ ، ۱۳۳ ، ۱۶۰،

۱۶۹ ، ۱۷۴ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ ، ۱۸۳ ، ۲۳۷
سیامر ۲۳۳ ، ۲۳۷
سیامک ۲۳۳ ، ۲۳۷
سیاوش ۱۱۱ ، ۱۱۲
سیف اسفرنگ ۴۰ ، ۴۳ ، ۱۴۵
سیم کندیش (سکندر) ۲۳۷

ش

شاپور ۱۱۲
شاوور ۱۱۲
شاہ عباس ۲۲۴
شیائے کلیو ۲۲۵ ، ۲۲۸ ، ۲۲۹ ، ۲۷۸ ، ۲۷۹
شرف الدین علی یزدی ۳۰۲ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲
شرف شفروہ ۲۸ ، ۴۰
شمس فخری ۴۱ ، ۶۲ ، ۷۵ ، ۸۴ ، ۹۵ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۶۴ ، ۱۶۵ ، ۱۶۶ ، ۱۷۸ ، ۳۰۴ ، ۲۵۴ ، ۳۵۵
شمس قیس رازی ۳۰۷ ، ۳۱۲
شہاب الدین کرمانی (حکیم) ۳۰۵
شہید بلخی ۱۷۴
شہید قمی ۲۱
شیبانی (فتح اللہ) ۲۳۹ ، ۲۴۳ ، ۲۵۱ ، ۲۷۴
شیر شاہ ۷
شیرانی ۵
شیریں ۱۱۲

ص

صاحب برہان (مولف برہان قاطع) تقریباً ہر صفحہ ، (نیز رک : محمد حسین بن خلف تبریزی)
صاحب عالم مارہروی ۲۹۸
صمدانی (سید) ۳۰۰ ، ۳۰۸ ، ۳۲۸

ض

ضیاء الدین ڈیسائی (ڈاکٹر) ۸۲
ضیاء الدین یوسف (پسر جامی) ۳۱۰

ط

طارق حسن (سید) ۶ ، ۳۵۳
طبری (محمد بن جریر) ۳۲۷
طرطری (حکیم) ۱۹۱
طغرل ۸۰

طیان ۹۶

ظ

ظہوری ۱۷ ، ۱۰۱ ، ۱۴۰
ظہیر فاریابی ۲۸ ، ۱۱۸ ، ۳۱۲

ع

عباد بن زیاد ۳۲۷
عباس اقبال ۱۷۸ ، ۳۰۳
عبدالرحیم سوز ۶
عبدالستار صدیقی (ڈاکٹر) ۲۲ ، ۳۰۲ ،
۳۱۲ ، ۳۳۰
عبدالصمد (ہرمزد) ۲۲ ، ۳۰ ، ۴۷ ،
۱۵۵ ، ۲۹۹
عبداللہ قطب شاہ ۱ ، ۲۴۵
عبدالواسع جبلی ۳۱۳
عبید زاکانی ۱۶۹
عبیداللہ بن زیاد ۳۲۷
عثمان مختاری ۳۲۳ (رسک: مختاری)
عسجدی ۱۹
عطار نیشاپوری ۴۴ ، ۹۸ ، ۱۳۰ ،
۳۲۳ ، ۳۲۴ ، ۳۳۶
عطاراللہ ۳۱۱
عفیفی (ڈاکٹر) ۱۰۸ ، ۱۷۳ ، ۲۰۵
علی بن حسین ۵
عمید لوبکی ۳۶ ، ۱۱۹ ، ۱۸۰
عنصری (حکیم) ۵۸ ، ۷۵ ، ۷۹ ،
۹۵ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷
عیسیٰ (حضرت) ۲۲۴ ، ۲۲۶

غ

غالب (تقریباً کتاب کے ہر صفحہ پر)
غزالی مشہدی ۲۱

ف

فان ہیمر ۲۱۴ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳
فخر گرگانی ۳۴ ، ۳۵ ، ۱۷۰
فرخی سیستانی (حکیم) ۳۹ ، ۴۲ ، ۶۰ ،
۱۰۳ ، ۱۱۱ ، ۱۲۹ ، ۱۳۳ ، ۱۶۹ ،
۱۷۴ ، ۳۲۸
فردوسی (حکیم) ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۶ ، ۲۳ ،
۳۶ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۸ ،
۶۹ ، ۷۱ ، ۸۳ ، ۹۹ ، ۱۰۱ ،
۱۰۲ ، ۱۰۴ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۱۸ ،
۱۲۲ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۵۲ ، ۱۶۱ ،
۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶

فرحت شیرازی (فرصت الدولہ) ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۷۴
فرقدی (حکیم علی) ۲۳۷
فروغی ۲۴۳، ۲۷۵
فرنگیس ۱۱۲
فریدون ۸۰، ۲۳۷

ق

قاآنی (حکیم) ۲۴۳، ۲۷۵
قابوس ۱۹۱
قاضی عبدالودود ۷، ۹، ۲۲، ۲۱۲، ۲۴۵، ۳۰۲، ۳۱۲
قدرخاں ۸۰، ۸۱
قدرت نقوی ۳۰۲، ۳۲۷
قریع الدہر ۱۹
قزوینی (میرزا محمد) ۳۱۳، ۳۲۷، ۳۳۰
قطران تبریزی ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۱

ک

کاظم امام ۱۳۵
کسائی مروزی ۳۱۹
کسروی (احمد) ۱۸۹
کمال اسماعیل ۲۸، ۱۲۸، ۲۵۲، ۲۷۳، ۳۰۱
کیکاؤس ۷۱
کیخسرو ۱۱۲، ۲۳۷
کیلاسرو (کیخسرو) ۲۳۷

گ

گالڈوِن ۲۱۵

ل

لارڈ ہیسٹنگز ۲۱۴، ۲۳۳
لامعی گرگانی ۵۸، ۵۹
لیبی ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵

م

ماریہ بلقیس (ڈاکٹر) ۶
مانی ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۱۱۳، ۲۲۴، ۳۴۲
محمدؐ ۲۲۴، ۲۷۴، ۳۲۸ (رک: مصطفےٰ)
محمد حسین بن خلف تبریزی ۱، ۸۱، ۸۲، ۹۶، ۹۷، ۲۱۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۷، ۲۴۵، ۲۵۴، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۹۶ (رک: صاحبِ برہان)
محمد شاہ ۲۴۳، ۲۷۵

محمد مشکوة ۷، ۲۳۴

محمد معین (ڈاکٹر) ۱، ۳، ۳۲، ۴۷، ۶۳، ۶۴، ۸۱، ۹۳، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۶، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۰۱

محمد عباسی ۷

محمد بن لاد ۳۶

محمد بن مسعود بن عبداللہ قاری ۳۳۰

محمد بن ھمام ۳۰۰

محسن فانی ۲۱۲

محمود غزنوی ۸۰، ۸۱

محمود بن محمد ۳۳۱

مختاری (رک : عثمان مختاری)

مزدک ۲۲۴

مسعود سعد سلمان ۶۰، ۶۱، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۶

مصطفیٰ ۶۳، ۶۴ (رک : محمدؐ)

معزی (امیر) ۵۹، ۱۳۳

معین الدین ہروی ۳۱۰

مکتبی ۲۷

ملّا فیروز ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۳، ۲۷۴، ۲۷۷

ملّا موبد شاہ ۲۱۱

ملک شاہ سلجوقی ۸۰

منجیک ترمذی ۳۳

منصور شیرازی ۲۸، ۷۴

منوچہری دامغانی ۲۷، ۱۰۳، ۱۳۰، ۱۷۳

موسیٰ (حضرت) ۱۱۰، ۱۱۱

مولوی معنوی ۱۷، ۲۷، ۴۴، ۴۸، ۹۰، ۱۰۶، ۱۲۱، ۱۳۰، ۱۴۲

مہ آباد ۲۱۶، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۷۴، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۹۴

میاں داد سیاح ۱۲۷

میدھوراڈی۔جی ۲۱۴

میروزاد ۲۳۷

مینوچہر ۲۳۷

ن

ناصر خسرو ۵۱ ، ۵۲ ، ۶۱ ، ۶۵ ، ۶۶
۱۰۳ ، ۱۲۴ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ ،
۱۳۷ ، ۱۴۴ ، ۱۷۳ ، ۲۳۴
ناصر الدین شاہ قاچار ۲۴۳
ناظم الاطبا ۲۴۳ ، ۲۵۱ ، ۲۷۵
نائینی (جلالی) ۳۱۳
نجم الدین سمنانی ۱۵۹
نخجوانی ۸۵ ، ۱۰۲
نذیر احمد (پروفیسر) ۳۱۳
نصیر الدین طوسی (محقق طوسی) ۲۹۸ ،
۳۱۰
نظامی گنجوی ۲۵ ، ۳۳ ، ۳۹ ، ۴۱ ،
۵۹ ، ۱۰۴ ، ۱۱۲ ، ۱۲۶ ، ۱۵۷ ،
۱۵۸ ، ۲۰۰ ، ۲۰۲ ، ۳۱۷
نفیسی ۱۸۸ ، ۲۳۴ ، ۳۱۹
نمرود ۳۲۱
نوح (حضرت) ۱۸۹
نور الحسن انصاری (ڈاکٹر) ۳۰۵
نور الدین محمد (خواجہ) ۳۳۱
نورس (مسٹر) ۲۱۸ ، ۲۲۱
نول کشور ۸

و

وحید دستگردی ۱۱۳
وشمگیر (رک : قابوس)
ولیم ارسکین ۲۲۰ ، ۲۲۱ ، ۲۳۲ ، ۲۷۲
ولیم جونس ۲۱۴ ، ۲۶۶ ، ۲۱۷
ولیم فان شلیگل ۲۲۱
ویاس ۲۲۱

ھ

ہدایت (رضا قلی خاں) ۱۶۵ ، ۲۴۲ ،
۲۵۱ ، ۲۷۳ ، ۲۷۴
ہرتوشاد (زرتشت) ۲۳۷
ہرس فتماد (اسپیتمان) ۲۳۷
ہندوشاہ ۴۰ ، ۴۳
ہورشار (ہوشنگ) ۲۳۷
ہوشنگ ۲۳۷

ی

یزدان ۲۳۷
یزید ۳۲۷
یزید بن مفرغ ۳۲۷
یغما ۲۴۳ ، ۲۷۵
یوسف عروضی ۱۲۴ ، ۱۲۵
یہود ۳۲۱

نام کتب

آئین ہوشنگ ۲۲۲ ، ۲۷۶
اختیارات بدیعی ۵
آجکل (رسالہ) ۳۲۰
ادادت الفضلا (فرہنگ) ۵ ، ۱۹ ، ۳۱ ،
۳۷ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۵۵ ، ۶۴ ،
۸۳ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۹۵ ، ۱۱۷ ،
۱۱۸ ، ۱۲۱ ، ۱۲۵ ، ۱۲۸ ، ۱۳۸ ،
۱۴۰ ، ۱۴۲ ، ۱۵۴ ، ۱۵۸ ، ۱۸۰ ،
۱۸۸ ، ۳۵۱ بعد تقریباً ہر صفحہ
ارتنگ (مانوی) ۳۴۲
ارمغان علمی ۳۰۰ ، ۳۰۲ ، ۳۰۹
اسٹنگاس (فرہنگ انگلیسی) ۲۳۶
اسکندرنامہ نظامی ۱۴۳ (رک : سکندرنامہ)
اقرب الموارد ۱۷۹
امتحان الفضلا (رک : تذکرۃ الخطاطین)
انجمن آرائے ناصری (فرہنگ) ۸ ، ۱۰۴ ،
۱۶۲ ، ۱۶۵ ، ۱۸۱ ، ۱۸۹ ، ۲۴۰ ،
۲۴۲ ، ۲۴۸ ، ۲۵۱ ، ۲۷۳ ، ۲۷۴ ،
۲۷۸ ، ۳۵۲ بعد تقریباً ہر صفحہ
اوستا ۳۱ ، ۶۸ ، ۹۲ ، ۱۵۵ ، ۱۷۱ ،
۱۷۲ ، ۲۲۹ ، ۲۳۰ ، ۲۲۹ ، ۲۳۰ ،
۲۳۹ ، ۲۵۴ ، ۲۹۱
ایران امروز (مجلہ) ۲۲۴

ب

بحر الفضائل (فرہنگ) ۵ ، ۳۶ ، ۴۰ ،
۶۵ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۸۳ ، ۱۱۸ ، ۱۲۸ ،
۱۴۳ ، ۱۵۷ ، ۳۵۱ بعد اکثر صفحات
برہان جامع ۲۴۳ ، ۲۷۵
برہان قاطع ۱ ، ۲ ، ۵ ، ۸ ، ۱۱ ، ۱۲ ،
۱۳ ، ۱۸ ، ۲۱ ، ۲۶ ، ۲۸ ، ۳۳ ،
۳۷ ، ۴۲ ، ۴۴ ، ۴۶ ، ۴۹ ، ۱۳۳ ،
۲۱۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۴ ، ۲۲۶ ، ۲۳۹ ،
۲۴۰ ، ۲۴۲ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶ ، ۲۷۱ ،

۲۷۲ ، ۲۷۳ ، ۲۷۶ ، ۲۷۷ ، ۲۷۸ ،
۲۸۰ ، ۲۸۳ ، ۲۸۴ ، ۲۸۶ ، ۲۸۷ ،
تا ۲۹۵ ، ۳۰۱ ، ۳۵۲ تا آخر کتاب
برگزیدہ شعر فارسی ۳۱۹
بستان السیاحۃ ۲۴۳ ، ۲۵۱ ، ۲۷۵
بمبئی لٹریری سوسائٹی جرنل ۲۷۲
بندہشن ۷۲
بہار عجم ۸
بیان الادیان ۴۳
بیست مقالۂ قزوینی ۳۰۰ ، ۳۲۷

پ

پارسی ریلجن ۲۱۸ ، ۲۲۹
پروز نگارش ۲۴۳ ، ۲۵۱ ، ۲۷۵
پنج آہنگ ۲۸۴ ، ۲۹۳ ، ۲۹۴
پیمان فرہنگ ۲۴۱ ، ۲۷۹

ت

تاریخ بلعمی ۱۷۵
تاریخ بیہقی ۸۱ ، ۸۲
تاریخ سیستان ۶۱ ، ۲۰۷
تاریخ طبرستان ۸۲
تاریخ کبیر طبری ۳۲۰ ، ۳۲۷
تاریخ گزیدہ ۳۱۲
تاریخ محمود شاہی ۳۰۵
تبیان نافع ۲۷۲
تحفۃ السعادۃ ۶ ، ۱۹ ، ۵۹ ، ۱۲۴
تذکرۃ الخطاطین ۲۴۳ ، ۲۵۱ ، ۲۷۵
ترجمان البلاغۃ ۳۰۰ ، ۳۰۹ ، ۳۲۸ ، ۳۲۹
ترجمۂ دساتیر ۱۷۱ ، ۱۷۲ ، ۲۸۹
ترجمۂ دساتیر (انگریزی) ۲۲۵
ترجمۂ دبستان المذاہب ۲۱۵ ، ۲۲۰ ،
۲۲۱ ، ۲۷۲
تقویم البلدان ۱۸۹
تیغ تیز (رسالہ) ۲۵۲ ، ۲۷۲ ، ۲۸۸
تیغ تیز تر (رسالہ) ۲۷۲

ج

جاموس ۸۷
جرنل ایشیاٹک سوسائٹی ۳۵۱

چ

چراغِ ہدایت ۸
چہار چمن ۲۲۲ ، ۲۲۳ ، ۲۷۶
چہار مقالہ ۱۸۲

ح

حدایق السحر ۲۳، ۳۱۲
حدود العالم ۱۴۱
حدیقۂ سنائی ۲۰۷
حکمت اشراق ۱۴۸

خ

خدائی نامک ۲۲۸
خردہ اوستا ۶۱

د

دافع ہزیان (رسالہ) ۲۷۱
دانشنامۂ علائی ۲۳۴
دبستان المذاہب ۲۱۱ ـ ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۳
درفش کادیانی ۲۵۲، ۲۹۹
دساتیر ۲، ۲۹، ۳۰، ۵۷، ۶۸، ۸۰، ۹۸، ۹۹، ۱۳۲، ۱۷۱، ۱۷۲، ۲۱۱ ـ ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۷۲ ـ ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۹۲ ـ ۲۹۵، ۳۰۱
دستور الاخوان ۷۹، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۴۸، ۱۵۲ تا ۱۵۷
دستور الافاضل ۴، ۳۱، ۳۶، ۴۰، ۴۲، ۶۳، ۶۵، ۷۲، ۷۳، ۷۷، ۱۰۰، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۸۸، ۱۹۲، ۲۴۷، ۲۴۸، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷ ببعد
دستنبو ۲۸۴، ۲۹۵
دستور اللغۃ ۱۷۹
دیوان ابن یمین ۲۰۷
دیوان خاقانی ۳۱۸
دیوان فرخی ۳۱۸
دیوان لامعی گرگانی ۱۷۴
دیوان منوچہری ۱۳۷، ۱۷۴

ذ

ذخیرۂ خوارزم شاہی ۱۱۶، ۱۷۶، ۲۰۶

ر

راحۃ الصدور ۲۰۷
رسالۂ رگ شناسی ۲۳۴
رسالۂ سوالات عبدالکریم ۲۷۱

رسالۂ فرقۂ آذر کیوان ۲۷۲

رسالۂ فقۂ حنفی ۳۰۹

رسالۂ میرزا ۷۵

ز

زفان گویا (فرہنگ) ۵، ۱۹، ۳۳، ۳۷، ۴۲، ۵۲، ۵۵، ۵۸، ۶۵، ۷۲، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۷۸

س

ساطع برہان ۲۷۱

سالارنامہ ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۷۵

سامی فی الاسامی ۷۲، ۱۷۹

سبک شناسی ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۷۶، ۲۷۷

سخندان فارس ۲۱۱

سراج اللغۃ ۳۴۹

سرمۂ سلیمانی ۳، ۷۷، ۱۸۲، ۱۸۳

سفرنگ ۲۲۵، ۲۳۲

سکندری ۱۲۲ (نیز دیکھئے تحفۃ السعادہ)

سلسلۃ الذہب ۳۱۰

ش

شارستان ۲۲۲، ۲۷۶

شاستر ۲۲۱

شاہ نامہ ۶۹، ۸۴، ۲۲۸، ۲۷۴،

شرح ہیاکل ۱۴۸

شرح تعرف ۳۰۰، ۳۰۸، ۳۲۸

شرفنامۂ نظامی ۳۱۷

شرفنامۂ منیری (فرہنگ) ۳، ۶، ۱۸، ۲۶، ۳۱، ۳۴، ۴۱، ۴۵، ۵۳، ۵۵، ۵۹، ۷۷، ۸۶، ۱۰۴، ۱۱۶، ۱۳۸، ۱۴۴، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۵، ۳۰۵، ۳۵۶، ۳۵۸،

شمشیر تیز تر (رسالہ) ۲۷۲

ص

صحاح الادویہ ۳، ۵، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴

صحاح الفرس ۴، ۱۹، ۲۸، ۳۵، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۵۲، ۵۳، ۵۸، ۶۵، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۸۳، ۸۵، ۸۶، ۹۳، ۹۵، ۹۶، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۸، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۷۵، ۹۸۸، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۲، ۲۴۸، ۳۰۴، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۷ ببعد

صحیفہ (مجلہ) ۳۰۲

صحیفۂ زرتشت ۲۲۱ (نیز دیکھئے اوستا)

ط

طبقات ناصری ۸۱
طبقات الشعرا (ابن قتیبہ) ۳۲۷
طبری (دیکھئے تاریخ طبری)

غ

غیاث اللغات ۸، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۶۲،
۱۷۹، ۱۸۹، ۲۱۶،

ف

فارسی نغز ۲۴۰
فرنود سار ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۷۵
فرہنگ آنند راج ۸، ۱۲۳، ۱۲۶،
۱۴۶، ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۷۹، ۱۸۱،
۱۸۲، ۱۸۹، ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۷،
۳۵۸ ببعد
فرہنگ اوبہی ۱۶۵
فرہنگ ایران باستان ۲۲۴، ۲۳۷،
۲۷۲، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۵
فرہنگ انجمن آرائے ناصری (دیکھئے انجمن
آرائے ناصری)
فرہنگ بشیرخانی (صح شیرخانی) ۷
فرہنگ جہانگیری ۲، ۳، ۷، ۱۳، ۱۵،
۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۴ـ۲۶، ۲۸،
۳۱، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۴، ۴۶،
۴۹ـ۵۳، ۵۷، ۶۲، ۶۴،
۶۵، ۶۷، ۶۹ـ۷۱، ۷۳ـ۷۵،
۷۷ـ۸۰، ۸۴، ۸۶، ۸۷، ۹۵ـ
۹۷، ۹۹، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۱ـ۱۲۵،
۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۲ـ
۱۵۴، ۱۵۷ـ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۹،
۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۶ـ۲۰۳ اسی
طرح تا آخر کتاب۔
فرہنگ دساتیر ۱۳۲، ۲۸۰، ۲۸۶، ۲۸۸،
۲۹۰ـ۲۹۵
فرہنگ رشیدی ۷، ۱۳ـ۱۹، ۲۴ـ۲۶،
۲۹، ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۳۸، ۴۲ـ
۴۴، ۴۷، ۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۳،
۵۵، ۶۳، ۶۵ـ۶۷، ۶۹ـ۷۱،
۷۴، ۷۵، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۹۰ـ
۹۲، ۹۵ـ۹۷، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۸،
۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۶ـ
۱۳۹، ۱۴۲ تا ۲۰۵ بحذف یک
دو صفحہ، واز ۲۵۲ تا آخر کتاب

فرہنگ سروری ۳، ۱۴، ۱۸، ۲۶، ۲۹،
۳۱، ۳۶، ۴۱، ۴۶، ۴۷ـ ۵۳،
۵۵، ۵۹، ۶۱، ۶۴، ۶۵، ۶۶،
۷۰، ۷۴ـ ۷۶، ۷۸، ۸۴، ۸۶،
۸۹، ۹۱، ۹۵ـ ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۰۸ تا
۲۰۵ واز ۲۵۲ تا آخر کتاب بحذف
یک دو صفحہ
فرہنگ شاہ نامہ ۱۴۳
فرہنگ شیرخانی ۷
فرہنگ قواس ۴، ۱۹، ۳۱، ۳۷، ۳۹،
۶۳، ۶۵، ۷۲ـ ۷۶، ۸۶، ۹۳،
۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۰،
۱۳۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۸۵،
۱۸۷، ۱۸۸، ۲۴۷، ۲۴۸، ۳۵۱،
۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۵۸ تا
آخر کتاب بحذف یک دو صفحہ
فرہنگ منظومہ ۸۵
فرہنگ ناصری (رک: انجمن آرائے ناصری)
فرہنگ معین ۸، ۱۳، ۱۶، ۱۸ـ ۲۰،
۲۷، ۲۹ـ ۳۱، ۳۴، ۳۷، ۳۹،
۴۲، ۴۷، ۵۰، ۵۷، ۶۶ـ ۶۸،
۷۱، ۸۱، ۸۵، ۸۹ـ ۹۱، ۱۰۸،
۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۸،
۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۴۷،
۱۴۹، ۱۵۰
فرہنگ نظام ۲، ۸، ۱۴، ۲۰، ۲۱، ۲۶،
۲۹، ۳۴، ۴۵، ۴۷، ۴۹، ۵۲،
۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۸ـ
۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۶ـ ۱۸۸،
۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۲، ۳۴۹،
۳۵۲، ۳۵۴، ۳۵۵ تا آخر کتاب
فرہنگ معین ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۷،
۱۷۰، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۴،
۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶
فکر و نظر (مجلہ) ۲۷۲، ۲۹۴

ق

قابوس نامہ ۱۹۱
قاطع برہان ۱، ۵، ۸، ۹، ۱۲، ۵۰،
۵۶، ۱۳۱، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۶۲، ۱۶۳،
۱۷۹، ۲۴۵، ۲۷۱ـ ۲۷۳، ۲۸۵،
۲۹۹
قانون ۳۲
قران السعدین ۱۳۱
قصۂ حیّ بن یقظان ۱۳۴
قنیہ ۳۶، ۱۵۴

ک

کتاب الاغانی ۳۲۷
کتاب الابنیه ۳۰۰، ۳۲۸
کشف الاسرار ۲۰۵
کشف الغات ۲۰،۶، ۳۴، ۳۵
کشف المحجوب ۲۰۰
کلیله و دمنه ۱۶۳، ۳۳۰
کیمیاے سعادت ۲۰۶

گ

گرشاسپ نامه ۱۶۹
گنج دانش ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۷۴
گنجینهٔ گنجوی ۱۵۷

ل

لباب الالباب ۳۱۸، ۳۲۰
لسان الشعراء ۱۹، ۵۶، ۷۲، ۷۷
لطایف غیبی ۱۲۷، ۲۷۱
لغات کشوری ۱۶۲
لغت فرس اسدی ۴، ۳۹، ۶۳، ۷۲، ۷۵، ۷۶، ۸۶، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۳۹، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۸، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۵، ۲۰۳، ۲۵۱، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۲۸، ۳۴۸، ۳۵۱، ۳۵۳، ۳۵۷ تا آخر کتاب
لغت نامهٔ دہخدا ۸، ۲۱، ۲۶، ۲۹ — ۳۱، ۳۴، ۳۷، ۳۹، ۴۳، ۵۷، ۶۰، ۶۸، ۸۲، ۹۰، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۲۶، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۸، ۲۸۷

م

ماتیکان ہزار داتستان ۲۲۷
مثمر ۱۵۶
مجلهٔ دانشکدهٔ ادبیات ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۷۲، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۷، ۲۹۱
مجلهٔ علوم اسلامیه (علی گڑھ) ۲۳۶، ۳۳۰
مجمع الفرس (رک : فرہنگ سروری)
مجمع الفصحا ۲۴۲، ۲۴۳
مجمل التواریخ (والقصص) ۸۲
مجموعهٔ لطایف وسفینهٔ ظرایف ۱۸۰

محرق قاطع برہان ۲۷۱
محیط اعظم ۱۸۶
مخزن (رسالہ) ۵
مدار الافاضل (فرہنگ) ۱۵، ۳۱، ۳۶، ۵۴، ۶۴، ۶۵، ۷۷، ۷۸، ۸۴، ۸۶، ۸۹، ۹۰، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۷۷، ۲۴۷، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۸ تا آخر کتاب
مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات فارسی ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۹
معارج النبوہ ۳۱۰
معجم البلدان ۲۴۱
المعجم فی معائیر اشعار العجم ۳۰۷
معیار الاشعار ۳۱۰
معیار جمالی ۵، ۶۳، ۸۶، ۹۵، ۱۵۰، ۱۶۴، ۱۷۸، ۲۴۲، ۲۴۸، ۳۰۴
مفتاح الفضلا ۶
مقدمۃ الادب ۳۶، ۳۸، ۶۶، ۷۹، ۸۹، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۵۱
مقصد اللغۃ ۶
مکاتیب سنائی ۲۰۷
منتخب التواریخ ۱۸۰
منتہی الارب ۱۵۱، ۱۷۹، ۱۸۰
منتقلی رجسٹر فار برٹش انڈیا اینڈ ڈیپنڈنسیز ۲۱۸
موید برہان قاطع ۲۷۱
موید الفضلا ۶، ۱۵، ۱۷-۲۱، ۲۶، ۳۱، ۳۴، ۳۶، ۴۱، ۵۵، ۶۵، ۷۷، ۷۹، ۸۶، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۴-۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۴۷، ۳۰۵، ۳۵۱، تا آخر کتاب
مہذب الاسماء ۱۷۹

ن

ناسخ التواریخ ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۷۵
نامۂ اندرز نامۂ اسکندر ۲۱۳، ۲۳۰
نامۂ شت جی افرام ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۵، ۲۳۰
نامۂ شت ساسان نخست ۲۱۳
نامۂ شت ساسان پنجم ۲۱۳
نامۂ شت شایکلو ۲۱۳، ۲۳۰
نامۂ شت مہ آباد ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۷، ۲۲۹،

نامۂ شت وخشور تہمورس ۲۱۳
نامۂ شت وخشور جمشید ۲۱۳
نامۂ شت وخشور زرتشت ۲۱۳، ۲۱۷
نامۂ شت وخشور سیامک ۲۱۳
نامۂ شت وخشور گلشاہ ۲۱۳
نامۂ شت وخشور فریدون ۲۱۳
نامۂ شت وخشور کیخسرو ۲۱۳
نامۂ شت وخشور منوچہر ۲۱۳
نامۂ شت وخشور ہوشنگ ۲۱۳
نامۂ شت وخشور یاسان ۲۱۳
نبی (قرآن) ۲۸۳، ۲۸۴
نذر عرشی ۳۱۱
نزہت الارواح ۲۵
نسخۂ حلیمی ۱۹۶
نسخۂ وفائی ۱۹۶
نصاب الصبیان ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۵،
نقد غالب (قاضی عبدالودود) ۲۱۲
نیوایشیاٹک مسیلینی ۲۱۳

و

وید ۲۲۱
ویس ورامین ۱۶۸

ہ

ہدایہ ۱۱۵
ہدایۃ المتعلمین فی الطب ۱۱۶، ۱۸۷

ی

یشتہا ۶۱، ۱۴۸، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۴۰

نقد قاطعِ برہان

مع ضمائم

پروفیسر نذیر احمد